اہم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟

تالیف

محمد ادریس محمد یوسف گونیا گودھروی

نظر ثانی

حضرت شیخ محمد طلحہ منیار سورتی حفظہ اللہ تعالی

(شاگرد رشید علامہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ تعالی)

ادارۃ الصدیق، دیوبند، ڈابھیل

اہم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟

تالیف

محمد ادریس محمد یوسف گونیا گودھروی

IDARATUSSIDDEEQ
DABHEL, DIST. NAVSARI GUJARAT, INDIA
CELL. +919913319190, 9904886188

تالیف: (مولانا) محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا (گودھروی)

﴿نظر ثانی﴾

حضرت شیخ طلحہ بن بلال منیار سورتی حفظہ اللہ

(شاگرد رشید علامہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ)

﴿ناشر﴾

نام کتاب : ہم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟

تالیف : (مولانا) محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا گودھروی

کمپوزنگ : قاسمی کمپیوٹر، گودھرا۔ M:09924569399

سن اشاعت : ۲۰۱۸ء ۱۴۳۹ھ

مؤلف کا پتہ

Mo.Idrees Mo.Yusuf Guniya

Nr. Muhammadi Masjid, Dhantiya Plot,

Vejalpur Road, GODHRA. 389001

Dist. : Panchmahal. Gujarat. India

Mo. No. +91-7698364621

کتاب ملنے کا پتہ

انتســــــــــاب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو

☆ محدث کبیر حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ

☆ جامعہ رحمانیہ دارالعلوم وناکپور گودھرا کے اساتذۂ کرام

☆ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے اساتذۂ کرام

☆ جامعہ مظاہر علوم کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے اساتذۂ کرام

☆ جامعہ کنز العلوم جمالپور احمد آباد

----- اور -----

☆ معزز و محترم والدین ماجدین

کی طرف منسوب کرتا ہوں۔

فہرست

دیباچہ برائے طبع دوم

کتاب کا پہلا ایڈیشن ابھی ختم نہیں ہوا ہے لیکن بذریعہ واٹس اپ اور فیس بک تشہیر کے بعد میرے ایک مخلص کرم فرما نے مطلع کیا کہ پڑوسی ملک میں کتاب کا مطالبہ بہت زیادہ ہے، اس لئے وہاں بھی کتاب کی اشاعت وطباعت کے بارے میں کوئی کوشش کی جائے اور الحمد للہ وہاں کتاب کی طباعت کے آثار نظر آرہے ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ اغلاط کی اصلاح کی گئی اور آخر کتاب میں ضمیمہ در اسباب رد کو شامل کیا گیا ہے چوں کہ حدیث پر حکم لگاتے وقت اسباب رد کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

اس کتاب کے موصول ہونے پر بہت سے حضرات نے مجھے دعاؤں سے نوازا اور حوصلہ افزائی کی ان کی فہرست لمبی ہے ان میں سر فہرست ہمارے گجرات کے علی میاں مفکر ملت حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی اطال اللہ بقاءہ بالصحۃ والعافیۃ ہیں، جنہوں نے کتاب موصول ہونے پر باوجود شدید بیماری اور نقاہت کے بذریعہ فون مبارک بادی دی اور دعاؤں سے نوازا۔ اب تک دو موقر شخصیات نے بذریعہ تحریر اپنے تاثرات پیش فرمائیں ان کے تاثرات بھی کتاب کے ساتھ شامل کئے جارہے ہیں۔ جن میں ایک حضرت مفتی سلمان منصور پوری (استاذ حدیث وفقہ مدرسہ شاہی مرادآباد) دامت برکاتہم ہیں۔

اللہ تعالی ان تمام حضرات کو دارین میں بہتر سے بہتر بدلہ نصیب فرمائیں۔ اور اپنی رضا وخوشنودی عطا فرمائیں۔

محمد ادریس گودھروی

تاثرات

حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری دامت برکاتہم

(استاذ حدیث وفقہ جامعہ شاہی مرادابادی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب ’’علم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟‘‘ کل بذریعہ ڈاک موصول ہوئی۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ انداز میں آپ نے قیمتی معلومات جمع فرمادی ہیں۔ ہم جیسے طالب علموں کے لئے یہ نہایت مفید کتاب ہے اللہ تعالی بے حد قبولیت سے نوازیں آمین

ہماری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔ فقط والسلام۔

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

مدرسہ شاہی مراداباد

۳۔ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

تاثرات

حضرت مولانا مفتی روح الامین صاحب مدظلہ العالی

(شیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ دنوں قبل جناب کی طرف سے ایک علمی قیمتی تحفہ موصول ہوا اس کرم فرمائی پر شکر گذار ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ فن حدیث متنوع علوم کا مجموعہ ہے۔آدمی پوری زندگی بھی اس فن منیف کی خدمت کے لئے وقف کردے،تب بھی ممکن ہے اس کو تنگئ وقت کو شکوہ ہو۔

جس قدر یہ فن اہمیت کا حامل ہے،آج اسی کے بقدر بے اعتنائی کا شکار ہے،درک رکھنے والے حضرات اٹھتے چلے جارہے ہیں اور خلا کو پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا،خصوصاً ہمارے ملک میں کوئی مرکزی شخصیت نظر نہیں آتی،جہالت کا شیوع ہے،ایسی صورت حال میں ضروری ہے کہ سہل پسند طبائع کو سامنے رکھ کر اس کی تہذیب،تفہیم اور تسہیل کی جائے،تاکہ باذوق افراد کسی درجہ میں بھی اس سے مناسبت پیدا کرسکیں۔

ماشاء اللہ جناب کا یہ اقدام انتہائی لائق ستائش اور قابل قدر ہے،مجموعہ اپنی ترتیب،تسہیل، جامعیت اور ایجاز کے لحاظ سے اس لائق ہے کہ داخل نصاب ہو،دین کے عنوان سے کذب بیانی کے اس دور میں اس موضوع کی تسہیل وقت کی اہم ضرورت ہے،اور یہ کاوش اس باب میں ایک رہنما اور گائیڈ کی حیثیت کی حامل ہے،کتب کا تعارف فن سے شغف رکھنے والوں کے ذوق کی چیز ہے،اور باب چہارم ثابت وغیر ثابت کے درمیان تمیز کے سلسلہ میں رہنما خطوط پر مشتمل ایک وقیع سوغات ہے۔

بندہ استفادہ کررہا ہے،اور مؤلف ومرتب کے لئے دل سے دعا ہے کررہا ہے کہ اسے حسن قبول حاصل ہو اور ذخیرۂ آخرت بنے۔آمین

احقر روح الامین غفرلہ

مدرسہ مظہر سعادت ہانسوٹ

۱۲۔ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

گرامی نامہ

پیر و مرشد حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزم مولانا ادریس صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ ملا، جس سے آپ کی تالیف ”ہم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟“ کی تکمیل کا مژدہ پڑھ کر مسرت ہوئی۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں تخریج، علمِ جرح وتعدیل، قواعدِ جرح وتعدیل، مراحب جرح وتعدیل، علمِ اسماء الرجال اور جرح وتعدیل واسماء الرجال سے متعلق کتابوں کا اجمالی وتفصیلی تعارف، ان کی خصوصیات، ان سے استفادہ کا طریق کار وغیرہ بڑے اہم مباحث کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے، جس کا اندازہ مرسلہ فہرست سے بخوبی ہوتا ہے، فنِ حدیث میں تخصص حاصل کرنے والے طلبہ کے لیے بہت کارآمد اور مفید تصنیف ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی اس سعیِ جمیل کو حسنِ قبول عطا فرما کر طالبینِ علومِ حدیث کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور آپ کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔ فقط والسلام

املاہ : احمد خانپوری

۲۴/ ذی القعدہ ۱۴۳۸ھ

تقریظ

نمونۂ سلف حضرت اقدس مفتی ابراہیم آچھودی دامت برکاتہم

(خلیفہ حضرت اقدس مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم)

عزیزم مولانا ادریس صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون ! آپ کی مؤلفہ کتاب "ہم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟" کو کہیں کہیں سے دیکھا۔ ماشاء اللہ کتاب اپنے موضوع میں بہت خوب ہے۔

اس کتاب کو اور حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد سعید پالنپوری دامت برکاتہم کی اصول کتاب "تحفۃ الدرر" کو شرح نخبۃ الفکر پڑھنے والے طلبا مطالعہ میں رکھیں تو بہت فائدہ ہوگا۔

اگر آپ اسی طرح فن حدیث کے ساتھ شغف رکھیں گے تو طلبا کو بے حد فائدہ ہوگا اور ایک زمانہ میں آپ ہی آپ ہوں گے۔ فقط والسلام

دعا گو

(مفتی) ابراہیم آچھودی (صاحب)

استاذ حدیث جامعہ رحمانیہ وناکپور، گودھرا، گجرات

كلمات تشجيعية

فضيلة الشيخ المحدث الناقد البصير

محمد طلحه منيار سورتي حفظه الله تعالى[1]

الحمد لله الكريم الجواد ، رافع السبع الشداد بغير عماد ، به العون وعليه الاعتماد، والصلاة والسلام على سيدنا محمد المبعوث رحمة إلى العباد ، وعلى آله وأصحابه والتابعين لهم بإحسان إلى يوم التناد.

أما بعد : فقد طلب مني الأخ المحب المخلص في الوداد ، المولوي محمد إدريس الگودهروي القائم بأعباء التدريس والإفادة في أحمد آباد، أن أكتب له سطوراً عن كتابه الجديد في فن التخريج ودراسة الإسناد، فتصفحت ما جمعه بعين البصيرة والانتقاد، فألفيته قد أحسن في ترتيبه وترصيفه فأتقن وأجاد، وعزف بجمع من الكتب المصنفة في علوم الحديث فنفع وأفاد، فمن طالع كتابه فرح به وأشاد، وكرر فيه النظر وأعاد، وهو خير زاد لطالب الحديث في الحاضر والباد.

فأسأل الله أن يكتب له القبول والاعتماد، وأن ينفع به كل من يقرأه وينيله البغية منه والمراد، ويرزق مصنفه التوفيق والسداد، ويجزيه خيراً على الإفادة والإرشاد. آمين يا رب العباد.

قاله بفمه وكتبه بالمداد

محمد طلحة بلال أحمد منيار

نزيل مكة المشرفة خير البلاد

يوم الثلاثاء 27 محرم الحرام 1439

---

[1] حضرت شیخ طلحہ منیار دامت برکاتہم العالیہ گجرات کے سورت شہر کے باشندہ ہیں۔ موصوف نے

ابتداء سے لے کر انتہا تک کی تعلیم مکۃ المکرمہ ومدینۃ المنورہ میں حاصل کی ہے۔ مقدس سرزمین کے علمائے کبار سے کسب فیض کیا ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کو اس کی برکت سے علمی گہرائی وگیرائی سے سرفراز فرمایا ہے۔ خاص طور سے فن تفسیر، فن حدیث، فن فقہ اور فن تجوید میں آپ کو ید طولی حاصل ہے۔ آپ کی تالیف کردہ، تحقیق کردہ اور تصحیح کردہ کتابوں سے آپ کی وسعت علمی کا بآسانی اندازہ ہوتا ہے۔ موصوف متواضع، ملنسار اور اصول کے پابند ہیں۔ آپ کی مختصر سی صحبت سے طالب کو بہت سے علمی گوہر ہاتھ آجاتے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کے سایہ کو تادیر قائم ودائم رکھے اور ہمیں ان سے علمی استفادہ کی توفیق نصیب فرمائیں۔

تحقیقات

آپ نے مندرجہ ذیل کتابوں کی تحقیق کا گراں قدر کام انجام دیا ہے

1- لسان الميزان - في علم الرجال، لابن حجر۔ باشراف الشيخ العلامة المحدث عبد الفتاح ابو غدة رحمه الله تعالى

2- احكام قراءة القرآن - في التجويد، للحصري

3- حكمة الاشراق - في الخط والكتابة، لمرتضى الزبيدي

4- مقدمة تفسير القرطبي

5- مختصر زاد المعاد - في السيرة، لابن القيم

6- الاعلان بالتوبيخ - في التاريخ، للسخاوي۔ (غیر مطبوع)

7- ادب الكتاب - في المكاتبات، للصولي ۔ (غیر مطبوع)

8- ارشاد الساري الى مناسك الملا علي القاري، لحسين عبد الغني

9- غاية النهاية في طبقات القراء، لابن الجزري. (کام جاری ہے)

10- الأربعون حديثا من أربعين كتابا، للشيخ الفاداني. (کام جاری ہے)

11- الإيثار بمعرفة رواة الآثار في التراجم، لابن حجر. (کام جاری ہے)

تصحیح وترقیم

آپ نے مندرجہ ذیل کتابوں کی تصحیح وترقیم کا مفید کام انجام دیا ہے۔

1–رفع الملام عن الأئمة الاعلام–في الاجتهاد والتقليد، لابن تيمية

2–الرد على المنطقيين–له أيضا

3–السفارات النبوية–في السيرة، لمحمود شيت خطاب. (غیر مطبوع)

4– سیرت سید البشر، اردو

5–اتمام النعم ترجمة الحكم، للسهار نفوري. اردو (غیر مطبوع)

6–مختصر تبرك الصحابة بآثار الرسول، لمحمد طاهر كردي

7–حسن الدعابة فيما ورد في الخط والكتابة، للكردي. (کام جاری ہے)

تالیفات

آپ نے مندرجہ ذیل کتاب کی تالیف کی ہے جو عرب ممالک میں کافی مقبول ہوئی۔

1–إعانة الحفاظ على ضبط الآيات المتشابهة في الألفاظ

2–طبقات الخطاطين. (کام جاری ہے)

تقدیم

آپ نے نور الایضاح (تحقیق کردہ: مفتی طیب بھڑ کودروی مدظلہ العالی) کے شروع میں ایک تحقیقی مقدمہ بنام "مواهب الفتاح بطلعة نور الإيضاح" تحریر فرمایا ہے، جس سے موصوف کی فن فقہ میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت کی ان خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور مزید اس نوع کی علمی خدمات کی توفیق نصیب فرمائیں اور نظر بد اور ہر قسم کے شرور وفتن اور مکارہ سے حفاظت فرمائیں۔ آمین

تقریظ

حضرت مولانا احمد حسین مظاہری دامت برکاتہم

(بانی وشیخ الحدیث ومہتمم جامعہ کنز العلوم، جمالپور، احمدآباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم اچھی طرح اس بات سے واقف ہیں کہ علم حدیث ایک بحر بیکنار علم ہے، جو اپنے اندر بہت سارے علوم کو لئے ہوئے ہے، جیسے متون حدیث، اسانید حدیث، فن اسماء الرجال، فن ضبط اسماء الرجال، غریب الحدیث، فقہ الحدیث، شروح الحدیث وغیرہ، اور علم حدیث کے تمام فنون پر علماء ومحدثین نے کام کیا ہے، یہاں تک کہ سیکڑوں ایسے اللہ کے بندے گزرے ہیں جنہوں نے اپنی عمریں کھپادیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے سامنے ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ پارہے ہیں، انہی علوم میں سے ایک غامض اور لطیف علم، علم علل حدیث ہے، اس علم پر واقفیت کے لئے احادیث کے رواۃ پر گہری نظر ضروری ہے، رواۃ حدیث کے نام، ان کا نسب، کنیت، لقب اور کس نام سے مشہور ہیں، بعض رواۃ اپنے دادا پردادا کے نام سے مشہور ہیں اس کا بھی علم ضروری ہے، راوی کے مختصر حالات، اس کی زندگی یہاں تک کہ اس کا عقیدہ نیز پیدائش اور وفات کا سن بھی معلوم ہونا ضروری ہے، نیز کن کن رواۃ سے اس راوی نے کسب کیا ہے، ان کے اساتذہ اور شیوخ کون ہیں، کس درجہ کے ہیں اور ان کے شاگرد اور تلمیذ کون ہیں اس کا بھی معلوم ہونا ضروری ہے۔

بعض مرتبہ ظاہر میں کوئی علت معلوم نہیں ہوتی، علت خفیہ ہوتی ہے، جب تک علت پر واقفیت نہیں ہوگی حدیث کا درجہ معلوم نہیں ہوسکتا، جیسے ابو حامد الاعمش بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کی مجلس میں امام مسلم آئے اور ایک حدیث "عبید اللہ بن عمر عن ابی الزبیر عن جابر قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ ومعنا ابو عبیدۃ" سنا کر درخواست کی کہ اگر آپ کے پاس یہ حدیث ہو تو اس کو متصل فرمادیجئے، مطلب یہ تھا کہ عبید اللہ تابعی ہیں اس لئے یہ حدیث امام کے پاس ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو متصل السند ہے یا نہیں؟ اور اگر سند ہے تو معلل ہے یا صحیح؟ اور اگر معلل ہے تو علت معلوم ہے یا نہیں؟ امام بخاری نے اسی وقت حدیث کی سند متصل بیان فرمائی "حدثنا ابن ابی اویس حدثنی اخی عن سلیمان بن بلال عن عبید اللہ"۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ کسی شخص نے سند پڑھی اور حدیث سنائی "حدثنا حجاج بن محمد عن ابن

جریج عن موسیٰ بن عقبۃ عن سہیل عن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کفارۃ المجلس اذا قام العبد ان یقول: سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک" امام مسلم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند اس سے عالی نہیں ہے اور اس کا ایک طریق اور بیان کیا "حدثنا محمد بن سلام حدثنا مخلد بن یزید اخبرنا ابن جریج حدثنی موسیٰ بن عقبۃ عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ" یہ سن کر امام بخاری نے فرمایا: الا انہ معلول یہ سن کر امام مسلم کانپ اٹھے اور علت دریافت کی، امام نے معذرت کی لیکن امام مسلم کے اصرار پر فرمایا: موسیٰ بن عقبۃ کا سماع سہیل بن ابی صالح سے ثابت نہیں۔

اسی طرح اسماء اور کنی سے بھی واقفیت ضروری ہے، جیسے واقعہ مشہور ہے کہ امام فریابی نے امام بخاری کی موجودگی میں ایک حدیث بیان کی "حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ" حاضرین سفیان کے علاوہ بعد کے مشائخ کو نہ پہچان سکے، امام نے فرمایا: ابوعروۃ معمر بن راشد ہیں اور ابوالخطاب قتادۃ بن دعامۃ السدوسی ہیں اور ابوحمزۃ انس بن مالک ہیں۔

حدیث پاک کے درجہ کو جاننے کے لئے ان تمام علوم پر دسترس ضروری ہے، نیز جرح وتعدیل کے اصول وضوابط سے واقفیت، نیز اس فن پر جو کتابیں تصنیف ہوئی ہے ان کا گہرا مطالعہ اور کتب جرح وتعدیل کے تالیفی مراحل اور کیفیت کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور ائمہ جرح وتعدیل اور نوعیت نیز ان کا تشدد وتساہل بھی، نیز جرح وتعدیل کے لئے جو الفاظ اور اصطلاحات استعمال کی ہیں اس کا بھی معلوم ہونا ضروری ہے، نیز ائمہ جرح وتعدیل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اور بوقت تعارض بین الجرح والتعدیل میں تطبیق یا ترجیح کی جو شکلیں ہیں معلوم ہونا اور ائمہ جرح وتعدیل میں بعض کی مخصوص اصطلاحات ہیں اس پر بھی نظر ہونا وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

الحمد للہ رب العالمین ہمارے عزیز محترم مولانا مولوی محمد ادریس صاحب زید مجدہ نے اس پر بڑا مفید کام کیا ہے، اور بڑا عمدہ مواد جمع کیا ہے، تخریج حدیث کے اصول اور ضوابط اور قواعد بڑی تفصیل سے ذکر کئے ہیں جس سے حدیث کے درجہ کو بھی معلوم کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعاء گو ہوں کہ موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ذریعہ نجات فرمائے اور اس کو پڑھنے والے، سمجھنے والے اور فائدہ اٹھانے والے افراد مہیا فرمائے، اور اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(مولانا) احمد حسین مظاہری
بانی وشیخ الحدیث ومہتمم جامعہ کنز العلوم، احمد آباد

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

علوم قرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضا و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کا سامان فراہم کرتی رہتی ہے۔ آیات کا شانِ نزول، ان کی تفسیر، احکام القرآن، ان کی تشریح و تعیین، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح حامل قرآن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سیرت اور حیات طیبہ اور اخلاق و عادات مبارکہ اور آپ ﷺ کے اقوال و اعمال، آپ کے سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرامؓ کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و استنباطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ کامل و مکمل اسلام اسی علم حدیث کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ سے موجود و قائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت رہے گا۔

علم حدیث کی شرافت و افضلیت کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کا موضوع ہی نبی اکرم ﷺ ذات گرامی من حیث انہ رسول اللہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی فضیلت ہوگی؟ اور اہل علم جانتے ہیں کہ کسی علم کی شرافت و فضیلت کا مدار اس کے موضوع کی عظمت و شرافت پر ہے۔ جس علم کا موضوع جتنا افضل و اشرف ہوگا اسی قدر وہ علم بھی اشرف و افضل ہوگا اور اگر موضوع ادنی و اخس ہوگا تو علم بھی دنی و خسیس ہوگا۔ اب علم حدیث ہی اشرف العلوم ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا موضوع اشرف الخلائق حضرت محمد ﷺ ذات گرامی ہے۔

علم حدیث کی اسی اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں نے آغاز اسلام ہی سے قرآن پاک کے بعد اس علم کو اپنے سینے سے لگایا اور اپنی پوری محنت و قابلیت اور اخلاص و عقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات و اسناد کی حفاظت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن کے اولین رواۃ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالی

علیہم اجمعین تھے۔ان کی راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے۔ قرآن وحدیث میں ان حضرات کے عادل ہونے کی گواہی دی گئی ہے۔حضرات صحابہ نے احادیث کا ذخیرہ بے کم وکاست اپنے بعد والے لوگوں کے ہاتھوں میں مکمل امانت داری کے ساتھ پہنچا دیا۔کسی ایک صحابی سے بھی معاذ اللہ حدیث شریف کے نقل کرنے میں دروغ گوئی ثابت نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے اخیری دور خلافت میں تقدیر الٰہی سے کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ فتنوں نے سر نکالا اور اسلام کے خلاف ایک عجیب وغریب تحریک شروع ہوگئی۔شیعہ،روافض اور خوارج وغیرہ جیسے نت نئے فرقوں نے جنم لیا اور ان گمراہ فرقوں نے اپنے افکار ونظریات کی تائید میں احادیث کو وضع کرنا شروع کردیا۔تو اللہ تعالی نے اپنے دین وشریعت کی حفاظت کے لئے طبقۂ تابعین وتبع تابعین میں اصحاب بصیرت ائمہ وفقہا کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کردیا جنھوں نے بالقائے ربانی وبتائید یزدانی ہر راوی کے حالات معلوم کئے اور فن اسمائے رجال وفن جرح وتعدیل کے ذریعہ کھرے کھوٹے کو الگ کرکے رکھ دیا اور بعض رواۃ کو قابل اعتبار اور بعض کو ناقابل اعتبار قرار دیا۔اب جو روایتیں ناقابل اعتبار رواۃ سے منقول ہوں ان سے اجتناب کرنا ضروری ہوگا۔ورنہ آدمی اس سخت وعید کا مستحق ہوجائے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ثابت شدہ روایتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں۔من کذب علي متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار

حدیث کا درجہ (باعتبار صحت،حسن،ضعف اور وضع) جاننے کا طریقہ ہر اس عالم وفاضل وداعی کے لئے ضروری ہے جو تعلیمی وتدریسی،تصنیفی وتالیفی اور دعوتی مشاغل میں مشغول ہوں تاکہ وہ صحیح وثابت شدہ احادیث کو بیان کرسکے اور غیر ثابت شدہ وموضوع احادیث سے اجتناب کرسکے۔عام طور پر طلبائے عزیز حدیث کا درجہ معلوم کرنے کے طریقۂ کار سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس بارے میں متقدمین ومتاخرین کی کتابوں میں موجود منتشر مواد کو ایک جگہ اختصار کے ساتھ جمع کردیا جائے۔چناں چہ اسی ضرورت کی تکمیل کا نتیجہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول: تخریج الحدیث: چوں کہ بندہ نے اپنی پہلی کاوش ”ہم علم حدیث کیسے پڑھیں؟“ میں تخریج

حدیث سے متعلق تفصیلی باتیں ذکر کر دی ہیں اس لئے اس کتاب میں تخریج حدیث سے متعلق مواد کے ذکر میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

باب دوم: علم جرح وتعدیل

باب سوم: علم اسماء الرجال

باب چہارم: سند حدیث کا درجہ معلوم کرنے کا طریقہ کار

بنیادی طور سے ذخیرۂ احادیث میں دو طرح کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) وہ احادیث جو نقد ونظر کے مرحلہ سے گزر چکی ہیں اور ائمہ محدثین کی جانب سے ان کی صحت وثبوت یا عدم ثبوت کا فیصلہ صراحتاً یا دلالۃً ہو چکا ہے۔

(۲) وہ احادیث جن کے متعلق ائمہ حدیث کی جانب سے کوئی تصریح، یا دلالت نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہو کہ صحت وضعف کے اعتبار سے ان کا کیا درجہ ہے؟

حدیث کا درجہ معلوم کرنے کی ضرورت ان ہی احادیث میں ہوتی ہے جن میں پیشرو ائمہ فن کی جانب سے یا تو بالکل ہی کوئی تصریح نہ ملے، یا ایسے ناقد کی ملے جو جمہور اہل علم کے نزدیک ناقابل اعتبار یا بے جا تشدد برتنے والا مشہور ہو، یا ان احادیث میں ہوتی ہے جن میں تصریح تو کسی امام معتبر کی موجود ہے مگر اس میں کھلی ہوئی کوئی ایسی علت موجود ہے جو اس کی تصحیح یا تحسین سے مانع ہے اور باوثوق طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ صحت کا حکم لگانے والے امام کو اس علت کا ہرگز علم نہیں تھا۔

اس سلسلہ میں محفوظ ترین طریقہ یہی ہے کہ باحث اپنی طرف سے احادیث پر حکم لگانے کی کوشش نہ کرے جہاں تک ہو سکے ائمہ سابقین کی تصریحات تلاش کرے تاکہ اپنی ذمہ داری کے بوجھ سے سبک دوش رہے۔ چناں چہ اگر مطلوبہ حدیث سے متعلق کسی ایسے امام کی تصریح مل جائے جس پر جمہور علما اعتماد کرتے آئے ہوں اور اکثریت نے اس کو تساہل وغیرہ کی طرف منسوب نہ کیا ہو تو اس پر اکتفا کر لے، نئے سرے سے نقد اسناد کا جال پھیلانا اپنی جان جوکھم میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

تشکر وامتنان:

سب سے پہلے میں اس خداوند قدوس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اس کام کی توفیق

عنایت فرمائی پھر میں اپنے والدین ماجدین، اساتذۂ کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی خصوصی توجہات نے مجھے اس کام کے قابل بنایا، پھر میں ان تمام علمائے کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر کتاب پر نظر ثانی فرما کر کتاب کے متعلق اپنی وقیع آرا تحریر فرمائیں۔ خاص طور پر حضرت شیخ طلحہ منیار صاحب دامت برکاتہم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کتاب کا حرف بحرف مطالعہ فرما کر مناسب اصلاحات فرمائیں۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اللہ تعالی ان تمام کو دنیا وآخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن مآخذ ومصادر سے مدد لی گئی ہے ان مآخذ کی فہرست آخر کتاب میں ذکر کردی گئی ہے لیکن بطور خاص مندرجہ ذیل چار کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور ان چار کتابوں کی مدد سے اصل مآخذ کی طرف رسائی حاصل کی گئی ہے۔

(۱) ضوابط الجرح والتعدیل : عبد العزیز بن محمد عبد اللطیف

(۲) جرح وتعدیل : ڈاکٹر اقبال بسکوہری

(۳) تخریج الحدیث نشاتہ ومنہجیتہ : ڈاکٹر ابو اللیث خیر آبادی

(۴) تیسیر علوم الحدیث : شیخ عمرو عبد المنعم سلیم

گذارش: حضرات قارئین سے درخواست ہے کہ مطالعہ کے دوران اگر کسی لغزش پر مطلع ہو تو ضرور مطلع فرمائیں تا کہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کرلی جائے۔

کتبہ

(مولانا) محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا گودھروی

جامعہ کنز العلوم، خان جہاں دروازہ،

جمالپور، احمد آباد۔ ۳۸۰۰۰۱

موبائل : 7698364621

باب اول

تخریج الحدیث

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسنادی پہلو سے کسی حدیث کا مقام ومرتبہ اور درجہ جاننے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ مطلوبہ حدیث ذخیرۂ حدیث میں کہاں کہاں ہے؟ اور کن کن سندوں سے مروی ہے جب تک ممکنہ حد تک پورے ذخیرۂ حدیث سے حدیث کو کھنگال کر حدیث کے اطراف والفاظ سامنے نہیں لائیں جائیں گے وہاں تک مطلوبہ حدیث کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ نہیں ہوسکتا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ فضلائے مدارس وجامعات کو احادیث تلاش کرنے میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں اور اس کی وجہ مصادر حدیث کے منہج اور انداز ترتیب سے ناواقفیت ہوتی ہے۔ کتب حدیث کے طرز تالیف کے مختلف ہونے کی وجہ سے تخریج حدیث کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ تخریج حدیث کے کل چھ طریقے ہیں۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب "ہم علم حدیث کیسے پڑھیں؟" میں ان چھ طریقوں کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے من شاء التفصیل فلیراجع هناک

یہاں اجمالاً ان چھ طریقوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حدیث میں موجود کلمات مبہمہ یا کلمات غریبہ کے ذریعہ تخریج کرنا

(۲) متن حدیث کے اول لفظ کے ذریعہ تخریج کرنا

(۳) حدیث کے راوی اعلیٰ صحابی کے نام کے ذریعہ تخریج کرنا

(۴) حدیث کے موضوع فقہی کو دیکھ کر تخریج کرنا

(۵) سند یا متن میں پائے جانے والی کسی صفت یا معنی کے ذریعہ تخریج کرنا

(۶) تتبع واستقرا کے ذریعہ تخریج کرنا

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تخریج حدیث میں معین ومددگار کتابوں کا قدرے تفصیلی تعارف

پیش کیا جائے۔ تخریج حدیث میں پانچ کتابیں معین و مددگار ہیں۔

تعارف : المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ

اس کتاب کو چند مستشرقین نے مل کر مرتب کیا ہے، ان میں پیش پیش پروفیسر آرنٹ جان ونسنک (Arent Jan Hensinck) ہولنڈی (م: ۱۹۳۹ء) ہے اور استاذ محمد فواد عبد الباقی صاحب (م: ۱۳۸۸) نے ان کا تعاون کیا ہے۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل نو کتابوں کے کلمات غریبہ و مبہمہ کو الف ب کی ترتیب پر مرتب کر کے کتابوں کا مع باب یا مع رقم الاحادیث حوالہ دیا ہے۔

(۱) صحیح الامام البخاری (خ)

(۲) مسلم شریف (م)

(۳) سنن ابو داؤد السجستانی (د)

(۴) سنن ترمذی (ت)

(۵) نسائی شریف (ن)

(۶) ابن ماجہ کے لئے پوری کتاب میں 'جہ' کا رمز استعمال کیا ہے، سوائے جزء اول کے تئیس (۲۳) صفحات کے کہ ان میں 'ق' کا رمز استعمال کیا ہے۔

(۷) مؤطا امام مالکؒ (ط)

(۸) سنن دارمی (دی)

(۹) مسند احمد بن حنبل اس کتاب کا حوالہ دینے کے لئے جلد اول کے شروع کے تئیس (۲۳) صفحات میں 'حل' کا رمز استعمال کیا ہے اور مابقیہ میں 'حم' کا رمز استعمال کیا ہے۔

یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے، لیکن آٹھویں جلد کی ترتیب کچھ الگ ہے، اس جلد میں احادیث

کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ احادیث میں وارد لوگوں کے نام، مکان، قرآن کی سورتیں، آیات وغیرہ مذکور ہیں۔ اس جزء کے مؤلف ویم راؤن (Wim Raven) نے صرف اعلام اور اماکن ہی کو ذکر کیا ہے، حدیث کا وہ جزء ذکر نہیں کیا ہے، جس میں یہ اماکن واعلام وارد ہوئے ہیں۔

❁ ان طبعات کا ذکر جن کو سامنے رکھ کر معجم المفہرس کو تیار کیا گیا

(۱) بخاری شریف — مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیۃ استنبول ترکی ۱۹۷۹

(۲) مسلم — مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ قاہرہ ۱۹۵۵

(۳) ابوداؤد — مطبوعہ دار الحدیث حمص سوریہ ۱۹۷۳

(۴) ترمذی — مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی قاہرہ ۱۹۳۸

(۵) نسائی — مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ الکبری قاہرہ ۱۳۴۸

(۶) ابن ماجہ — مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ ۱۹۵۲

(۷) دارمی — مطبوعہ دار الریان قاہرہ ۱۹۸۷

(۸) مؤطا مالک — مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ ۱۹۵۱

(۹) مسند احمد — مطبوعہ المیمنۃ مصر ۱۳۱۳

معجم المفہرس اور مفتاح کنوز السنۃ سے (جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا) استفادہ آسان ہو جائے اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے استاذ محمد فؤاد عبد الباقی صاحب نے پہلی آٹھ جلدوں کی تفصیلی فہرست تیار کی ہے جو تیسیر المنفعۃ بکتابی مفتاح کنوز السنۃ والمعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں کتاب اور ابواب ارقام کے ساتھ ذکر کئے ہیں، مسلم اور مؤطا کے لئے کتاب کے ارقام کے ساتھ ساتھ احادیث کے ارقام کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔

❁ کلمات کی ترتیب :

حدیث سے کلمۂ غریبہ یا کلمۂ مبہمہ کو اختیار کرنے کے بعد مندرجہ ذیل طریقہ پہ اس کو مرتب

کرتے ہیں۔

اولا: فعل مجرد ماضی معروف کے چودہ صیغے علم صرف کی ترتیب پر ذکر کرتے ہیں، پھر اسی ترتیب پر مضارع کو ذکر کرتے ہیں، پھر فعل امر کے چھ صیغے پھر اسم فاعل اور اسم مفعول کے چھ چھ صیغے اسی ترتیب سے ذکر کرتے ہیں۔ پھر فعل مزید فیہ کو اسی ترتیب مذکورہ پر ذکر کرتے ہیں۔

ثانیا: اسمائے معانی جیسے صلاۃ، زکوۃ، امر وغیرہ کا ذکر اس ترتیب سے کرتے ہیں کہ پہلے مفرد مرفوع منون، پھر مفرد مرفوع غیر منون، پھر مجرور بالاضافت منون، پھر مجرور بالاضافت غیر منون، پھر مجرور بحرف الجر منون، پھر مجرور بحرف الجر غیر منون، پھر منصوب منون، پھر منصوب غیر منون پھر اس کے بعد اسی لفظ کا تثنیہ مفرد کی ترتیب پر ذکر کرتے ہیں، پھر جمع کا صیغہ اسی ترتیب پر ذکر کرتے ہیں۔

ثالثا: پھر دیگر مشتقات جیسے اسم صفت، اسم ظرف، اسم آلہ، افعل التفضیل ان مشتقات کے ذکر کرنے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے بغیر اضافت والے ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد اضافت والے ذکر کرتے ہیں، مثال کے طور پر کلمہ " امر " لیا جائے تو پہلے امر سے مجرد فعل ماضی معروف اور مجہول کے چودہ چودہ صیغے پھر اسی طرح مضارع پھر امر پھر اسم فاعل پھر اسم مفعول کے چھ چھ صیغے پھر مزید فیہ جیسے ائتمر، آمر، تأمّر، استأمر پھر امرٌ پھر أمیر پھر إمرة پھر أمارة پھر إمارة پھر آمَر اسم تفضیل کو ذکر کیا ہے۔

کلمہ غریبہ یا کلمہ مبہمہ کے ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس حدیث کا تھوڑا سا ٹکڑا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں یہ کلمہ ہوتا ہے۔ حدیث کا جزء ذکر کرنے کے بعد کتب تسعہ میں سے جس نے اس حدیث کی تخریج کی ہوتی ہے اس کا رمز تحریر کرتے ہیں، اس کے بعد کتاب کا عنوان جیسے الصلوۃ لکھتے ہیں، اس کے بعد رقم الباب اور مسلم اور مؤطا کا رقم الحدیث تحریر کرتے ہیں اور اگر مسند احمد کی روایت ہوتی ہے تو بڑے حروف میں جزء کا رقم اور چھوٹے حروف میں صفحہ کا رقم ذکر کرتے ہیں، کبھی صفحہ کے رقم پر دو نجم (ستارہ) ڈالتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کلمہ اس حدیث میں یا اس باب میں یا اس صفحہ میں ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے۔

اس کتاب سے تخریج کرنے کے لئے طالب کو مذکورہ ذیل باتوں کا لحاظ کرنا ہوگا۔

(۱) مطلوبہ حدیث سے کلمات غریبہ ومبہمہ کو اختیار کرنا۔

(۲) ان کلمات مختارہ کی معجم میں مراجعت کرکے ذکر کی گئی معلومات کو کاپی میں نقل کرنا۔

(۳) معلومات میں مکررات حذف کرنا اور زوائد کو لے لینا۔

(۴) جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کتابوں کی مراجعت کرنا۔

(۵) تحقیق سند یا تحقیق الفاظ حدیث کے لئے ان احادیث کو مع اسانید کے کاپی میں نقل کرنا۔

مذکورہ باتوں کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر ہم حضرت انس ؓ کی حدیث لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ کی تخریج کرنا چاہتے ہیں تو مذکورہ ذیل طریقے سے کی جاسکتی ہے۔

(۱) کلمات غریبہ ومبہمہ کو اختیار کرنا۔

پس ہم نے اس حدیث سے یؤمن، احد، یحب، اخیہ اور نفسہ کو اختیار کیا۔

(۲) ان کلمات کی معجم میں مراجعت اور کاپی میں نقل۔

پس ہم نے جب ان کلمات کی معجم میں مراجعت کی تو مذکورہ معلومات حاصل ہوئی۔

کلمہ 'امن' کے مضارع مزید فیہ میں یؤمن کے تحت ذکر کردہ معلومات

لا یؤمن احدکم حتی یحب

م ایمان ۷۱، ۷۲، خ ایمان ۷، ت قیامۃ ۵۹، ن ایمان ۱۹ ❁❁ ۳۳، جہ مقدمہ ۹، دی رقاق ۲۹، حم ۳۔ ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۹، ۴۔ ۲۳۳، ۲۳۶

❁ کلمہ 'احد' کی معجم میں مراجعت کی لیکن وہاں مطلوب حدیث کے لئے کوئی معلومات ذکر نہیں کی گئی ہے۔

- کلمہ 'حب' کے مضارع مزید فیہ میں 'محب' کے تحت ذکر کردہ معلومات
- حتی یحب لاخیہ او قال او لجارہ ما یحب لنفسہ

م ایمان ۷۱، ۷۲، خ ایمان ۷، ت قیامۃ ۵۹، ن ایمان ۱۹، ۳۳، جہ مقدمہ ۹ جنائز ۱،

دی استیذان ۵، رقاق ۲۹، حم ۱، ۸۹، ۳۔ ۱۷۶، ۲۰۶، ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۷۸، ۲۸۹

- کلمہ 'لاخیہ' کے ماتحت ذکر کردہ معلومات

من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

خ ایمان ۷، م ایمان ۷۱، ۷۲، ت قیامہ ۵۹، ن ایمان ۱۹، ۳۳

- کلمہ 'نفس' کی معجم میں مراجعت کی لیکن وہاں مطلوب حدیث کے لئے کوئی معلومات ذکر نہیں کی گئی۔

(۳) مذکورہ بالا معلومات کو ایک جگہ جمع کرنا۔

پس جب ان مذکورہ بالا معلومات کو مکررات کو حذف کر کے جمع کرتے ہیں تو اس طرح کی معلومات حاصل ہوتی ہے۔

م ایمان ۷۱، ۷۲۔ خ ایمان ۷، ت قیامہ ۵۹۔ ن ایمان ۱۹ دو مرتبہ، ۳۳۔ جہ مقدمہ ۹، جنائز ۱۔ دی استیذان ۵، رقاق ۲۹۔ حم ۱/ ۸۹، ۳/ ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۹، ۴/ ۲۳۳، ۳۳۶

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حدیث سات کتابوں میں تئیس (۲۳) جگہوں میں ذکر کی گئی ہے۔

(۴) معجم میں جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی مراجعت:

پھر ہم مراجعت کریں گے اس بات کی تاکید و وضاحت کے لئے جن مواضع کا حوالہ دیا گیا ہے، واقعتاً وہاں حدیث مطلوب ہے؟ یا کوئی دوسری حدیث ہے، چناں چہ مراجعت کے بعد معلوم ہوا کہ حدیث انس ؓ مذکورہ بالا تمام جگہوں میں نہیں ہے بلکہ مندرجہ ذیل مقامات پر ہے۔

م ایمان ۱۷، ۲۷۔ ػ ایمان ۷۔ ت قیامۃ ۵۹، ن ایمان دو مرتبہ، ۳۳۔ جہ مقدمہ ۹۔ دی رقاق ۲۹۔ حم ۳/۱۷۶، ۲۰۶، ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۷۹،

مابقیہ مقامات پر مطلوبہ حدیث مذکور نہیں ہے۔

❁ تعارف: تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف

مؤلف: ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف المزی الدمشقی (م: ۷۴۲ھ)

❁ حقیقت: اس کتاب میں صحاح ستہ اور ملحقات صحاح ستہ (مؤلفین صحاح ستہ کی دیگر کتب حدیث) کے اطراف کو جمع کر دیا گیا ہے۔

صحاح ستہ: (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن ابوداؤد (۴) جامع ترمذی (۵) سنن نسائی (۶) سنن ابن ماجہ

ملحقات صحاح ستہ: (۱) تعلیقات صحیح بخاری (۲) مقدمہ صحیح بخاری (۳) مراسیل ابوداؤد (۴) شمائل ترمذی (۵) العلل الصغیر للترمذی (۶) السنن الکبری للنسائی (۷) عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۸) خصائص علیؓ

اس طرح یہ کتاب چودہ کتابوں کے اطراف احادیث پر مشتمل ہے۔ ۹۸۶ صحابہؓ اور ۴۰۵ تابعین کی مکررات کے ساتھ ۱۹۶۲۶ احادیث اس کتاب میں مذکور ہیں، جن میں سے ۱۸۳۸۹ مسند اور ۱۲۳۷ مرسل روایات ہیں۔

امام مزیؒ نے اس کتاب کو مرتب کرتے وقت تین کتابوں کو پیش نظر رکھا تھا۔

(۱) اطراف الصحیحین۔ ابومسعود الدمشقی (م: ۴۰۱ھ)

(۲) اطراف الصحیحین۔ ابومحمد الواسطی (م: ۴۰۱ھ)

(۳) الاشراف علی معرفۃ الاطراف۔ ابن عساکر (م: ۵۷۱ھ)

مؤلف نے ان تینوں کتابوں کو جمع کردیا ہے اور جن اوہام واغلاط پر مطلع ہوئے ان کی اصلاح کردی ہے۔ نیز جو احادیث چھوٹ گئی تھیں ان کا اضافہ کیا، ان احادیث کو رمز "ز" سے ممتاز کیا اور ابن عساکر پر جو استدراک کیا تھا ان کو حرف "ک" کے رمز سے ممتاز کیا۔

❁ اسمائے صحابہؓ اور اسمائے تابعین ذکر کرنے کی ترتیب :

اسمائے صحابہ، اسمائے تابعین اور اسمائے مبہم تابعین کو حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، پھر کنی کو ذکر کیا ہے جیسے ابو اسید، ابو ذر، ابو ہریرہ وغیرہ، پھر منسوب الی الآباء و الاجداد کو ذکر کیا ہے جیسے ابن ابزی، ابن الحنظلی وغیرہ، پھر مبہمات کو ان سے روایت کرنے والوں کی ترتیب پر جیسے اسماعیل ابن ابراھیم عن رجل من بنی سلیم پھر ان میں کنی کو ذکر کیا ہے جیسے ابو المعشر ی الطائی عن رجل، ابن سندر عن رجال منھم من اسلم، پھر نساء عن المبھمین کو ذکر کیا ہے جیسے اسماء بنت ابی بکر عن رجل پھر مبہم عن المبہم کو ذکر کیا ہے جیسے ایوب السختیانی عن شیخ من بنی قشیر عن عمہ پھر صحابیات کے مسانید کو حروف تہجی کی ترتیب پر ذکر کیا ہے، آخر میں تابعین کی روایات مرسلہ کو اسمائے صحابہؓ کی ترتیب کے عین مطابق ذکر کیا ہے۔

❁ صحابیؓ اور تابعی کی احادیث بیان کرنے کی ترتیب :

ہر صحابیؓ کے ترجمہ کے ماتحت اس صحابی کی تمام احادیث جو کتب ستہ اور ان کے ملحقات میں ہوتی ہیں، ذکر کرتے ہیں، ان احادیث کی ترتیب کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ سب سے پہلے اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں جس کو مذکورہ کتابوں کے مؤلفین میں سے ہر ایک نے ذکر کیا ہو، مثلاً جس حدیث کو اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے، اس حدیث کو اصحاب خمسہ کی روایت پر مقدم کرتے ہیں۔ اسی طرح جس کو اصحاب خمسہ نے روایت کیا ہوتا ہے، اس حدیث کو اصحاب اربعہ کی روایت پر مقدم کرتے ہیں، اس ترتیب میں اصحیت کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، جیسے پہلے بخاری پھر مسلم پھر ابوداؤد پھر ترمذی پھر نسائی پھر ابن ماجہ کی روایت ذکر کرتے ہیں۔

لیکن اگر وہ صحابیؓ ایسا ہو کہ ان سے روایت کرنے والے بکثرت ہوں تو پھر احادیث کو ان سے روایت کرنے والوں کے اعتبار سے مرتب کرتے ہیں لیکن ان روایت کرنے والوں کو بھی حروف ہجائیہ کی ترتیب کے مطابق ذکر کرتے ہیں، مثلاً حضرت ابوھریرہؓ ان کے تلامذہ بکثرت ہیں، ان کو مندرجہ ذیل ترتیب پر ذکر کیا ہے۔

سب سے پہلے حضرت ابوھریرہؓ کے ترجمہ میں ان سے روایت کرنے والوں میں سے ابراھیم بن اسماعیل کی روایات ذکر کی ہیں، پھر ابراھیم بن عبداللہ المدنی، پھر ابراھیم بن عبداللہ الزھری پھر اسحاق بن عبداللہ اس طرح ان کے تمام تلامذہ کی روایات ذکر کی ہیں، اگر صحابیؓ کے تلامذہ میں سے کسی کے شاگرد بکثرت ہوتے ہیں تو ان کے اسما بھی حروف ہجائیہ کی ترتیب پر ذکر کرتے ہیں جیسے حضرت ابوھریرہؓ کے شاگرد ابوصالح ذکوان بن سمان کے تلامذہ بکثرت ہیں تو ان تلامذہ کی روایات کو حسب ذیل طریقہ پر ذکر کیا ہے، سب سے پہلے ذکوان کے شاگرد ابراھیم بن ابی میمون کی روایات ذکر کی ہیں، پھر بکیر بن عبداللہ بن الاشج، پھر حبیب بن ابی ثابت اس طرح ان کے تمام تلامذہ کی روایات ذکر کی ہیں۔ اسی طرح اگر صحابی کے شاگرد (مثلاً ذکوان) کے شاگرد (مثلاً اعمش) کے شاگرد بکثرت ہوتے ہیں تو ان کو بھی حروف ہجائیہ کی ترتیب پر ذکر کرتے ہیں مثلاً حضرت ابوھریرہؓ کے شاگرد ذکوان کے شاگرد سلیمان اعمش ہیں، پھر ان کے شاگرد بکثرت ہیں تو ان کو اس طرح ذکر کیا ہے، سب سے پہلے ابراھیم بن طہمان کی روایات ذکر کی ہیں پھر اسباط بن محمد پھر اسماعیل بن زکریا پھر جابر بن نوح اس طرح تمام شاگردوں کی روایات ذکر کی ہیں۔ ان مذکورہ باتوں کی مزید وضاحت ان شاء اللہ "محقق کتاب کا کام" کے عنوان کے ماتحت ہوگی۔

❁ **رموز:** امام مزی نے جن کتابوں کا بکثرت استعمال کیا ہے ان کے چند رموز متعین کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) ع۔ کتب صحاح ستہ　　　　(۲) خ۔ بخاری فی صحیحہ مسنداً

(۴) خت۔ بخاری فی صحیحہ معلقا
(۴) تم۔ ترمذی فی شمائلہ
(۵) س۔ نسائی فی سننہ المجتبی
(۶) سی۔ نسائی فی عمل الیوم واللیلة
(۷) م۔ مسلم فی صحیحہ
(۸) د۔ ابوداؤد فی سننہ
(۹) مد۔ ابوداؤد فی مراسیلہ
(۱۰) ت۔ ترمذی فی سننہ
(۱۱) ق۔ ابن ماجہ فی سننہ
(۱۲) ز۔ زیادات المزی علی سابقیہ
(۱۳) ک۔ استدراکات المزی علی ابن عساکر

اور جن کتابوں کا استعمال بقلت ہوا ہے ان کتابوں کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا ہے، جیسے م۔ فی المقدمة، د۔ فی المراسیل، ت۔ فی العلل الصغیر، س۔ فی الکبری، س۔ فی خصائص علی رضی اللہ عنہ

محقق کتاب کا کام :

اس کتاب کی تحقیق کا کام شیخ عبدالصمد شرف الدین نے انجام دیا ہے، ان کی ایک خاص ترتیب ہے، جس کا جاننا ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے۔

(۱) راوی کے نام سے پہلے ایک ستارہ (نجم) لگاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راوی صحابیؓ سے روایت کرنے والا ہے، کبھی تو یہ راوی صحابیؓ ہوتے ہیں جیسے انس بن مالکؓ عن ابی کعبؓ، حضرت انسؓ صحابی ابی بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں، عام طور پر جس پر ایک ستارہ لگاتے ہیں وہ تابعی ہوتے ہیں۔

(۲) دوستارے لگانا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ راوی تابعی سے روایت کرتے ہیں۔

(۳) تین ستارے لگانا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ یہ راوی تبع تابعی سے روایت کرتا ہے۔

<u>مثال :</u> ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

❁ ابراہیم بن اسماعیل

❁ ابراھیم بن عبداللہ المدنی۔۔۔۔۔۔۔۔ الی

❁ حمید بن عبدالرحمن۔ ان کے نیچے ان سے روایت کرنے والوں کے نام شروع ہوتے ہیں۔

❁❁ سعد بن ابراھیم۔ مطلب یہ ہے کہ سعد، حمید سے روایت کرتے ہیں اور حمید حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

❁❁ صفوان بن سلیم ❁❁ محمد بن مسلم بن شھاب یہ دونوں بھی حمید سے روایت کرتے ہیں، جو حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

❁❁❁ ابراھیم بن طھمان ان کے اوپر سلیمان اعمش ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم، سلیمان سے اور سلیمان، ذکوان سے اور ذکوان، حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ دیکھئے۔ تحفة الاشراف ۹/ ۵۱۷، ۵۱۸

(ب) احادیث، صحابہؓ اور تابعینؒ کی ترقیم کی ہے۔

(ج) مصنف کتاب امام مزیؒ نے حدیث کا طرف ذکر کرنے کے بعد اصل کتاب کا رمز اور اس کے بعد عنوان جیسے صلاۃ، زکوۃ وغیرہ ذکر کیا تھا، لیکن محقق صاحب نے بین القوسین رقم الباب کا بھی اضافہ کردیا جیسے (دفی الخراج۔ ۳۶) یعنی اس حدیث کو امام ابوداؤد نے کتاب الخراج باب نمبر ۳۶ میں ذکر کیا ہے، کبھی کبھی بین القوسین دو نمبر ڈالتے ہیں، پہلا نمبر باب کا ہوتا ہے اور دوسرا حدیث کا نمبر ہوتا ہے جیسے م فی المغازی ۱/ ۴۲ یعنی یہ حدیث امام مسلم نے کتاب المغازی کے باب نمبر ۴۲ میں پہلے نمبر پر ذکر کی ہے اور کبھی کبھی اسانید ذکر کرنے کے دوران اس طرح (ح ۱۵۷) کا اضافہ کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث نفس کتاب میں ۱۵۷۳ پر بھی مذکور ہے۔

(د) محقق صاحب نے ہر جلد کے شروع میں اسمائے صحابہؓ، اسمائے تابعینؒ اور ان سے روایت کرنے والوں کی فہرست شامل کی ہے، جیسا کہ پہلے مثال کے ساتھ بیان کردیا گیا۔

(ھ) امام مزیؒ نے عنوان الکتاب (صلوۃ، زکوۃ) لکھا تھا، محقق کتاب نے رقم الباب کا اضافہ کیا لیکن

ابواب کے نام ذکر نہیں کئے تھے۔ جس کی وجہ سے تخریج حدیث میں دشواری پیش آتی تھی۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لئے ہر کتاب کے عناوین اور ابواب کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی۔ یہ فہرست آخری جلد کی شکل میں کتاب کے ساتھ ملحق ہے، جس کا نام "کشاف" رکھا ہے۔ اب رقم الباب سے کون سا باب مراد ہے۔ اس کا علم آسانی سے ہو جاتا ہے۔ خصوصا ہندوستانی نسخوں میں رقم الباب نہیں ہوتا۔ اس فہرست کے تیار ہو جانے کے بعد ہندوستانی نسخوں میں بھی باب کو تلاش کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

(۶) ہر جلد کی پشت پر اس جلد میں موجود مسانید صحابہؓ کی طرف اشارہ کر دیا ہے جسے مذکورہ ذیل طریقہ پر لکھ دیا ہے۔

(۱) ابیض۔ انس۔ یعنی ابیض اور انس کے درمیان کے صحابہؓ کی روایات اس جلد میں ہیں۔

(۲) اعبان۔ جودان (۳) حابس۔ سعد (۴) سعد۔ عبداللہ (۵) عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ بن عمر (۶) عبداللہ بن عمرو۔ عبداللہ بن مالک (۷) عبداللہ بن مسعود۔ عمارۃ بن شبیہ

(۸) عمر بن الحکم۔ المہاجر بن قنفذ (۹) ناجیہ۔ ابوھریرہ (۱۰) ابوھریرہ

(۱۱) ابوھریرہ۔ عائشۃ (۱۲) عائشۃ۔ نسیبۃ (۱۳) ھند۔ یسرۃ والکنی والمبہمات

❁ یہ کتاب سب سے پہلے الدار القیمہ بمبئی سے شیخ عبدالصمد شرف الدین کی تحقیق کے ساتھ چھپی۔ اس کے بعد دمشق سے چھپی۔ اس کتاب میں ہر صفحہ کے نیچے والے حصہ میں "النکت الظراف علی الاطراف" کا اضافہ ہے، جو حافظ ابن حجرؒ کی تصنیف ہے۔ جس میں انھوں نے امام مزی سے فوت شدہ احادیث کا اضافہ کیا ہے اور ساتھ ساتھ امام مزیؒ سے سرزد ہونے والے بعض اوہام کی اصلاح کی ہے، نیز الفاظ حدیث کے ذکر کرنے میں امام مزیؒ سے جو غلطیاں ہوئی تھیں اس پر تنبیہ کی ہے۔ اس لئے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ تحفۃ الاشراف کے ساتھ ساتھ النکت الظراف کو بھی سامنے رکھے۔

❁ دو مثالیں تحفۃ الاشراف سے ذکر کی جا رہی ہیں۔

قلیل الروایت صحابی کی مثال:

۱۹ ـ امیۃ بن مخشی ابی عبد اللہ الخزاعی عن النبی ﷺ

۱۶۴ ـ د، س حدیث : کان النبی ﷺ جالساً، ورجل یأکل، فلم یسم۔۔۔ الحدیث د، فی الاطعمۃ (۱۶ : ۴) عن مؤمل بن الفضل الحرانی، عن عیسی بن یونس، عن جابر بن صبح، عن المثنی بن عبد الرحمن الخزاعی، عن عمہ امیۃ بہ، س فی الولیمۃ (فی الکبری) عن عمرو بن علی، عن یحیی بن سعید، عن جابر بن صبیح، قال: حدثنی مثنی بن عبدالرحمن الخزاعی، قال: حدثنی جدی امیۃ بن مخشی ـ وکان من اصحاب النبی ﷺ بنحوہ

وضاحت :

❁ (۱۹) : تحفۃ الاشراف میں مذکور صحابہ کے مسلسل نمبروں میں سے ایک ہے، یعنی امیہ بن مخشی ؓ کی احادیث (۱۹) نمبر پر ذکر کی گئی ہیں۔

❁ (۱۶۴) : تحفۃ الاشراف میں موجود احادیث کے مسلسل نمبروں میں سے ایک نمبر ہے گویا یہ حدیث ۱۶۴ نمبر پر ذکر کی گئی ہے۔

❁ د، س : اس سے اجمالی تخریج کی طرف اشارہ ہے، یعنی یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں ہے، ان دو کے علاوہ دیگر کتابوں میں یہ حدیث نہیں پائی جاتی ہے۔

پھر حدیث کا اتنا حصہ ذکر کیا گیا ہے جس سے حدیث کے باقی حصہ پر دلالت ہوتی ہے، اس کے بعد لگائے گئے تین نقطے (۰۰۰) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث کا مابقیہ حصہ بھی ہے، جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

پھر بالتفصیل حدیث کی تخریج کو بیان کیا ہے۔

❁ (د فی الاطعمۃ (۱۶ : ۴) :

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اپنی کتاب سنن ابوداؤد کے "کتاب الاطعمہ" میں باب نمبر سولہ میں چوتھے نمبر پر ذکر کیا ہے، پھر مکمل سند مؤمل سے لے کر صاحب

ترجمہ امیہ تک ذکر کی۔

بہ : کلمہٗ بہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث سنن ابوداؤد میں بلفظہ ہے۔

❁ س فی الولیمۃ (فی الکبری) :

یعنی امام نسائی نے اس حدیث کو اپنی کتاب سنن کبری کے " کتاب الولیمہ " میں ذکر کیا ہے، پھر مکمل سند عمرو بن علی سے صاحب ترجمہ امیہ تک ذکر کی۔

بنحوہ:

یعنی حدیث بلفظہ نہیں ہے، بلکہ الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ نسائی میں مذکور ہے۔

ب۔ کثیر الروایت صحابی کی مثال

من احادیث ابی ھریرۃ ﷛:

★★محمد بن مسلم بن شہاب الزھری، عن سعید بن المسیب، عن ابی ھریرۃ

★★★ابراھیم بن سعید، عن الزھری، عن سعید بن المسیب، عن ابی ھریرۃ

۱۰۱۳ / خ م س حدیث : سئل النبی ﷺ ای العمل افضل؟ قال "ایمان باللہ" قیل : ثم ماذا؟ قال: "جھاد فی سبیل اللہ" قیل :ثم ماذا؟ قال: "ثم حج مبرور" ۔ خ فی الایمان (۱۸) عن احمد بن یونس۔ وموسی بن اسماعیل۔ وفی الحج (۴ : ۱) عن عبد العزیز بن عبد اللہ۔ م فی الایمان (۳۵ : ۱) عن منصور بن ابی مزاحم۔ ومحمد بن جعفر بن زیاد الورکانی۔ س فیہ (الایمان ۱ : ۱) مختصر عن عمرو بن علی، عن عبد الرحمن بن مھدی۔ ستتھم عنہ بہ

وضاحت :

★★ دو ستارے اس بات کی علامت ہوتی ہے، ان ستاروں کے بعد ذکر کیا گیا راوی ایسے آدمی سے روایت کرتا ہے جس نے صحابی سے حدیث روایت کی ہے یعنی یہاں راوی تبع تابعی ہے، محمد بن مسلم بن شھاب زھری عن سعید عن ابی ھریرۃ ؓ۔

★★★ تین ستارے اس بات کی علامت ہے، ان ستاروں کے بعد کا راوی روایت کرنے والا ہے، ایسے راوی سے جس نے ایسے راوی سے نقل کیا ہے جس نے کسی صحابی سے نقل کیا ہے، گویا وہ راوی اتباع تبع تابعین میں سے ہے اور وہ راوی یہاں ابراہیم بن سعد ہے، جو زہری سے اور زہری سعید بن المسیب سے اور سعید حضرت ابوھریرہؓ سے نقل کرتے ہیں۔

❁ ۱۳۱۰۱: یہ تحفۃ الاشراف میں مذکور احادیث کا مسلسل نمبر ہے۔

❁ خ م س : اجمالی تخریج یعنی اس حدیث کو بخاری، مسلم اور نسائی میں ذکر کیا گیا ہے۔

❁ تفصیلی تخریج :

خ۔ فی الایمان (۱۸) عن احمد بن یونس و موسیٰ بن اسماعیل

یعنی یہ حدیث بخاری شریف کے کتاب الایمان میں ۱۸ نمبر کے باب میں امام بخاری نے احمد بن یونس اور موسیٰ بن اسماعیل سے روایت کیا ہے۔

❁ وفی الحج (۴:۱) عن عبد العزیز بن عبد اللہ

یعنی بخاری شریف کے کتاب الحج میں باب نمبر ۴ کی یہ پہلی حدیث ہے، جس کو امام بخاری نے اپنے شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔

❁ م۔ فی الایمان (۳۵:۱) عن منصور بن ابی مزاحم و محمد بن جعفر بن زیاد الورکانی

یعنی مسلم شریف کے کتاب الایمان کے باب نمبر ۳۵ کی یہ پہلی حدیث ہے، جس کو امام مسلم نے منصور بن ابی مزاحم اور محمد بن جعفر سے روایت کیا ہے۔

❁ س۔ فی الایمان (۱:۱) عن عمرو بن علی عن عبد الرحمٰن بن مہدی

یعنی امام نسائی نے اپنی کتاب سنن صغریٰ کے کتاب الایمان کے پہلے باب میں پہلی حدیث کے طور پر اس کو عمرو بن علی عن عبد الرحمٰن کے طریق سے روایت کیا ہے۔

❁ مستتبھم:

یعنی احمد بن یونس، موسیٰ بن اسماعیل، عبدالعزیز بن عبداللہ، منصور بن ابی مزاحم، محمد بن جعفر بن زیاد الورکانی اور عبدالرحمٰن بن مہدی۔

عنہ:

یعنی صاحب ترجمہ ابراہیم بن سعد سے یہ روایت مروی ہے اور انھوں نے زہری سے اور زہری نے سعید بن المسیب سے اور سعید نے حضرت ابوھریرۃؓ سے اور حضرت ابوھریرۃ نے آپ ﷺ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

بہ:

یعنی یہ حدیث ان کتابوں میں بلفظہ مذکور ہے۔

تحفۃ الاشراف کے ذریعہ تخریج کرنے کا طریقہ :

(۱) حدیث مطلوب کے روایت کرنے والے صحابیؓ کا نام معلوم کرے۔

(۲) پھر یہ معلوم کرلے کہ وہ صحابیؓ قلیل الروایہ ہے یا کثیر الروایہ اس کا علم ہر جلد میں لگی فہرست دیکھنے سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

(۳) اگر وہ صحابیؓ قلیل الروایت ہو تو ان صفحات کو دیکھے جن میں اس صحابیؓ کی مرویات مذکور ہیں۔

(۴) اگر وہ صحابیؓ کثیر الروایہ ہو جیسے حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ تو اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ حدیث مطلوب کو اس صحابیؓ سے روایت کرنے والا کون ہے؟ اس بات کا علم ہوجانے کے بعد اس صحابیؓ کا ترجمہ نکال کر ان سے روایت کرنے والوں میں حدیث مطلوب کے راوی عنہ کی مرویات کو دیکھے، اگر صحابی سے روایت کرنے والے کے تلامذہ بکثرت ہوں تو حدیث مطلوب کو روایت کرنے والے شاگرد کا نام بھی معلوم ہونا چاہئے۔

(۵) پھر جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہو ان کتابوں کی طرف مراجعت کرے۔

(۶) اب آخری دو جلدوں کی شکل میں اطراف کی فہرست تیار کردی گئی ہے اس لئے اگر صحابی کا نام معلوم

نہ ہو بلکہ صرف حدیث کا طرف معلوم ہو تب بھی آدمی حدیث مطلوب تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

تعارف اتحاف المهرة باطراف العشرة

مؤلف : ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی المصری (م: ۸۵۲)

حقیقت : اس کتاب میں مؤلف نے کل دس کتابوں کی احادیث کے اطراف مع اسانید ذکر کئے ہیں اور طریقہ وہی اختیار کیا ہے جو امام مزی نے تحفۃ الاشراف میں اختیار کیا ہے۔ وہ دس کتابیں مع رموز کے حسب ذیل ہیں۔

(۱) سنن الدارمی (می) (۲) صحیح ابن خزیمة (خز) (۳) المنتقی لابن الجارود (جا) (۴) مسند ابی عوانہ (عه) (۵) صحیح ابن حبان (حب) (۶) المستدرک للحاکم (کم) (۷) سنن الدارقطنی (قط) (۸) شرح معانی الاثار طحاوی (طح) (۹) موطا مالک (صرح باسمه) (۱۰) مسند الشافعی (صرح باسمه) (۱۱) مسند احمد (صرح باسمه)

یہ کل گیارہ کتابیں ہوئی، تفصیل میں ایک بڑھ گئی چونکہ صحیح ابن خزیمہ کے نصف ثانی کے اطراف چھوٹ گئے اس کے انجبار کے لئے سنن دارقطنی کو ملالیا۔

مثال تخریج الحدیث ص ۱۱۴ پر سے نقل کی جارہی ہے۔

من مسند ابی بن کعب ﷺ، جاء فی الکتاب

قیس بن عباد عن ابی

حدیث (کونوا فی الصف الذی یلینی)

خز فی (الامامة) حدثنا محمد بن عمر بن علی بن عطاء بن مقدم، ثنا یوسف بن یعقوب السدوسی، ثنا التیمی، عن ابی مجلز، عن قیس بن عباد، قال: بینما انا فی المسجد، فی الصف المقدم، قائم اصلی، فجبذنی رجل من خلفی جبذة فنحانی وقام مقامی۔۔۔ الحدیث۔ طح

(فیه) عن بکار وابن مرزوق، قالا: ثنا وھب بن جریر، عن شعبة، عن ابی حمزة، عن ایاس بن قتادة، عن قیس بن عباد، قال: قال لی ابی، فذکر المتن دون القصة۔ حب فی (الصلاة) وفی (السادس عشر من الرابع) اخبرنا ابن خزیمة به، کم فی (الصلاة) حدثنا علی بن عیسی الحیری، ثنا الحسین بن محمد القبانی، ثنا محمد بن عمر بن علی، به ۔ وفی (المناقب) انا ابو النضر الفقیه، ثنا عثمان بن سعید الدارمی، ثنا الحسن بن بشر، ثنا الحکم بن عبد الملک، عن قتادة، عن قیس بن عباد، بمعناہ، رواہ احمد عن سلیمان بن داؤد ومحمد بن جعفر ووھب بن جریر کلھم عن شعبة به۔

تعارف : مفتاح کنوز السنة

مؤلف : پروفیسر آرند جان ونسنک ہولنڈی (ArendJanHensinck) (م ۱۹۳۹ء)

مؤلف نے کتاب انگریزی میں لکھی تھی، استاذ محمد فؤاد عبدالباقی صاحب نے عربی زبان میں نقل کیا ہے۔

اس کتاب میں کل چودہ کتابوں کے کلمات کو حدیث کے موضوع کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، ان کتابوں کی طرف رہنمائی کے لئے حسب ذیل رموز استعمال کئے گئے ہیں۔

(۱) صحیح البخاری (بخ)	رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد باب کا نمبر ہوتا ہے۔
(۲) صحیح مسلم (مس)	رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد حدیث کا نمبر ہوتا ہے۔
(۳) سنن ابوداؤد (بد)	رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد باب کا نمبر ہوتا ہے۔
(۴) سنن الترمذی (تر)	رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد باب کا نمبر ہوتا ہے۔
(۵) سنن النسائی (نس)	رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد باب کا نمبر ہوتا ہے۔
(۶) سنن ابن ماجہ (مج)	رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد باب کا نمبر ہوتا ہے۔
(۷) سنن الدارمی (می)	رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد باب کا نمبر ہوتا ہے۔

(۸) موطا مالک (ما) رمز کے بعد کا نمبر کتاب کا اور اس کے بعد حدیث کا نمبر ہوتا ہے۔

(۹) مسند احمد (حم) رمز کے بعد کا نمبر جزء کا اور اس کے بعد صفحہ کا نمبر ہوتا ہے۔

(۱۰) مسند الطیالسی (ط) رمز کے بعد کا نمبر حدیث کا نمبر ہوتا ہے۔

(۱۱) مسند زید بن علی (ز) رمز کے بعد کا نمبر حدیث کا نمبر ہوتا ہے۔

(۱۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (عد) رمز کے بعد کا نمبر قسم کا پھر جزء، پھر صفحہ کا نمبر ہوتا ہے۔

(۱۳) سیرۃ ابن ہشام (ہش) رمز کے بعد صفحہ کا نمبر ہوتا ہے۔

(۱۴) المغازی للواقدی (قد) رمز کے بعد صفحہ کا نمبر ہوتا ہے۔

دیگر رموز اور ان کی مراد

(۱) ک ۔ کتاب (۲) ب ۔ باب (۳) ح ۔ حدیث

(۴) ج ۔ جزء (۵) ص ۔ صفحہ (۶) ق ۔ قسم (۸) مم ۔ حدیث کا مکرر ہونا (۹) باب یا صفحہ کے نمبر پر لگا ہوا چھوٹا نمبر اس حدیث کے اتنی بار مکرر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ترتیب: استاذ ونسنک نے ان چودہ کتابوں کی احادیث کو اولاً بڑے بڑے موضوعات کے ماتحت جمع کیا ہے، اور ان موضوعات کو حروف ہجائیہ کی ترتیب پر رکھا ہے جیسے صلاۃ حرف صاد میں، توبہ حرف تاء میں، پھر ان موضوعات سے متعلق مسائل کو مستقل فقرات میں ذکر کیا ہے، یہ موضوعات ان کے نزدیک مذکورہ ذیل امور پر مشتمل ہیں۔

(۱) مسائل : توبہ، دعاء، زکوۃ، شہداء، صلاۃ، طہارۃ وغیرہ

(۲) اشخاص: ابوبکر، داؤد، عمر ابن الخطاب، عیسیٰ، محمد وغیرہ

(۳) واقعات : احد، بدر، قیامت، صفین وغیرہ

(۴) اماکن : حجر اسود، دمشق، صراط، صفہ وغیرہ

ان موضوعات کو حروف ہجائیہ کی ترتیب پر ذکر کیا ہے، لیکن ترتیب میں اصل کلمہ کی ہیئت کا اعتبار کیا ہے، نہ کہ مادہ کا، اسی وجہ سے کلمہ "الاعمال" کو حرف الالف میں ذکر کیا ہے، نہ کہ حرف العین میں، کلمہ " توحید " کو حرف التاء میں ذکر کیا ہے، نہ کہ حرف الواؤ میں، کلمہ "الاقضیۃ " کو حرف الالف میں ذکر کیا ہے، نہ کہ حرف القاف میں، کلمہ "التسبیح" کو حرف التاء میں ذکر کیا ہے نہ کہ حرف السین میں اور "ابوبکر" کو حرف الالف میں ذکر کیا ہے نہ کہ حرف الباء میں اسی طرح معرف باللام لفظ میں 'ال' کا بھی اعتبار نہیں کرتے ہیں۔

مفتاح کنوز السنہ کے ذریعہ تخریج کا طریقہ :

اگر مفتاح کنوز السنہ کے ذریعہ حدیث انس ؓ تسحروا فان فی السحور برکۃ کی تخریج کرنا ہو تو مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرنا ہوگا۔

(۱) حدیث کے موضوع عام کا استنباط کرنا جیسے ہماری حدیث کا موضوع عام "صوم" ہے۔

(۲) موضوع خاص کا استنباط کرنا جیسے ہماری حدیث کا موضوع خاص "فضل السحور" ہے۔

(۳) پھر مفتاح میں موضوع عام کو تلاش کرنا پس ہم نے تلاش کیا تو موضوع عام صوم، ص ۳۱۴ پر مل گیا۔

(۴) اس موضوع عام کے ماتحت موضوع خاص کو تلاش کرنا، پس ہم نے تلاش کیا تو موضوع خاص فضل السحور، ص ۳۲۲ پر مل گیا۔

(۵) پھر وہاں سے حدیث کے حوالے اخذ کر کے اصل کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہئے۔

تعارف : موسوعۃ اطراف الحدیث

مؤلف : استاذ ابو ہاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول

اس کتاب میں مؤلف نے حدیث، سیرت، فقہ، علل، رجال، موضوعات وغیرہ سے متعلق ۱۵۰ کتابوں کے اطراف کو الف ب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے اور ہر کتاب کے لئے الگ الگ رموز استعمال

کیا ہے۔جن کا ذکر جلد اول کے شروع میں کیا گیا ہے، یہ ایک بہترین موسوعہ ہے جس سے تخریج حدیث کا کام بڑی سرعت وسہولت کے ساتھ ہو جاتا ہے، اس کتاب کے ساتھ ذیل علی الموسوعة کے نام سے ایک ذیل بھی ملحق ہے، جس میں مزید ۵۰ کتابوں کے اطراف کو لے لیا گیا ہے، اس طرح کل ۲۰۰ کے قریب کتابوں کی احادیث کا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں جمع ہو گیا ہے۔

❁ آلات جدیدہ کے ذریعے تخریج

دور جدید میں تخریج حدیث کے لیے جدید ٹیکنالوجی اور تقنیات کو بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔اس سلسلہ میں کمپیوٹر یا موبائل کے ذریعہ تخریج حدیث کی جاتی ہے۔اس طریقہ سے حدیث تلاش کرنے والے افراد اور محققین مختلف مکتبات کے تیار کردہ ان سافٹ ویرز سے مدد لیتے ہیں جو تخریج کے فن اور کام میں سہولیات مہیا کرتے ہیں۔اس طریقہ سے کم وقت میں زیادہ کام ہونے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور ایک ہی جگہ بہت سا مواد بھی اکٹھا حاصل ہو جاتا ہے۔اس سلسلہ میں استعمال کیے جانے والے کچھ پروگرام یہ ہیں۔ (۱) موسوعة الحديث الشريف (۲) المحدث (۳) الموسوعة الذهبية للحديث الشريف (۵) المكتبة الالفية للسنة (۶) المكتبة الشاملة

ان کے علاوہ بعض انٹرنیٹ سائٹس بھی آن لائن تخریج کے مواقع فراہم کر رہی ہے۔

لیکن اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ سافٹ ویرز اس صورت میں ہمارے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں جب انھیں ہم معاون مآخذ کے طور پر استعمال کریں اور ان پر مکمل اعتماد نہ کریں بلکہ ان سے حدیث تلاش کر کے اصل کتاب کی طرف مراجعت کریں کیوں کہ خصوصاً شاملہ میں موجود کتب میں اغلاط کا امکان موجود ہے۔پھر اس کے ورژن بھی لاتعداد ہیں۔ان میں سہولت یہ ہے کہ ہر ایک اپنی سہولت سے شاملہ میں موجود کتب میں کمی وبیشی کر سکتا ہے اس لیے ان سافٹ ویرز کے ذریعہ کی گئی تخریج اس وقت تک مفید نہ ہوگی جب تک کہ اصل کتب کی طرف مراجعت نہ کر لی جائے۔ البتہ اب نئے ورژن میں ہر کتاب کے ساتھ پی ڈی ایف کتاب بھی شامل کر لی گئی ہے اس لیے مراجعت

میں سہولت پیدا ہو گئی ہے۔

ایک مشورہ یہ بھی ہے کہ ان پروگرام کے ذریعہ تخریج کرنے سے پہلے کچھ مدت تک تخریج کا فطری طریقہ اختیار کریں تا کہ کتابوں سے کچھ ممارست پیدا ہو جائے۔

تخریج شدہ مواد کی تشکیل

تخریج شدہ مواد کی تشکیل کے تین طریقے ہیں۔

(۱) مختصر اسلوب

اگر طالب علم کا مقصد صرف یہ ہو کہ یہ حدیث کن کن مصادر میں ہے تو تخریج سے حاصل شدہ مواد کو مختصرا قلمبند کرلے بایں طور کہ اس میں صرف حوالہ دی ہوئی کتاب کا نام، مرکزی عنوان مثلاً (کتاب الطہارۃ وغیرہ) اور ذیلی عنوان جیسے (باب ان الماء لا ینجس) کے ساتھ لکھ دے، اگر اس کتاب میں احادیث کی ترقیم ہو تو حدیث نمبر بھی لکھ دے۔ اگر حوالہ دی ہوئی کتاب مضامین علیہ کے علاوہ پہ مرتب ہو تو صرف جلد نمبر اور صفحہ نمبر لکھ دے، ہاں حدیث نمبر اگر موجود ہو تو وہ بھی لکھے۔ متعدد مصادر کی صورت میں مضبوط ترین مصدر کو پہلے لکھے، پھر جو اس سے کم حیثیت کا ہو، علی ہذا القیاس۔ اگر محدثین میں سے کسی نے حدیث کا درجہ بیان کیا تو اجمالاً اسے بھی ذکر کردے۔ مثلاً حدیث انس ؓ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ کی تخریج کے بعد جو مواد اکٹھا ہو، اس کی تشکیل اس طرح کرے۔

اخرجه البخاری کتاب الایمان باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه ۱ / ۵۶ رقم ۱۳ من فتح الباری۔

ومسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه من الخیر ۱ / ۶۸، ۶۷ رقم ۷۱، ۷۲

والترمذی کتاب صفة القیامة باب بدون ترجمة (رقم الباب ۵۹) ۴/۶۶۷ رقم ۲۵۱۵،

والنسائی کتاب الایمان باب علامة الایمان ۸/۱۱۵ رقم ۵۰۱۶ وباب علامة المؤمن ۸/۱۲۵ رقم ۵۰۳۹۔ وابن ماجه المقدمه باب فی الایمان ۱/۲۶ رقم ۶۶

والدارمی کتاب الرقاق باب لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه ۲/۳۹۷ رقم ۲۷۴۰

واحمد فی مسنده ۳/۱۷۶، ۲۰۶، ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۷۸، ۲۸۹

وقال الترمذی حدیث صحیح

وله شاهد من حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مرفوعاً بلفظ ویحب له مایحب لنفسه۔

اخرجه الترمذی کتاب الآداب باب ماجاء فی تشمیت العاطس ۵/۸۰ رقم ۲۷۳۶

وابن ماجه کتاب الجنائز باب ماجاء فی عیادة المریض ۱/۴۶۱ رقم ۱۴۳۳

والدارمی کتاب الاستیذان باب فی حق المسلم علی المسلم ۲/۱۸۸ رقم ۲۶۳۳

واحمد فی مسنده ۱/۸۹ وقال الترمذی حدیث حسن

(۲) متوسط اسلوب :

اگر مقصد یہ ہو کہ حدیث کے مصادر کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ متعدد مصادر میں اس کی مختلف سندوں کے مدار اور الفاظ حدیث کا اختلاف بھی سامنے آجائے تو درمیانی اسلوب اختیار کرلے بایں طور کہ مختصر اسلوب کی طرح جملہ مصادر اور ان کے ذیلی مقامات ذکر کرنے کے بعد آگے اس طرح عبارت لکھ دے۔

کلهم بطرقهم المختلفة عن قتادة عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثله بزیادة "والذی نفسی بیده" فی اول الحدیث وزیادة "المسلم" بعد "لاخیه" و "من الخیر" فی آخر الحدیث فی بعض الطرق

پھر حدیث کا شاہد ذکر کردے جیسے اس حدیث کے لئے شاہد حضرت علیؓ کی حدیث ہے۔

(۳) مفصل اسلوب :

اور اگر مقصد حدیث کی مکمل تحقیق اور اس کے جملہ طرق والفاظ کو تفصیل سے پیش کرنا ہو تو مفصل طریقہ اپنانا چاہیے بایں طور کہ مصادر کے مصنفین کی ترتیب زمانی کا خیال کرتے ہوئے ایک ایک کی الگ الگ سند کو اس راوی تک پہونچائے جس پر دوسری سند آکر ملتی ہو، پھر سب کو جمع کرتا ہوا آخری مدار اسناد پر پہونچا کر سند کو رسول اللہ ﷺ پہونچاوے، اس دوران مختلف مصادر طرق میں اگر مطلوبہ حدیث کا لفظ کچھ مختلف ہو تو اس کی بھی وضاحت کردے۔ جیسے

اخرجه احمد ۳/ ۲۵۱ عن شیخه عفان

واحمد ایضا ۳/ ۲۸۹ عن شیخه بهز کلاهما عن همام

واخرجه احمد ایضا ۳/ ۲۰۲ عن شیخه روح

والبخاری ۱/ ۵۲ رقم ۱۳ عن شیخه مسدد

ومسلم ۱/ ۶۸ رقم ۷۲ عن شیخه زهیر بن حرب

والنسائی ۸/ ۱۱۵ رقم ۵۰۱۷ عن شیخه موسی بن عبدالرحمن قال حدثنا ابواسامة

ثلاثتهم (روح، یحیی، ابواسامة) عن حسین المعلم

واخرجه احمد ایضا ۳/ ۱۷۶ عن حجاج

واحمد ایضا ۳/ ۲۷۲ عن روح

والدارمی ۲/ ۳۹۸ رقم ۲۷۴۰ عن یزید بن هارون واحمد ایضا ۳/ ۱۷۶

ومسلم ۱/ ۶۷ رقم ۷۱

وابن ماجه ۱/ ۲۶ رقم ۶۶

کلاھما (مسلم، ابن ماجه) عن محمد بن بشار و محمد بن المثنی

ثلاثتھم (احمد، محمد بن بشار، محمد بن المثنی) عن محمد بن جعفر

والبخاری ۱/۵٦ رقم ۱۳ عن مسدد عن یحیی بن سعید القطان

والترمذی ۷/۲۱۸ رقم ۲٦۳۲

والنسائی ۸/۱۲۵ رقم ۵۰۳۹

کلاھما (ترمذی والنسائی) من سوید بن نصر عن عبداللہ بن المبارک

والنسائی ایضا ۸/۱۱۵ رقم ۵۰۱٦ عن حمید بن مسعدة عن بشر

ثمانیتھم (حجاج، روح، یزید، محمد بن جعفر، یحیی القطان، عبداللہ النصر، بشر)

عن شعبة

وثلاثتھم (ھمام، حسین المعلم، شعبة) عن قتادة عن انس ﷺ عن النبی ﷺ مثله

بفرق یسیر جدا

وقال الترمذی ھذا حدیث صحیح

پھر شاہد ذکر کرے جیسا کہ مختصر اسلوب کے ضمن میں بیان کیا گیا۔

کتب حدیث کی تین قسمیں

ائمہ حدیث نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ بالفاظ دیگر مصادر حدیث کی تین قسمیں ہیں اور حدیث کو ان کتابوں کی طرف منسوب کرنے کے لئے جو صیغے استعمال کئے جاتے ہیں وہ بھی مختلف ہیں۔

(۱) کتب اصلیہ:

وہ کتابیں ہیں جن کے مؤلفین نے احادیث اپنی سند سے ذکر کی ہے، چاہے وہ کتابیں مندرجہ ذیل موضوعات میں سے جس موضوع پر ہوں۔

(۱) حدیث: جیسے کتب ستہ، موطا امام مالکؒ، مسند احمد بن حنبلؒ وغیرہ

(۲) عقیدہ: جیسے الایمان (ابوبکر بن ابی شیبہؒ)، الایمان (ابن مندہ) وغیرہ

(۳) تفسیر: جیسے تفسیر طبری اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ

(۴) فقہ: جیسے کتاب الام (امام شافعیؒ) المحلی (ابن حزمؒ)

(۵) اصول فقہ: جیسے الرسالہ (امام شافعیؒ)، الاحکام فی اصول الاحکام ابن حزم ظاہری

(۶) تاریخ: جیسے تاریخ طبری، تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) وغیرہ

یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مؤلفین نے احادیث اپنی سند سے ذکر کی ہے۔

(۲) کتب شبہ اصلیہ:

وہ کتابیں ہیں جن کے مؤلفین نے احادیث اپنی اسانید سے ذکر نہیں کی ہیں بلکہ کتب اصلیہ میں وہ احادیث جن اسانید سے مذکور تھیں ان احادیث کو انہیں اسانید کے ساتھ ذکر کردیا۔ جیسے تفسیر ابن کثیرؒ، تحفۃ الاشراف، نصب الرایہ اور امام سیوطی کی اکثر تصانیف وغیرہ

نوٹ: کتب شبہ اصلیہ سے احادیث نقل کرنے کے بجائے کتب شبہ اصلیہ میں جن کتب اصلیہ کا حوالہ دیا گیا ہو ان کتب اصلیہ کی طرف مراجعت کر کے حدیث کو نقل کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کتب شبہ اصلیہ میں جن کتب اصلیہ کا حوالہ دیا گیا ہوں وہ کتابیں مفقود ہوں یا مخطوط یا مطبوع ہوں مگر ان تک رسائی ناممکن یا مشکل ہو تو کتب شبہ اصلیہ کی طرف حدیث کو منسوب کر کے تحریر کرنا درست ہے۔

جیسے کوئی حدیث تفسیر ابن کثیرؒ میں ہو اور اس میں بخاری کا حوالہ دیا ہو تو اس حدیث کو بخاری شریف کی مراجعت کئے بغیر ابن کثیرؒ پر اعتماد کر کے لکھنا نہیں چاہئے، اور ابن کثیر کے حوالہ کے بغیر سیدھے ہی بخاری کا حوالہ دینا نہیں چاہیے تا آنکہ خود بخاری میں وہ حدیث نہ دیکھ لی جائے۔ ہاں اگر بخاری شریف مفقود ہو جائے یا اس کا ملنا مشکل ہو جائے تو ابن کثیرؒ پر اعتماد کر کے بخاری کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ سیدھے ہی بخاری کا حوالہ نہ دیا جائے بلکہ

اس طرح تحریر کیا جائے کہ اس حدیث کو ابن کثیرؒ نے بخاریؒ کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(۳) کتب غیر اصلیہ:

وہ کتابیں ہیں جن کے مؤلفین نے کتب اصلیہ سے احادیث بدون سند ذکر کر دی ہوں جیسے ریاض الصالحین (نووی) بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام (ابن حجر)، جامع صغیر (سیوطیؒ) الدر المنثور (سیوطیؒ) جمع الفوائد (محمد مغربیؒ) مشکوٰۃ (خطیب تبریزیؒ) وغیرہ

کتب غیر اصلیہ کی احادیث کو منسوب کرتے ہوئے تحریر کرنے کا وہی حکم ہے جو کتب شبہ اصلیہ کے ضمن میں بیان کیا گیا۔

❁ کتب ثلاثہ کی طرف حدیث کو منسوب کرنے کے صیغے:

(۱) اگر حدیث کتب اصلیہ میں سے کسی کتاب کی ہو تو لکھنے کا طریقہ یہ ہے: اخرجه البخاری او رواه البخاری فی صحیحه

(۲) اگر حدیث کتب شبہ اصلیہ میں سے کسی کتاب کی ہو تو اس طرح لکھا جائے: اخرجه ابن مردویه فی تفسیره کما فی تفسیر ابن کثیر یا ذکره یا اورده ابن کثیر فی تفسیره وعزاه الی ابن مردویه اور جلد، صفحہ کتاب شبہ اصلی کے فوراً بعد لکھنا چاہئے۔

(۳) کتب غیر اصلیہ میں سے کسی کتاب کی حدیث ہو تو اس کے لکھنے کا طریقہ اس طرح ہے: اخرجه یا رواه احمد فی زهده کما فی الجامع الصغیر یا ذکره یا اورده السیوطی فی الجامع الصغیر وعزاه الی الزهد لأحمد اور جلد، صفحہ کتاب غیر اصلی کتاب کے نام کے فوراً بعد لکھنا چاہئے۔

اخرجه اور رواه کے صیغہ کا استعمال کتب شبہ اصلیہ اور کتب غیر اصلیہ کے لئے کرنا درست نہیں ہے، اسی وجہ سے مخرج پر ضروری ہے کہ وہ کتب حدیث، ان کی تالیف کے طریقے اور کتب حدیث کے طبقات کے ساتھ ساتھ ان میں سے کون سی کتابیں اصلیہ، کون سی شبہ اصلیہ اور کون سی غیر اصلیہ ہیں ان باتوں سے واقف ہوں۔

باب دوم

علم جرح وتعدیل

جرح

جَرَحَ فَعَلَ کے وزن پر ہے جو باب فتح سے آتا ہے جس کا مصدر جرح ارا ء ساکن کے ساتھ ہے جس کے معنی زخمی کرنا ہے اور یہی کلمہ جب جَرِحَ فَعِلَ کے وزن پر باب سمع سے ہوتا ہے تو اس کا مصدر جرح اراء کے فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے معنی زخمی ہونا ہوتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف

راویوں کے ایسے عیوب بیان کرنا جو ان کی عدالت اور ضبط کو ختم کردے یا انہیں عیب دار بنادے جس سے ان کی روایت مردود ہوجائے۔ (دراسات فی الجرح والتعدیل۔ص ۵۴)

تعدیل

تعدیل "عدل" سے ماخوذ ہے جو عام طور سے انصاف کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جو ظلم و جور کے مخالف ہے اس طرح سے ہر وہ چیز جس کی درستگی سے دل کو اطمینان ہو اس کو بھی عدل کہتے ہیں۔ تعدیل کے معنی ہے کسی کو درست کرنا۔ تعدیل الشہود کا مطلب ہے کہ گواہان کو عادل و درست قرار دیا جائے۔

اصطلاحی تعریف

راوی پر حکم لگانا کہ وہ عادل اور ضابط ہے۔ (مقدمہ ابن صلاح)

علم جرح وتعدیل

یہ ایک ایسا علم ہے جس میں راویوں کے جرح وتعدیل کے بارے میں مخصوص کلمات کے ذریعہ ان کے مراتب کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ (الحطہ فی ذکر صحاح الستہ۔ ص ۱۵)

جرح وتعدیل کا شرعی حکم

جرح وتعدیل کا اصل مقصد شریعت کی حفاظت کرنا اور ہر طرح کی فتنہ پردازیوں سے اسے پاک رکھنا اور غیر ثابت شدہ چیزوں سے دین کو محفوظ رکھنا ہے۔ اس علم سے نہ کسی کی عیب جوئی مقصد ہوتی ہے اور نہ پردہ دری مقصود ہوتی ہے اور نہ کسی کی خوشنودی حاصل کرنا مقصد ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا واحد مقصد اظہار حقیقت ہے تاکہ اس کی روشنی میں احادیث رسول ﷺ دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کی جاسکے۔ جرح وتعدیل کا قرآن سے ثبوت موجود ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں باری سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے۔ یاایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا۔ (سورۃ حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے جھوٹی خبر دینے والے آدمی کی خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا اور ایسے آدمی پر فاسق کا حکم لگایا ہے جو ایک طرح کی جرح ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے جرح وتعدیل دونوں ثابت ہے۔ چناں چہ اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت کافی مشہور ہے جس میں ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت دینے کے ساتھ ساتھ فرمایا کہ ائذنوا لہ بئس اخو العشیرۃ (اسے اندر آنے کی اجازت دے دو۔ یہ شخص اپنے خاندان میں برا شخص ہے۔) پھر جب وہ شخص بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور مسکرا کر اس کے ساتھ گفتگو کی۔ جب وہ شخص رخصت ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے عرض

کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو اس شخص کے بارے میں ایسا ایسا کہا تھا (یعنی یہ فرمایا تھا کہ وہ شخص اپنے خاندان میں برا شخص ہے) مگر آپ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور خوب مسکرا کر باتیں کی ا یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ تم نے مجھے فحش گو بد اخلاق کب پایا ہے؟ یقیناً قیامت کے دن خدا کے نزدیک درجہ کے اعتبار سے سب سے بدتر شخص وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی برائی کے ڈر سے چھوڑ دیں ایک روایت میں الفاظ ہیں کہ جس کی فحش گوئی سے ڈر کر لوگ اس سے اجتناب کریں (بخاری کتاب الآداب باب المداراۃ الی الناس صفحہ ۱۰۶۸ رقم ۶۱۳۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے شر سے بچنے کے لئے اس کو ترک کر دینا درست ہے اسی طرح راویوں کے شر سے بچنے کے لئے ان کو متروک قرار دینا درست ہے۔ اس لئے بئس اخوا العشیرۃ جرح صریح کے مترادف ہے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے شر سے بچنے کے لئے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا اور اس سے مسکرا کر بات کی اور اس کی خاطر مدارات کی لیکن ساتھ ساتھ اس آدمی میں جو شر تھا اس سے بھی لوگوں کو آگاہ کر دیا تا کہ لوگ اس طرح کے لوگوں سے ہوشیار رہیں۔ اس کے حال کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے میں آپ ﷺ نے اس کی رعایت نہیں فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تعدیل کی مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ گویا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور میں اس ریشمی ٹکڑے کے ذریعہ جنت کے جس محل کی طرف بھی جانا چاہتا ہوں وہ ٹکڑا مجھ کو اڑا کر وہاں پہنچا دیتا ہے۔ (یعنی مجھ کو ایسا لگا جیسے وہ ٹکڑا میرے لئے پنکھ بن گیا اور میں جنت کے جس بلند درجہ تک جانا چاہتا ہوں اس پنکھ کے ذریعہ اڑ کر پہنچ جاتا ہوں) پھر میں نے یہ خواب اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا اور انھوں نے اس خواب کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا بھائی مرد صالح ہے یا یہ الفاظ فرمائیں کہ حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ مرد صالح ہے۔ (بخاری کتاب التعبیر

باب الاستبرق ودخول الجنة فی المنام ص ۱۲۱۰ رقم ۷۰۱۵)

آپ ﷺ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ ایک طرح سے تعدیل ہے اسی وجہ سے اہل علم نے لفظ " صالح " کو بھی عدالت کے لئے استعمال کیا ہے۔

اسی طرح حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنھا نے اپنے نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے مشورہ کیا اور عرض کیا کہ معاویہ بن ابوسفیان اور ابوجہم بن صفوان نے مجھے پیغام نکاح دیا ہے کس سے نکاح کرنا بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اما ابو جهم فلا یضع عصاه عن عاتقه واما معاویة فصعلوک لا مال له انکحی اسامة بن زید فکرهته ثم قال انکحی اسامة فنکحته فجعل الله فیه خیرا واغتبطت ۔ یعنی ابوجہم عورتوں کو بہت مارتے ہیں اور معاویہ فقیر آدمی ہیں اسامہ سے نکاح کرلو۔ میں نے اس بات کو ناپسند کیا تو آپ ﷺ نے واپس فرمایا کہ اسامہ سے نکاح کرلو چناں چہ میں نے حضرت اسامہ سے نکاح کرلیا۔ اللہ تعالی نے اس نکاح میں بھلائی مقدر فرمادی اور اس نکاح کی وجہ سے مجھ سے رشک کیا جانے لگا۔

(مسلم شریف۔ کتاب الطلاق باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها۔ ص۹ ۲۳ : ۳۶۹۷)

اس حدیث شریف میں اللہ کے رسول ﷺ نے دو آدمیوں کا عیب بیان کیا جو جرح کے مترادف ہے اور ایک سے نکاح کرنے کا حکم دیا جو ان کی تعریف اور تعدیل کے مترادف ہے یہاں معاملہ صرف شادی بیاہ کا تھا جس میں زوجین کی خیر خواہی مقصود تھی اگر زوجین کی بھلائی، حقوق کی حفاظت اور ایک دوسرے کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی کی اچھائی یا برائی بیان کی جاسکتی ہے تو شریعت محمدی جس سے پوری امت کی بھلائی وابستہ ہے اس کی حفاظت کے لئے راویوں کی خوبی اور خرابی کیوں بیان نہیں کی جاسکتی ہے؟؟؟

ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا من روی عنی حدیثا وهو یعلم انه کذب فهو احدی الکاذبین۔ (ترمذی کتاب العلم باب فیمن روی حدیثا وهو یری انه کذب رقم ۲۶۶۲)

جو شخص میری طرف منسوب کرتے ہوئے کوئی حدیث بیان کرے حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ وہ بات جھوٹی ہے (یعنی میری بیان کی ہوئی نہیں ہے) تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

اس حدیث کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح اور موضوع روایات کی معرفت کی ترغیب دی ہے۔ اور موضوع روایتوں کے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے اسی کے ساتھ ساتھ اس طرح جھوٹی بات منسوب کرنے والے کو دروغ گو اور کاذب فرمایا ہے یہ کلمہ جرح شدید کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جب دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے گواہوں پر باجماع امت جرح کی جاسکتی ہے اور ان کا تزکیہ کیا جاسکتا ہے تو دین کی حفاظت کے لئے راویوں پر جرح بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ اس لئے کہ ان ہی رواۃ پر شریعت کا دارومدار ہے اور حلال وحرام کی معرفت میں احتیاط برتنا حقوق ومعاملات میں احتیاط برتنے سے زیادہ اہم ہے۔ نیز اگر جرح وتعدیل کرنا جائز نہ ہوتا تو صحیح ضعیف اور موضوع کے درمیان تمیز کرنا ممکن نہ ہوتا اور اس طرح سے یہ شریعت خلط ملط ہو کر صحیح وغلط کا مجموعہ بن جاتی۔ (الحطہ فی ذکر صحاح الستہ صفحہ ۱۵۰)

امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے مقدمہ میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں راویان حدیث پر نقد کرنے کی دلیلیں ذکر کی ہیں بڑے بڑے محدثین کے راویوں کے بارے میں اقوال نقل کئے ہیں فرمایا ہیں کہ محدثین کرام نے اخبار واحادیث کے ناقلین اور راویوں کے عیوب بیان کرنے کو اپنے اوپر لازم سمجھا اور جب ان سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے ماہرانہ جرح کا اسی لئے فتویٰ دیا کہ اس میں بڑا فائدہ تھا اس لئے کہ روایات دین کے بارے میں وارد ہوتی ہے اور اس میں تحلیل وتحریم، امر ونہی اور ترغیب وترہیب وغیرہ موضوعات سے متعلق روایات ہوتی ہے۔

امام نوویؒ نے جرح وتعدیل کو ایک دینی فریضہ بتاتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے ”راویوں پر جرح کرنا جائز ہی نہیں بلکہ باتفاق علما واجب ہے اس لئے کہ اس سے شریعت اسلامیہ کی حفاظت اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیر خواہی مقصود ہوتی ہے۔ کسی کی

عیب جوئی یا پردہ دری مقصود نہیں ہوتی ہے۔ بڑے بڑے اہل علم کا اسی کے مطابق عمل رہا ہے۔(مسلم مع نووی ص ۲۰)

امام احمد بن حنبلؒ ایک مرتبہ کسی راوی پر نقد کر رہے تھے تو ابوتراب نخشبی نے ان سے بطور اعتراض عرض کیا کہ آپ علما کی غیبت کرتے ہیں یہ سن کر امام احمدؒ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر! یہ غیبت نہیں بلکہ خیر خواہی ہے۔(حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۵۴)

ابوبکر بن خلاد نے یحیی بن سعید سے کہا کہ اما تخشی ان یکون هؤلاء خصماءک عند الله کہ کیا آپ کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ وہ راویان حدیث جن کی احادیث کو آپ نے ترک کر دیا ہے اللہ تعالی کے یہاں آپ کے مدمقابل اور خصم بن کر آئیں؟ یہ سن کر یحیی بن سعید نے فرمایا لان یکون هؤلاء خصمائی احب الی من ان یکون خصمی رسول اللہ ﷺ یقول لم لم تذب الکذب عنی (تدریب)

یعنی یہ لوگ میرے مدمقابل ہوں یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس بات کے مقابلہ میں کہ میرے مدمقابل اور خصم قیامت کے دن اللہ تعالی کے رسول ﷺ ہوں آپ ﷺ سے فرمادیں کہ میرے اوپر جھوٹ گھڑا جا رہا تھا تم نے میری طرف سے دفاع کیوں نہیں کیا؟

معلوم ہوا کہ راویوں کے بارے میں جو کچھ کلام کیا جاتا ہے اور جو ان کا عیب ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک دینی ضرورت کے پیش نظر کیا جاتا ہے جو غیبت محرمہ میں داخل نہیں ہے

ابن حبان فرماتے ہیں کہ انما الغیبة ما یرید القائل القدح فی المقول فیه وائمتنا رحمهم الله تعالی انما بینوا هذه الأشیاء واطلقوا الجرح فی غیر العدول لئلا یحتج باخبارهم لا انهم أرادوا ثلبهم والوقیعة فیهم والاخبار عن الشی لا یکون غیبة اذا اراد القائل به غیر الثلب یعنی کسی پر محض عیب لگانے کے لئے جرح کی جائے تو اسے غیبت کہا جاتا ہے ہمارے ائمہ رحمہم اللہ تعالی نے جو ان چیزوں کو بیان کیا ہے اور غیر عادل راوۃ پر جو جرحیں کی ہیں اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان رواۃ کی روایت سے استدلال نہ کیا جائے، ان پر عیب لگانا مقصد نہیں تھا جب مخبر کا ارادہ خبر دینے کے ذریعہ عیب

لگا نا ہو تو یہ غیبت محرمہ میں داخل نہ ہوگی۔(المجروحین۔ا/ ۲۴)

عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ اسماعیل بن علیہ کی مجلس میں ایک شخص نے دوسرے شخص کے واسطہ سے روایت بیان کی میں نے کہا ان سے روایت نہ کرو یہ ثقہ نہیں ہے تو انھوں نے کہا کہ تم نے ان کی غیبت کردی۔ اسماعیل بن علیہ نے کہا یہ غیبت نہیں ہے بلکہ ان پر صرف ثقہ نہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔ (المجروحین۔ا/ ۲۴)

امام شعبہ فرماتے تھے قم حتی نغتاب فی اللہ تبارک وتعالی کہ آؤ اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے غیبت (رواۃ کی چھان بین) کریں۔(المجروحین/ ۲۵)

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے علمائے محدثین پر یہ عیب لگایا ہے کہ وہ راویان حدیث کی برائی بیان کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں ان کے عظیم مقصد کا علم نہیں ہے ان کا اصل مقصد صرف دینی مسائل میں احتیاط برتنا تھا تا کہ کسی ایسی چیز پر عمل نہ کیا جائے جو دین سے خارج ہو۔(جامع الاصول ا/ ۳۰)

کچھ ائمہ جرح وتعدیل کے بارے میں

اللہ تعالی نے اس امت کو جو شریعت دی ہے وہ دائمی اور ابدی شریعت ہے، لہذا تا قیامت اس کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود رب کائنات اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے ذمہ لی انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون چناں چہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس کی حفاظت کرنے کے لیے ایسے افراد کو پیدا کیا جنھوں نے اسے محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور اس میں رخنہ ڈالنے کی جتنی ناپاک کوششیں کی گئیں سب کی گرفت کی انھوں نے اس کام کے لیے ہر ضروری تدبیر اختیار کی حالات وضرورت کے مطابق سب سے پہلے تحقیق وجستجو اور روایت میں احتیاط کو ملحوظ رکھا پھر آہستہ آہستہ حسب ضرورت طلب اسناد، معرفت رجال اور قبول روایت کے اصول وضوابط مقرر کیے۔ تحقیق وتثبت کا یہ کام دور صحابہ سے شروع ہو چکا تھا

چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ نے یہ اطلاع دی کہ جدہ (دادی) کا حصہ اللہ کے رسول ﷺ نے میراث میں ایک سدس مقرر فرمایا ہے تو آپ نے اسے نافذ کرنے سے پہلے اس کی مزید تحقیق کی۔ اس لیے کہ معاملہ حقوق واموال کا تھا۔ جب اس بات کی تصدیق محمد بن مسلمہؓ نے کی تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے نافذ کیا، بقول امام ذہبیؒ کہ تحقیق واحتیاط کی یہ پہلی کوشش تھی جس کی بنیاد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رکھی۔ آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دیگر صحابہؓ نے بھی تحقیق واحتیاط کو ملحوظ رکھا اور صحابہؓ کی پیروی کرتے ہوئے تابعین، تبع تابعین، تابع اتباع تابعین اور ان کے تلامذہ در تلامذہ نے گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا۔ چوتھی صدی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ راویان حدیث پر نئے اقوال اور جدید نقد کا دروازہ بند ہو گیا اب ان کی جمع وترتیب، ان میں مقابلہ آرائی، استنباط نتائج، بحث ومباحثہ، تہذیب وتدوین وغیرہ کا کام رہ گیا تھا جو ہر دور میں کسی نہ کسی حد تک ہوتا رہا اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا۔ اس طرح ان ائمہ ہدیٰ ومصابیح الدجیٰ خدام سنت نبوی ﷺ پاسبان ملت بیضاء نے سنت رسول ﷺ قیامت تک کے لیے محفوظ کرنے کا ایسا انتظام کر دیا کہ اس میں نفوذ اور خلل اندازی کی ہر کوشش ناکام ونامراد ہو گئی اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" مکمل ہو گیا۔ (جرح وتعدیل)

ائمہ جرح وتعدیل کا اظہار حق

ائمہ جرح وتعدیل کی تحقیق بڑی معیاری، ان کا فیصلہ مبنی بر انصاف اور ان کی باتیں سراپا صداقت ہوا کرتی تھیں، یہ لوگ حق گوئی وبے باکی کی زندہ مثال تھے، بلا خوف وخطر برملا حق کا اظہار کرتے تھے، قرابت داروں کی قرابت داری، دوست واحباب کی دوستی ومحبت اور معاشرہ کے کسی دباؤ کا خیال کیے بغیر فیصلہ سناتے تھے۔

امام شعبہ فرماتے ہیں حسان بن حسان کا مجھے بڑا خوف ہے وہ میرے داماد ہیں لیکن حافظ حدیث نہیں ہیں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ۱/۸۱)

وکیع بن جراح اپنے والد سے محض بیت المال کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے روایت بیان کرنے میں احتیاط برتتے تھے اور اگر ان کے واسطہ سے بیان بھی کرتے تھے تو ساتھ میں کسی اور راوی کی موافقت ملاتے تھے۔(اسباب اختلاف الحدیث ا/ ۵۰)

علی بن مدینی سے جب ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے سر جھکا لیا اور فرمایا کہ یہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۵/ ۱۷۶)

یحییٰ بن معین نے علی بن قرین کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب ہے جب ان سے کہا گیا کہ یہ تو آپ کی خدمت میں بکثرت رہتے تھے یعنی آپ سے دوستی تھی تو فرمایا کہ بات صحیح ہے مگر حق بات نہ کہوں تو اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے۔(التاریخ / ۷۷)

زید بن ابیسہ نے اپنے بھائی کے بارے میں فرمایا کہ میرے بھائی سے روایت مت کرو ان کا شمار کذابین میں ہوتا ہے۔(صحیح مسلم/ ۲۰)

امام ابو داؤد صاحب سنن اپنے بیٹے عبداللہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔(میزان الاعتدال)

محدثین کا وجدانی ملکہ

ان محدثین کو حق تعالیٰ شانہ نے وہ نور باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کسی راوی کی روایت سننے اور دیکھنے کے ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے یا سچا، روایت صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع۔ حدیث رسول ﷺ موجود نور نبوت کی جھلک، آپ کے کلمات کی لطافت وصداقت اور آپ ﷺ کی معیاری گفتگو ان لوگوں کے دل ودماغ میں اس طرح پیوست ہو چکی تھی کہ روایت کو سنتے ہی انھیں ایک طرح کا لطیف احساس ہو جاتا تھا کہ یہ حدیث رسول ہے یا نہیں ہے؟

ربیع بن خیثم ایک جلیل القدر تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ ان من الحدیث حدیثا له ضوء کضوء النهار وان من الحدیث حدیثا له ظلمة کظلمة اللیل نعرفه بها بعض احادیث میں دن کی

روشنی کے مانند روشنی ہوتی ہے اور بعض احادیث میں رات کی تاریکی کے مانند تاریکی ہوتی ہے جس سے ہم اس کا صحیح وغلط ہونا پہچان لیتے ہیں۔ (تدریب الراوی ۱ / ۲۳۳)

عبدالرحمن بن مہدی نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک الہامی شئی ہے بسا اوقات اگر تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے دلیل طلب کرو تو وہ دلیل پیش نہیں کرسکتا۔ (معرفۃ علوم الحدیث)

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ حدیث منکر کو سن کر محدث کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور قلب اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ (تدریب الراوی / ۲۳۳)

شیخ ابوالحسن علی بن عروہ کتاب الکواکب میں فرماتے ہیں کہ " جس کی فطرت سلیم ہو اور اس کا قلب نور تقوی سے منور ہو اور صدق واخلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو، بات کو سنتے ہی اسے جھوٹ وسچ کا پتہ چل جاتا ہے، بعض بزرگان دین فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے، اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ولتعرفنهم في لحن القول اے نبی ﷺ نے آپ کو ایسا خاص نور فراست عطا کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب ولہجہ سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے۔ (قواعد التحدیث)

حافظ بلقینی کا ارشاد ہے " اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند سالوں تک خدمت کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں سے واقف ہوجائے گا جو اسے پسند ہیں یا ناپسند ہیں، پس اگر کوئی دعوی کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اس کی بات سنتے ہی اس کی تکذیب کردے گا۔ (تدریب الراوی ۱ / ۲۳۳)

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ " محدثین کرام کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کا تعلق اکثر حدیث کے متن اور اس کے الفاظ سے ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان حضرات محدثین کو نبی کریم

ﷺ کے الفاظ کے کثرت استعمال سے ایک خاص ذوق وملکہ حاصل ہوجاتا ہے جس سے وہ حضورﷺ کے الفاظ اور دوسروں کے الفاظ میں تمیز کر لیتے ہیں۔(توضیح الافکار ۲/ ۹۴)

ائمہ جرح وتعدیل کے بارے میں معلومات کی جگہیں

ان ائمہ جرح وتعدیل کی تعداد بہت زیادہ ہیں، جنھوں نے اپنے اپنے دور میں جرح وتعدیل کی ذمہ داری سنبھالی تھی ان سب حضرات کا تفصیلی اور اجمالی ذکر اسلاف کی کتابوں میں موجود ہے، ان کتابوں میں تذکرۃ الحفاظ اور سیر اعلام النبلاء قابل ذکر ہے۔

ان میں سے چند بڑے بڑے ماہرین فن اور اکابر نقاد کا تفصیلی ذکر ابن ابی حاتم رازی نے "الجرح والتعدیل" کے مقدمہ میں کیا ہے، جن کی تعداد سترہ (۱۷) ہیں، اسی طرح چند اہم اکابرین کا ذکر خیر ابوحاتم ابن حبان نے "المجروحین من المحدثین" کے مقدمہ میں کیا ہے۔

حافظ ابن عدی نے مقدمۃ الکامل فی ضعفاء الرجال" میں دور صحابہ سے لے کر اپنے دور تک کے علمائے نقاد کا تذکرہ کیا ہے، جن کی تعداد (۵۷) ہیں۔

امام ذہبی نے "ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل" نامی ایک کتاب تالیف کی ہے، جس میں آپ نے اپنے دور تک کے ان ائمہ کی فہرست پیش کی ہے، جن کے اقوال جرح وتعدیل کے سلسلہ میں مقبول ہیں، ان کی جملہ تعداد اس کتاب میں ۷۱۵ ہے۔

امام سخاویؒ نے "المتکلمون فی الرجال" "الاعلان بالتوبیخ" میں ۲۰۹/ افراد کا ذکر ترتیب وار کیا ہے۔ یہاں دسویں صدی تک کے مشہور ائمہ نقد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مشہور ائمہ جرح وتعدیل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ) (۲) یحیی القطان (م ۱۹۸)

(۳) عبدالرحمن بن مہدی (م ۱۹۸ھ) (۴) ابن سعد (م ۲۳۰ھ)

(۵) یحییٰ بن معین (م:۲۳۳)
(۶) علی بن المدینی (م:۲۳۴)
(۷) امام احمد بن حنبل (م:۲۴۱)
(۸) امام بخاری (م:۲۵۶)
(۹) امام مسلم (م:۲۶۱)
(۱۰) عجلی (م:۲۶۱)
(۱۱) ابوزرعہ رازی (م:۲۶۴)
(۱۲) ابوداؤد سجستانی (م:۲۷۵)
(۱۳) ابوحاتم رازی (م:۲۷۷)
(۱۴) یعقوب بن سفیان (م:۲۷۷)
(۱۵) ابوعیسیٰ ترمذی (م:۲۷۹)
(۱۶) امام نسائی (م:۳۰۳)
(۱۷) عقیلی (م:۳۲۲)
(۱۸) ابن ابی حاتم (م:۳۲۷)
(۱۹) ابوحاتم ابن حبان (م:۳۵۴)
(۲۰) ابن عدی (م:۳۶۵)
(۲۱) دارقطنی (م:۳۸۵)
(۲۲) ابن شاہین (م:۳۸۵)
(۲۳) خطیب بغدادی (م:۴۶۳)
(۲۴) ابن تیمیہ (م:۷۲۸)
(۲۵) حافظ مزی (م:۷۴۲)
(۲۶) ابن عبدالہادی (م:۷۴۴)
(۲۷) حافظ ذہبی (م:۷۴۸)
(۲۸) ابن القیم (م:۷۵۱)
(۲۹) حافظ علائی (م:۷۶۱)
(۳۰) ابن رجب (م:۷۹۵)
(۳۱) حافظ ابن حجر (م:۸۵۲)
(۳۲) ابن الکیال (م:۹۳۹)
(۳۳) سخاوی (م:۹۰۲)

قواعد جرح وتعدیل

قاعدہ نمبر(۱) جرح وتعدیل میں اسباب کا ذکر کرنا

جب کوئی شخص کسی راوی پر جرح کرے یا کسی کی تعدیل کرے اور اسباب جرح یا اسباب تعدیل ذکر کردے تو تمام علما کے نزدیک یہ جرح مفسر وتعدیل مفسر قابل قبول ہوتی ہے لیکن اگر جرح وتعدیل بلا سبب بیان کرے ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ تعدیل مبہم مقبول ہے لیکن جرح مبہم مقبول نہیں اس لیے کہ عدالت کے اسباب بے شمار ہیں جن کا ذکر کرنا مشکل ہے اس کے مقابلہ میں جرح کے اسباب کم ہوتے ہیں جن کا بیان کرنا آسان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسباب جرح کے سمجھنے میں غلطی ہوسکتی ہے، بہت سے حضرات ایسی چیزوں کو جرح سمجھ لیتے ہیں جو حقیقت میں قابل جرح نہیں ہوتی مثلاً امام شعبہؒ سے کسی نے کسی کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ نے ان سے روایت لینا کیوں ترک کردیا تو امام شعبہؒ نے جواب دیا کہ رأیته یرکض علی برذون فترکته کہ میں نے ان کو گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے دیکھا اس لیے میں نے ان سے روایت لینا ترک کردیا حالاں کہ گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑ لگانا کوئی جرح کا سبب نہیں ہے۔

اسی طرح شعبہ ہی سے کسی نے زاذان کے بارے میں سوال کیا تو شعبہ نے فرمایا کان کثیر الکلام یعنی وہ گفتگو زیادہ کرتے ہیں حالاں کہ یہ بھی کوئی ایسا سبب نہیں ہے جس سے راوی مجروح ہو جائے اور اس کی روایات کو اس کی وجہ سے ترک کردیا جائے۔

اسی طرح شعبہ نے ابو غالب سے محض اس وجہ سے روایت کرنا چھوڑ دیا کہ وہ دھوپ میں بیٹھ کر احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ (الکفایہ ص ۱۰۳، ۱۰۴)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ عدالت کے اسباب بیان کرنا ضروری ہے لیکن جرح کے اسباب بیان کرنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ عدالت کا حکم لگانے میں آدمی کو ظاہری شکل وصورت دیکھ کر دھوکہ ہوسکتا ہے جیسا

کہ امام مالکؒ سے ان کے عبدالکریم بن ابوالخارق سے روایت کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ عبدالکریم کے مسجد میں بکثرت بیٹھنے نے مجھے دھوکہ میں ڈال دیا۔ (فتح المغیث ۱/۲۵۷)

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں (جرح وتعدیل) میں اسباب کا بیان کرنا ضروری ہوگا اس لیے کہ جس طرح اسباب جرح میں غلطی کا امکان ہے اسی طرح اسباب تعدیل میں بھی غلطی کا امکان ہوتا ہے کیوں کہ بسا اوقات لوگ ظاہری شکل وصورت دیکھ کر ثقاہت کا حکم لگا دیتے ہیں حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اسی طرح کبھی ایسے اسباب کی وجہ سے جرح کر دیتے ہیں جو حقیقت میں اسباب جرح نہیں ہوتے ہیں۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۳۶، تدریب الراوی ۱/۲۶۰)

(۴) جرح وتعدیل دونوں مبہم یعنی بغیر اسباب ذکر کیے قابل قبول ہوں گے بشرطیکہ کسی ایسے صاحب بصیرت شخص نے جرح وتعدیل کی ہو جس کے افعال واعتقاد اطمینان بخش ہو۔ (تدریب الراوی ۱/۲۶۰)

پہلے قول کو اکثر علما نے راجح اور قابل قبول قرار دیا ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ قول متقدمین کے حق میں بہتر تھا لیکن متاخرین کے حق میں بہتر نہیں تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ متاخرین کا اعتماد اس فن میں تصنیف شدہ کتابوں پر ہے لہذا ان کے حق میں یہ بہتر ہوگا کہ جرح وتعدیل کسی امام فن، عالم بالاسباب کی طرف سے صادر ہو تو بغیر اسباب ذکر کیے قابل قبول ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جرح وتعدیل پر تصنیف شدہ کتابیں جس میں بے شمار اقوال جرح وتعدیل موجود ہیں اکثر ان میں اسباب ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔ (جرح وتعدیل ۱۸۵)

(۵) حافظ ابن حجر کا قول : اگر کسی ایسے راوی کے متعلق جرح مبہم ہو جس کی ائمہ فن نے توثیق کر دی ہو تو پھر جرح مبہم قبول نہ ہوگی بلکہ جرح کا مفسر ہونا ضروری ہوگا اس لئے کہ جب اس آدمی کی توثیق ہو چکی ہے تو بغیر کسی امر جلی کے اس کی ثقاہت ختم نہ ہوگی اور اگر کسی ایسے راوی کے بارے میں جرح مبہم وارد ہو

جس کی کسی نے تعدیل وتوثیق نہیں کی ہے تو پھر جرح مبہم قابل قبول ہوگی بشرطیکہ کہ جارح امام فن اور عارف باسباب الجرح والتعدیل ہو۔ (تدریب الراوی ۱/۲۶۱)

قاعدہ نمبر(۲) جرح وتعدیل میں تعارض

جب کسی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل میں تعارض ہوجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) جرح وتعدیل دونوں ایک ہی امام کی طرف سے صادر ہو (۲) جرح وتعدیل دو یا چند ائمہ کی طرف سے صادر ہو۔

اگر جرح وتعدیل ایک ہی امام کی طرف سے کسی راوی کے بارے میں صادر ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) راوی کے بارے میں اس امام کا اجتہاد تبدیل ہو گیا ہوگا ایسی صورت میں آخری قول کو قول فیصل سمجھنا چاہیے۔ بشرطیکہ معلوم ہوجائے کہ اجتہاد بدل گیا تھا اور آخری قول یہ ہے۔

(۲) اجتہاد بدلا نہ ہو تو مندرجہ ذیل طریقہ پر عمل کیا جائے۔

(۱) حتی الامکان دونوں اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۲) اگر دونوں اقوال کے درمیان جمع ممکن نہ ہو تو قرائن کے ذریعہ کسی ایک کو ترجیح دی جائے

(۳) قرائن کے پائے جانے کی صورت میں ترجیح اس طرح دی جائے کہ دونوں اقوال میں سے جو قول دیگر اہل نقد کے قریب ہو اسے اختیار کرلیا جائے۔

(۴) اگر کسی طرح ترجیح ممکن نہ ہو تو پھر جب تک کوئی مرجح ظاہر نہ ہو تب تک توقف کیا جائے۔ یا بقول بعض تعدیل کو ترجیح دے دی جائے۔

اگر تعارض مختلف ائمہ کے اقوال کے درمیان یا دو اماموں کے اقوال کے درمیان ہو جیسے محمد بن اسحاق مدنی صاحب مغازی کو امام شعبہ نے "امیر المؤمنین فی الحدیث" کہا ہے اور انھیں کو امام مالکؒ نے "دجال من الدجاجلہ" کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ۵)

یہاں تعدیل کا اعلیٰ مرتبہ (امیر المؤمنین فی الحدیث) اور تجریح کا بدترین مرتبہ (دجال من الدجاجلہ) ایک دوسرے سے متعارض ہے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے جابر جعفی کے بارے میں فرمایا مارأیت اکذب من جابر الجعفی انہی جابر جعفی کے بارے میں امام شعبہؒ کا قول ہے اذا قال جابر حدثنا فھو اوثق الناس (میزان الاعتدال ۲/۱۰۳)

یہاں اوثق اور اکذب دونوں اسم تفضیل کے صیغے ہیں، ایک سے ثقاہت کا اعلیٰ مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا لفظ جرح کے ادنیٰ مرتبہ پر دلالت کرتا ہے، یعنی دونوں ایک دوسرے سے بالکل متعارض ہے۔

جب اس طرح جرح وتعدیل کے درمیان تعارض ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے، اس کے لیے کچھ اصول وضوابط ہیں۔

تعارض کب ہوگا؟

لیکن اصول وضوابط کو معلوم کرنے سے قبل یہ جان لینا ضروری ہے کہ جرح وتعدیل میں تعارض کب تصور کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں تعارض اس وقت ہوگا جب اقوال کے درمیان تطبیق ناممکن ہو اس لیے کہ بہت سے حالات ایسے ہوتے ہیں جس میں راوی ضعیف ہوتا ہے اور اگر وہ حالات نہ ہوں تو وہ ثقہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایک راوی ایسا ہے جو ابتدائی زمانہ میں ثقہ تھا لیکن آخری ایام میں مختلط ہو گیا، پہلی حالت کو جس نے پایا اس نے ثقہ قرار دیا اور جس نے آخری حالت کو پایا اس نے اسے ضعیف قرار دیا، اگر اس طرح کی بات ہو تو اسے تعارض نہیں کہا جائے گا بلکہ حالات کا اعتبار کرتے ہوئے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

مثلاً عبد اللہ بن لہیعہ جو سنن اربعہ کے راویوں میں سے ہیں اور بہت مشہور ہیں، ابتدائی ایام میں یہ ثقہ تھے لیکن جب ان کے کتب خانے میں آگ لگ گئی اور ساری کتابیں جل گئیں اس کے بعد

سے یہ مختلط ہو گئے۔ لہذا ان کی روایتیں جو اختلاط سے پہلے کی ہیں وہ صحیح ہیں اور جو بعد کی ہیں وہ ضعیف ہیں، ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب عبادلہ اربعہ ان سے روایت کریں تو ان کی روایت صحیح ہوتی ہے۔ عبادلہ اربعہ یہ ہیں۔ (۱) عبداللہ بن مبارک (۲) عبداللہ بن یزید مقری (۳) عبداللہ بن وھب (۴) عبداللہ بن مسلمہ قعنبی (میزان الاعتدال ۴/ ۱۷۳)

جن لوگوں کو ابن لہیعہ کے بارے میں پہلے حالات کا علم تھا انھوں نے ان کو ثقہ کہا اور جن لوگوں کو آخری حالات کا علم تھا انھوں نے ان کو ضعیف کہا اس طرح دونوں اقوال کے درمیان کوئی تعارض نہ رہا۔

اسی طرح بہت سے راوی ایسے ہیں جو خاص جگہ میں ثقہ مانے جاتے ہیں اور دوسری جگہوں میں ضعیف مانے جاتے ہیں، مثلاً اسماعیل بن عیاش شامی جب یہ اپنے ملک یعنی شامیوں سے روایت کرتے ہیں تو ثقہ اور غیر شامیوں سے روایت کرتے ہیں تو ضعیف ہوتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۱/ ۲۰۱)

اسی طرح سے بہت سے راوی ایسے ہیں جو خاص استاذ میں ضعیف اور دوسرے اساتذہ سے روایت کرے تو ثقہ مانے جاتے ہیں مثلاً ھشیم بن بشیر جو صحیحین کے راویوں میں سے ہیں اور ثقہ ہیں، لیکن جب امام زہری سے روایت کرتے ہیں تو ان کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ (میزان الاعتدال ۷/ ۹۰)

جس نے ان کو ضعیف قرار دیا انھوں نے صرف امام زہری کی روایتوں کو ضعیف کہا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

اسی طرح جابر جعفی کی جو مثال دی گئی اس میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ جابر جعفی ابتدائی ایام میں ثقہ تھے لیکن بعد میں عقیدہ خراب ہو گیا اور رجعت کے قائل ہو گئے تھے، اسی طرح جھوٹ گھڑنا شروع کر دیا تھا، جن لوگوں کو ان کا ابتدائی زمانہ ملا انھوں نے ان کو ثقہ اور جن کو آخری حالات معلوم

ہوئے انھوں نے ان کو ضعیف قرار دیا۔

اسی طرح محمد بن اسحاق کے بارے میں جو تعارض ہوا ہے اس میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے جن لوگوں نے ان کو ثقہ کہا انھوں نے اس سبب کا اعتبار نہیں کیا جس پر امام مالکؒ نے اعتماد کیا ہے یعنی ہشام بن عروہ کا یہ کہنا کہ چوں کہ محمد بن اسحاق نے میری بیوی فاطمہ بنت منذر سے روایت کی ہے جو میرے گھر سے کبھی باہر نہیں نکلی لہذا محمد بن اسحاق جھوٹے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ محمد بن اسحاق نے شادی سے پہلے روایت کی ہو، اسی طرح یہ امکان بھی ہے کہ انھوں نے گھر کے دروازہ پر بیٹھ کر پردے کے پیچھے سے حدیثیں سنی ہوں جیسا کہ اس زمانہ میں رواج تھا۔ (میزان الاعتدال ۶/ ۵۹)

اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ غصہ کی وجہ سے کہا تھا ان پر اس طرح کا حکم لگانا مقصد نہیں تھا۔ اب امام مالکؒ کا محمد بن اسحاق کے بارے میں یہ قول معتبر نہ ہوگا۔

اس طرح سے تطبیق کی بہت ساری شکلیں نکل سکتی ہیں جن کو راویوں کے حالات سے شغف رکھنے والے اور ماہر تجربہ کار لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

تعارض کی صورت میں عمل کی نوعیت

لیکن اگر تطبیق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے اس سلسلہ میں علما کے کئی اقوال ہیں اور علما کے رواۃ کے بارے میں دو بنیادی نظریے ہیں۔ ایک نظریہ راویوں پر حسن ظن کا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ راویوں میں اصل ثقاہت ہے اور ضعف عارضی چیز ہے، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اصل مقصد حفاظت حدیث ہے جرح اصل ہے اب جن کے نزدیک جرح اصل ہے وہ جرح کو مقدم کرتے ہیں اور جن کے نزدیک تعدیل اصل ہے وہ تعدیل کو مقدم کرتے ہیں۔

اقوال کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ جرح مقدم ہے اس لیے کہ تعدیل کرنے والا شخص ظاہری حالت کی بنیاد پر خبر دیتا

ہے اور جارح کسی باطن اور مخفی چیز کی بنیاد پر خبر دیتا ہے جو تعدیل کرنے والے کو معلوم نہیں، معلوم ہوا کہ جارح کے پاس زیادتی علم ہے جس کا قبول کرنا لازم ہوگا، نیز ایسی صورت میں اگر جارح کے قول پر عمل کیا جاتا ہے تو معدل پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اگر تعدیل پر عمل کیا جاتا ہے تو اس سے جارح کی تکذیب لازم آتی ہے۔

البتہ اگر جارح کوئی ایسا سبب بیان کرتا ہے جو معدل کے علم میں ہے لیکن معدل اس کی نفی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس سبب جرح کو جانتا ہوں لیکن اس راوی نے توبہ کرلی ہے اور اس کا حال درست ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں تعدیل مقدم ہوگی۔ (تدریب الراوی / ۲۶۲)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ تعدیل مقدم ہے اس لیے کہ رواۃ میں اصل عدالت ہے جرح امر عارضی ہے۔ لہٰذا مجرد جارح کے کلام سے عادل کی عدالت ساقط نہیں کی جاسکتی، شعرانی نے اسے جمہور کی جانب منسوب کیا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اگر جارحین کی تعداد زیادہ یا معدلین کے مساوی ہو تو جرح مقدم ہوگی اور اگر معدلین کی تعداد زیادہ ہوں تو تعدیل مقدم ہوگی اس لیے کہ کثرت عدد سے خبر کی تائید ہوتی ہے اور جارحین یا معدلین کی تعداد کم ہونے کی صورت میں ان کی خبر کمزور ہو جائے گی، خطیب بغدادی نے اس قول کی تغلیط کی ہے۔ (تدریب الراوی / ۲۶۳)

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ جب جارح و معدل حفظ میں برابر ہوں یا جارح احفظ ہو تو جرح مقدم ہوگی اور اگر معدلین احفظ واضبط ہوں تو تعدیل مقدم ہوگی اس لیے کہ خبر میں بنیادی چیز صحت یا عدم صحت ہے جب ضابط وحافظ خبر دے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی بات تسلیم کرلی جائے، اس لیے کہ اس کی بات اقرب الی الصواب ہوگی۔

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ جرح اور تعدیل دونوں برابر شمار کیے جائیں گے اور ترجیح کی کوئی صورت پیدا کی جائے گی۔

(۶) چھٹا قول یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جرح مبہم ہے یا مفسر (یعنی اسباب جرح بیان کیے گئے ہیں) اگر جرح مبہم ہو (تعدیل مبہم ہو یا مفسر) تو تعدیل راجح ہوگی اور اگر جرح مفسر ہو (تعدیل مفسر ہو یا مبہم) تو جرح راجح ہوگی (خلاصہ یہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوگی) اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوں گی۔

جرح + تعدیل مبہم = تعدیل راجح

جرح مفسر + تعدیل مفسر = جرح راجح

جرح مبہم + تعدیل مفسر = تعدیل راجح

جرح مفسر + تعدیل مبہم = جرح راجح (جرح و تعدیل)

اس قول کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے لیکن یہ قاعدہ علی الاطلاق راجح نہیں ہے بلکہ جرح و تعدیل کے چند ضابطوں کے ساتھ مقید ہے جو حسب ذیل ہیں۔

قاعدہ نمبر: (۳) علمائے جرح و تعدیل تین طبقات میں منقسم ہیں۔

(۱) متشددین

(۱) وہ علمائے جرح و تعدیل جو جرح کرنے میں متشدد واقع ہوئے یہ حضرات راوی کی ایک دو غلطیوں کی بھی پکڑ کرتے تھے اور ان پر جرح کرتے ہوئے ان کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے اور راوی کی تعدیل میں احتیاط سے کام لیتے تھے یہ علمائے جرح و تعدیل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شعبۃ بن الحجاج (۲) یحییٰ بن سعید القطان (۳) یحییٰ بن معین (۴) ابو حاتم رازی (۵) ابن ابی حاتم (۶) نسائی احمد بن شعیب (۷) علی بن المدینی (۸) جوزجانی اہل کوفہ پر جرح کرنے میں (۹) ابن خراش بغدادی صرف اہل شام پر جرح کرنے میں متشدد ہیں

(۲) معتدلین

(۲) وہ علمائے جرح وتعدیل جو کسی راوی کی توثیق کرنے میں معتدل مزاج واقع ہوئے ہیں اور کسی راوی پر جرح کرنے میں منصف واقع ہوئے ہیں۔ان کے اسماحسب ذیل ہیں۔

(۱) سفیان ثوریؒ (۲) عبدالرحمٰن بن مہدی (۳) احمد بن حنبل (۴) امام بخاری
(۵) ابوزرعہ رازی (۶) ابن عدی (۷) دارقطنی (۸) ذہبی (۹) ابن حجر

(۳) متساہلین

(۳) وہ علمائے جرح وتعدیل جو جرح وتعدیل میں متساہل واقع ہوئے ہیں،ان کے اسماحسب ذیل ہیں۔

(۱) عجلی (۲) ترمذی (۳) ابن حبان (۴) حاکم (۵) بزار (۶) طبرانی
(۷) دارقطنی (بعض اوقات) (۸) ابوعبداللہ حاکم (۹) بیہقی (۱۰) ہیثمی (۱۱) منذری
(۱۲) طحاوی (۱۳) ابن خزیمہ (۱۴) ابن السکن (۱۵) بغوی (تخریج الحدیث ص ۲۲)

جب علمائے متشددین میں سے کوئی کسی راوی کی توثیق وتعدیل کردے تو اس کی بات بلاتوقف قبول کرلی جائے گی اس لیے کہ علمائے متشددین کسی راوی کی توثیق میں تثبت اور بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے،ہاں اگر وہ کسی ایسے راوی کی توثیق وتعدیل کردے جس کے ضعیف ہونے پر دیگر علمائے جرح وتعدیل نے اتفاق واجماع کیا ہوتو پھر اس کی توثیق قابل اعتبار نہ ہوگی۔لیکن اگر علمائے متشددین میں سے کوئی کسی راوی پر جرح کرے تو اس کی جرح اسی وقت مقبول ہوگی جب کہ دیگر علمائے جرح وتعدیل میں سے کسی نے اس کی موافقت کی ہو اور اگر کسی ایک نے بھی موافقت نہ کی ہو تو پھر اس کی بات علی الاطلاق قبول نہیں کی جائے گی اور نہ علی الاطلاق رد کی جائے گی بلکہ اگر کسی معتبر عالم کی توثیق سے اس کی جرح متعارض ہوجائے تو پھر اس متشدد عالم کی جرح اسی وقت مقبول ہوگی جب کہ وہ مفسر ہو یعنی جرح کے اسباب بیان کردیے ہوں۔

جب علمائے متساہلین میں سے کوئی کسی راوی کی توثیق وتعدیل کرے تو اگر دیگر علمائے جرح

وتعدیل میں سے کوئی اس کی موافقت کرے تو ہی اس کی توثیق وتعدیل کا اعتبار کیا جائے گا اگر توثیق میں وہ (متساہل) منفرد ہے تو پھر اس کی توثیق کو تسلیم نہیں کیا جائے گا جیسے ابن حبان نے ایسے بہت سے مجاہیل کی صرف اس بنیاد پر توثیق کردی ہے کہ وہ مسلمان اور خالی عن الجرح تھے، اسی طرح ان علمائے متساہلین کی جرح بھی اس وقت معتبر ہوگی جب کہ کوئی ان کی موافقت کردے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ متساہلین کا طریقہ کار جرح کے سلسلہ میں متحد نہیں ہے، بلکہ بعض ضعفا کے ساتھ تساہل کا معاملہ کرتے ہیں جیسے عجلی اور بعض ضعفا کے ساتھ تشدد کا معاملہ کرتے ہیں جیسے ابن حبان کا طریقہ کار ہے۔

جب علمائے معتدلین کسی کی توثیق وتجریح کریں تو ان کی بات کا اعتبار کرلیا جائے جب تک کہ ان کی توثیق جرح مفسر کے معارض نہ ہو اگر ان کی توثیق کے معارض جرح مفسر ہو جائے تو پھر جرح مفسر کو مقدم کیا جائے گا۔ (تخریج الحدیث ص ۲۲۹، ضوابط الجرح والتعدیل ص ۴۵، ۴۶)

قاعدہ نمبر (۴)

اگر جارح اور مجروح کے درمیان مشرب اور عقائد کا اختلاف ہو اور جرح کا باعث وہی اختلاف مشرب ہو تو پھر جرح کو قبول کرنے میں توقف کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ماہر شخص حافظ ابو اسحاق جوزجانی کی اہل کوفہ کے متعلق جرح سنے گا تو تعجب کرے گا، اس جرح کی وجہ یہ تھی کہ ابو اسحاق متشدد ناصبی تھے اور اہل کوفہ شیعہ تھے، اس وجہ سے ابو اسحاق اہل کوفہ کے بارے میں بڑی سخت زبان میں جرح کرتے تھے، یہاں تک کہ ابو اسحاق نے اعمش، ابونعیم، عبید اللہ بن موسیٰ اور دیگر اساطین علم حدیث کی بھی تلیین کی تھی۔

ایسے ہی حافظ عبدالرحمن بن یوسف بن خراش جو غالی شیعہ تھے انھوں نے اہل شام سے اپنے اعتقادی عداوت کی وجہ سے جرح کی۔

اسی طرح ہم عصر راویوں کے اقوال جو ایک دوسرے کے خلاف ہوں ان کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے اس لیے کہ ایسا ہونا ایک فطری بات ہے کہ ایک معاصر دوسرے معاصر کی معمولی سی

لغزشوں کو بھی معاف نہیں کرتا خصوصا جب یہ پتہ چل جائے کہ دونوں کے درمیان کسی مسئلہ کے بارے میں یا کسی اور وجہ سے کشیدگی تھی۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۴۸ بحوالہ میزان الاعتدال ۱/۱۱۱)

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ہم عصروں کی بہت سی باتیں جو ایک دوسرے کے بارے میں ہوں ان سے آنکھیں بند کرلینی چاہیے اور ان باتوں کو طعن وجرح کا سبب نہیں بنانا چاہیے بلکہ انصاف کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۴۸ بحوالہ ذکر اسماء من تکلم فیہ وھو موثق ص ۴۶)

اسی طرح تعدیل وتوثیق کا حال ہے اس لیے کہ کبھی ناقد اپنے مشائخ اور اپنے ہم خیال لوگوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرتا ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۴۸ بحوالہ الموقظہ ص ۸۴)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ عام طور سے لوگ ایک دوسرے کے کلام سے محفوظ نہیں ہے مثلاً ابراہیم نے امام شعبی پر کلام کیا۔ شعبی نے عکرمہ پر کلام کیا، ایسے مواقع پر اہل علم نے اس طرح کی جرح کو مطلقاً قبول نہیں کیا ہے بلکہ اس کے لیے واضح دلیل اور قطعی حجت کا مطالبہ کیا۔ (جرح وتعدیل ص ۲۰۲ بحوالہ جزء القراءۃ ص ۲۹)

یہاں پر اس مسئلہ کی تھوڑی سی وضاحت کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اہل علم کے درمیان جو یہ بات مشہور ہے کہ المعاصرۃ سبب المنافرۃ اور اسی کو بنیاد بنا کر ہم عصر راوی کی جرح کی اہمیت کو ختم کردیا جاتا ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کو اطلاق پر محمول کرنا چاہیے بلکہ یہ اسی صورت میں ہے جب کہ اس کی بنیاد حسد، تعصب وتنگ نظری یا مذہبی وعلمی عداوت ہو اور یہ بات صرف ہم عصر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ ہم عصر راوی کے حالات کو جتنا بہتر اور صحیح انداز میں ہم عصر محدث سمجھ سکتا اور جان سکتا ہے کوئی دوسرا اس طرح نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے بلکہ دوسروں تک اسی کے واسطے سے معلومات پہنچتی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا بلکہ یہی عین حقیقت ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ استاد کے بارے میں شاگرد کا قول اور اس کی رائے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ قوی اور

بہتر ہوتی ہے اس لیے کہ شاگرد جس قدر اپنے استاد کے حالات سے واقف ہوتا ہے دوسرا نہیں ہوتا ہے۔

پھر اگر مذکورہ قول کی بنا پر ہم عصر کی جرح علی الاطلاق رد کر دی جائے تو جرح وتعدیل کی بنیاد ہی متزلزل ہو جائے گی اس لیے اس قول کو علی الاطلاق محمول کرنا ناممکن ہے۔ (دراسات فی الجرح والتعدیل ص۱۰۶)

علامہ لکھنوی فرماتے ہیں کہ ہم عصر راویوں کے ایک دوسرے پر کلام کے غیر مقبول ہونے کی بات علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ یہ اس صورت میں ہے جب کے بغیر کسی دلیل کے ہو یا کسی نفرت وتعصب پر مبنی ہو۔ (الرفع والتکمیل ص۴۳۱)

ہر وہ جرح یا تعدیل جو فرط غضب یا اندھی محبت کے جذبے میں صادر ہو یا کسی ردعمل کے طور پر ہو یا نفرت وعداوت پر مبنی ہو تو وہ غیر مقبول ہوتی ہے، اس لیے کہ جب کوئی شخص کسی سے ناراض ہوتا ہے تو اسے اس کی ہر حرکت بری لگتی ہے اور جب کسی سے خوش ہوتا ہے تو اس کی ہر ادا اسے بھلی نظر آتی ہے خواہ حقیقت میں وہ بری ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اگر کسی راوی کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل سے اس طرح کی جرح یا تعدیل صادر ہو گئی ہو تو وہ غیر مقبول ہو گی۔

مثال: جب محمد بن اسحاق نے امام مالک کے بارے میں کہا کاعرضوا علی علم مالک فانی انا بیطارہ میرے سامنے امام مالک کے علم کو پیش کرو میں ان کے علم کی جانچ کرتا ہوں، جب امام مالک کو محمد بن اسحاق کی اس بات کی اطلاع موصول ہوئی تو امام مالک نے غصہ کے مارے محمد بن اسحاق کے بارے میں کہا دجال من الدجاجلة یہاں امام مالک کا محمد بن اسحاق پر کوئی حکم لگانا مقصود نہیں تھا بلکہ محمد بن اسحاق کی صرف مذمت بیان کرنا تھا۔

اسی طرح امام نسائی کا کلام جو احمد بن صالح مصری کے بارے میں صادر ہوا وہ بھی قابل قبول نہ ہوگا، واقعہ اس طرح پیش آیا کہ امام نسائی مصر پہنچے، احمد بن صالح کی عادت تھی کہ وہ حدیث اس وقت تک بیان نہیں کرتے تھے جب تک کہ وہ شاگرد کے بارے میں دریافت نہ کر لے چناں چہ جب امام

نسائی، احمد بن صالح کے درس میں گئے تو ان کے ساتھ کچھ ایسے لوگ تھے جنھیں احمد بن صالح پسند نہ کرتے تھے اس وجہ سے انھوں نے امام نسائی کے سامنے احادیث بیان کرنے سے انکار کردیا، امام نسائی کو اس پر غصہ آگیا اور انھوں نے ان احادیث کو جمع کرنا شروع کیا جن میں احمد بن صالح کو وہم ہوگیا تھا اور ان پر طعن وتشنیع کرنے لگے اور ان کے بارے میں یحیی بن معین کا احمد بن صالح کے بارے میں کہا گیا قول ؎ کذاب ؎ نقل کرنے لگے، ابن معین نے احمد بن صالح پر کذاب کا اطلاق کیا تھا۔ لیکن ابن معین کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں ہے، ابن معین نے تو احمد بن صالح کو ثقہ قرار دیا ہے۔ چوں کہ امام نسائی کا احمد بن صالح کے بارے میں کلام فرط غضب کی وجہ سے صادر ہوا تھا اس لیے محدثین نے اسے قبول نہیں کیا ہے۔ (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل، اربع رسائل ص ۵۳ حاشیہ)

یہی معاملہ فرط محبت سے تعدیل کرنے کا بھی ہے اس لیے اس سے بھی کوئی حکم معلوم نہ ہوگا۔

علامہ یمانی فرماتے ہیں کہ غصہ کی حالت میں کی گئی جرح پر جس چیز کا اندیشہ ہوتا ہے وہی اندیشہ محبت کی بنا پر کی گئی تعدیل کے بارے میں ہوتا ہے۔

کبھی کوئی شخص روایت حدیث میں ضعیف ہوتا ہے لیکن دین داری کے اعتبار سے صالح ہوتا ہے، (مثلاً ابان بن ابی عیاش) یا سنت کے سلسلے میں باغیرت ہوتا ہے (مثلاً مؤمل بن اسماعیل) یا فقیہ ہوتا ہے (مثلاً محمد بن ابی لیلی) جب ایسے لوگوں کی اہل علم تعریف کرتے ہیں تو روایت میں ان پر ثقاہت کا حکم لگانا مقصد نہیں ہوتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی پر جرح میں مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے تو دوسرا ردعمل کے طور پر اس کی مدح سرائی کرتا ہے جیسا کہ حماد بن سلمہ نے جب شعبہ کا کلام ابان کے بارے میں سنا تو انھوں نے کہا کہ ابان خیر من شعبة

اسی طرح جب کبھی کوئی شخص جب اپنے کسی شیخ یا امام کے متعلق کسی تنقیص کو سنتا ہے تو فرط محبت میں اپنے شیخ یا امام کی بڑی مدح سرائی کرنے لگتا ہے خصوصاً جب کہ اسے غصہ بھی آجائے۔ (قواعد فی

علوم الحدیث ص ۳۱۰، جرح وتعدیل ۲۰۴)

اس لیے باحث جب کسی کے متعلق جرح یا مدح سنے یا پڑھے تو مذکورہ حالات کو بھی پیش نظر رکھے تا کہ جرح مقبول اور جرح غیر مقبول اور مدح مقبول اور مدح غیر مقبول میں امتیاز کر سکے۔

قاعدہ نمبر (۵)

ہر وہ شخص جس کی ثقاہت وعدالت یا ضعف کے بارے میں ائمہ نقد کا اتفاق ہو مگر ایک شخص ان کی مخالفت کرتا ہے اور ان کے برخلاف حکم لگاتا ہے تو اس کا حکم شاذ ہوگا اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اس کے پاس کوئی ایسی واضح دلیل قاطع ہو جس کا استناد انھیں چیزوں پر ہو جس پر اعتماد شاہد اپنی شہادت میں کرتا ہے۔ (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل ص ۲۲)

حافظ مغرب ابن عبد البر قرطبی فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی عدالت، دیانت داری، ثقاہت اور علم ووثق واضح ہو اس کے بارے میں کسی کا قول قابل توجہ نہ ہوگا الا یہ کہ جرح پر شہادت کی طرح دلیل موجود ہو جو حقیقی مشاہدہ پر قائم ہو۔ (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل ص ۲۲ بحوالہ جامع بیان العلم وفضلہ)

حافظ محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ وہ شخص جس کی عدالت ثابت شدہ ہے اس کے بارے میں کسی کی جرح قابل قبول نہیں الا یہ کہ جارح کوئی ایسی دلیل پیش کرے جس میں کسی قسم کا کوئی احتمال نہ ہو۔ (فتح المغیث)

یہی وجہ ہے کہ ابن ابی ذئب کی طرف سے امام مالک پر کی گئی جرح کو قبول نہیں کیا گیا، اسی طرح یحییٰ بن معین کی امام شافعی کے بارے میں اور امام نسائی کی احمد بن صالح مصری کے بارے میں کی گئی جرح کو محدثین نے قبول نہیں کیا ہے اس لیے کہ امام مالک، امام شافعی اور احمد بن صالح مشہور اہل علم میں سے ہیں، جارح کی خبر ان کے بارے میں خبر غریب کی حیثیت رکھتی ہے اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو بکثرت لوگ اسے نقل کرنے والے ہوتے۔ (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل ص ۳۰)

قاعدہ نمبر(۶)

اگر جرح کی نسبت قائل کی طرف صحیح نہ ہو تو اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ابن جوزی نے ابان بن یزید عطار کے بارے میں کدیمی (محمد بن یونس بن موسیٰ) عن ابن المدینی کی سند سے سعید ابن القطان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سعید فرماتے ہیں کہ میں ابان بن یزید عطار سے روایت نہیں کرتا ہوں۔

حافظ ابن حجر اس پر فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید کے بارے میں یہ جرح معتبر نہیں ہے اس لیے کہ اس قول کی قائل کی طرف نسبت صحیح سند سے منقول نہیں ہے اس لیے کہ کدیمی ضعیف راوی ہے، بلکہ ابن معین کے واسطے سے ابن قطان کا جو قول ابان بن یزید کے بارے میں منقول ہے وہ معتبر ہے ابن قطان کا قول کان یروی عنہ ہے، عداہ ابان بن یزید (ھدی الساری ص ۵۴۷، تہذیب التہذیب ۱ / ۵۷ ضوابط الجرح والتعدیل ص ۴۹)

اسی طرح علی بن عبدالعزیز بغوی نے سلیمان بن احمد کے واسطے سے ابن مہدی کا یہ قول فرج بن فضالہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ مارأیت شامیا اثبت من فرج بن فضالہ میں نے کسی شامی کو نہیں دیکھا جو فرج بن فضالہ سے زیادہ ثقہ ہو)

اس قول پر حافظ ابن حجر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن مہدی کی فرج بن فضالہ کی توثیق سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیوں کہ یہ قول سلیمان بن احمد واسطی کے واسطہ سے منقول ہے اور سلیمان بن احمد کذاب ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳ / ۳۸۳ ضوابط الجرح والتعدیل ص ۴۹)

اس جرح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس کے متعلق غالب گمان یہ ہو کہ اس جرح کا مصدر وماخذ ضعیف ہے۔

جیسے عبدالرحمن بن شریح معافری بالاتفاق ثقہ ہے لیکن ابن سعد نے ان پر منکر الحدیث کا حکم لگایا ہے، اس پر حافظ ابن حجر نے تبصرہ کیا ہے کہ عبدالرحمن کے بارے میں ابن سعد کے قول کی طرف کوئی

التفات نہیں کیا جائے گا اس لیے ابن سعد اکثر واقدی سے نقل کرتے ہیں اور واقدی قابل اعتماد نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب ابن سعد کسی راوی پر کلام کرے تو دیکھ لیا جائے کہ وہ واقدی سے تو نقل نہیں کر رہے ہیں اگر واقدی سے نقل کرے تو احتیاط برتنی چاہیے خاص طور پر جب ابن سعد اہل عراق کے کسی راوی پر جرح کرے اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ ماخذ واقدی ہے تو نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے اس لیے کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن سعد واقدی کے نقش قدم پر چلے ہیں اور واقدی اہل مدینہ کی روش پر چلتے ہوئے اہل عراق سے منحرف تھے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۰، ۵۱)

قاعدہ نمبر (۷)

اس جرح کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جو جرح کسی مجروح سے صادر ہو ہاں اگر جارح اس فن کا امام ہو اور راوی کسی کی توثیق سے خالی ہو اور کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ جارح مجروح پر زیادتی کر رہا ہے تو پھر اس مجروح (درحقیقت اب وہ جارح ہوگا) کا قول قبول کر لیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے مقدمہ "ھدی الساری" کی نویں فصل میں صحیحین کے رجال کے بارے میں کی گئی جرح کا جواب دیتے ہوئے بارہا لکھا ہے کہ جرح کرنے والا خود مجروح ہے اس لیے اس کی جرح قابل قبول نہیں ہے مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ لا عبرة بقول الأزدي لانه هو ضعيف فكيف يعتمد في تضعيف الثقات کہ ازدی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ وہ خود ضعیف ہے تو پھر ثقات کے بارے میں ان کا قول کیوں کر معتبر ہوگا؟ (ھدی الساری ص ۴۴۴، ۴۴۵ ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۰)

اسی طرح ابو الفتح نے احمد بن شبیب حبطی کے بارے میں منکر الحدیث غیر مرضی کہا تو ابن حجر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ابو الفتح ازدی کے قول کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا

بلکہ خود ازدی غیر مرضی ہے۔ (ھدی الساری ص ۵۴۲ ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۰)

لیکن حافظ ابن حجر نے ابو الفتح کی جرح کا کبھی کبھی اعتراف بھی کیا ہے جیسے حافظ صاحب نے ابراہیم بن اسماعیل بن عبد الملک بن ابو محذورہ کے بارے میں یہ کلام نقل کیا ہے مجہول ضعفہ الازدی (تہذیب التہذیب ص ۱۰۴ ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۰)

تطبیق کی شکل یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ حافظ ابن حجر ابو الفتح ازدی کی جرح کو اس وقت قبول نہیں کرتے جب وہ صحیحین کے رجال پر جرح کرتے ہیں، ورنہ بصورت دیگر وہ ابو الفتح ازدی کی جرح کو قبول کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

قاعدہ نمبر (۸)

اگر کسی راوی کے بارے میں ائمہ متقدمین میں سے کسی امام نے توثیق کی ہو اور ائمہ متاخرین میں سے کوئی اس کی مخالفت کرے تو ایسی صورت میں امام متاخر کی بات کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک اس کی بات کی اصل اور قابل اعتبار وجہ کا علم نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ امام متقدم نے اس راوی کو بذات خود دیکھا اور اس سے معلومات حاصل کی ہے جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے غلطی کا امکان بڑھتا جاتا ہے۔

جیسے ابان بن صالح قرشی کی ابن معین، عجلی، ابن ابی شیبہ، ابوزرعہ، ابوحاتم رازی اور نسائی نے توثیق کی ہے لیکن ابن عبد البر نے ابان کو ضعیف کہا ہے اور ابن حزم نے کہا کہ ابان مشہور نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن عبد البر اور ابن حزم کی یہ بہت بڑی غفلت ہے اس لیے کہ ابان کو ان دونوں سے پہلے کسی نے ضعیف نہیں کہا ہے، ابان کے بارے میں ابن معین اور ان جیسے ائمہ متقدمین کا قول کافی ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۱)

قاعدہ نمبر (۹)

کبھی جرح نسخہ میں غلطی واقع ہونے سے بھی ہو جاتی ہے اس لیے اسے بھی دیکھ لینا چاہیے کہ

کہیں نسخہ میں کوئی غلطی تو نہیں ہوئی ہے۔

جیسے امام بخاری نے بشر بن شعیب بن ابی حمزہ حمصی کے بارے میں التاریخ الکبیر میں لکھا کہ ترکناہ حیا سنة اثنتی عشرة ومائتین کہ بشر بن شعیب ۲۱۲ھ تک زندہ تھے، اب ابن حبان کے پاس التاریخ الکبیر کا جو نسخہ تھا اس میں درمیان میں لفظ "حیا" ساقط ہو گیا تھا جس کی وجہ سے عبارت اس طرح ہو گئی ترکناہ سنة اثنتی عشرة سنة اس سقط کی وجہ سے ابن حبان نے سمجھ لیا کہ امام بخاری نے بشر کو متروک قرار دیا ہے اس لیے ابن حبان نے بشر کو ضعفا میں شمار کر لیا۔

اس بات کی وضاحت امام ذہبی نے بشر کے بارے میں اپنے اس قول کے ذریعہ کی ہے بشر صدوق، اخطأ ابن حبان فی ذکرہ فی الضعفاء اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی ہدی الساری میں اس پر تنبیہ کی ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۱)

قاعدہ نمبر (۱۰)

جس راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتا ہے تو وہ اگر کسی وصف کے ساتھ کسی راوی سے روایت کرے تو وہ راوی ثقہ ہی سمجھا جائے گا جیسے امام مالک، شعبہ، سعید القطان، عبدالرحمن بن مہدی، امام احمد، بقی بن مخلد، حریز بن عثمان، سلیمان بن حرب، شعبی وغیرہ

لیکن یہ قاعدہ، کلی نہیں ہے بلکہ اغلبی ہے اس لیے ان لوگوں کا ضعفا سے نقل کرنا بھی ثابت ہے جیسے شعبہ نے جابر جعفی، ابراہیم الہجری، محمد بن عبیداللہ عزرمی وغیرہ سے روایت کی ہے حالاں کہ یہ سب ضعفا میں سے ہیں، اسی طرح امام مالک نے عبدالکریم بن ابی المخارق سے روایت کی ہے حالاں کہ عبدالکریم ضعیف ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۷)

قاعدہ نمبر (۱۱)

کتب حدیث میں صحیحین کا درجہ سب سے بڑا ہے ائمہ کا ان کی صحت پر اجماع ہے حتی کہ ان

کتابوں کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ کہا گیا ہے۔ ان دو کتابوں میں جن رواۃ کی روایتیں لی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ رواۃ جن کی روایتیں اصول میں لی گئی ہیں۔ (۲) وہ رواۃ جن کی روایتیں متابعات اور شواہد کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔

پہلی قسم کے رواۃ کی دو قسمیں ہیں

(ا) وہ رواۃ جن پر مطلقاً جرح نہیں کی گئی ہے ایسے رواۃ تو ثقات شمار کیے جائیں گے اور ان کی احادیث قوی ہوگی اگرچہ کسی نے ان کی ثقاہت کی صراحت نہ کی ہو، اس لیے کہ شیخین یا شیخین میں سے کسی ایک کا ان کی روایت کردہ روایت کو بحیثیت استدلال پیش کرنے سے ضمناً ان کو ثقاہت حاصل ہوجاتی ہے اس لیے کہ شیخین نے صحیح روایت کو ذکر کرنے کا التزام کیا ہے اور راوی میں عدالت اور تام الضبط ہونے کی شرط لگائی ہے۔

(۲) صحیحین کے وہ رواۃ جن پر جرح کی گئی ان کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) کبھی کلام تشدد کی وجہ سے ہوتا ہے حقیقت میں جمہور نے ان کی توثیق کی ہوتی ہے ایسے رواۃ کی احادیث قوی شمار کی جائے گی۔

(ب) کبھی ان رواۃ پر کلام کمزوری اور حفظ کی وجہ سے کیا گیا ہے لیکن اس طرح کے کلام کی وجہ سے ان کی روایت حسن لذاتہ کے درجہ سے کم نہ ہوگی، اس بات کی وضاحت حافظ ابن حجرؒ کے قول سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مناسب ہے کہ حدیث صحیح کی تعریف میں کچھ اضافہ کردیا جائے

ھو الحدیث الذی یتصل اسنادہ بنقل العدل التام الضبط او القاصر عنہ اذا اعتضد عن مثلہ الی منتھاہ ولا یکون شاذا ولا معللا کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اتنی باتوں کا ہونا ضروری ہے (ا) سند متصل ہو (۲) نقل کرنے والا عادل ہوں (۳) نقل کرنے والے تام الضبط ہو اور اگر ناقص الضبط ہوں تو انھیں کے مانند رواۃ سے قوت حاصل ہوئی ہوں (۴) حدیث شاذ نہ ہو (۵) حدیث معلل نہ ہو۔

حافظ صاحب نے صحیح کی تعریف میں او القاصر عنه اذا اعتضد عن مثله کا اضافہ کر دیا یہ اضافہ اسی وجہ سے کیا گیا کہ صحیحین کے بہت سے رواۃ وہ ہے جب تک ان کی روایت کے ساتھ متابعات وشواہد کو نہ جوڑا جائے تب تک ان کی روایت صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۳)

دوسری قسم

صحیحین کے وہ رواۃ جن کی روایتیں شواہد، متابعات اور تعالیق کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔
یہ ایسے رواۃ ہیں جن کے ضبط وغیرہ کے اعتبار سے درجات متفاوت ہیں اگر ان رواۃ پر کسی امام کی طرف سے جرح کی گئی ہو تو وہ جرح امام بخاری وامام مسلم کی تعدیل کے متعارض ہوگی اور جب جرح وتعدیل میں تعارض ہوجائے تو جرح اسی وقت قبول کی جائے گی جب کہ وہ مفسر ہو یعنی اس جرح کے ساتھ کوئی ایسا سبب بیان کیا گیا جو حقیقۃً اس راوی کی عدالت میں عیب پیدا کردے۔ اس لیے اسباب جرح کبھی قادح ہوتے ہیں اور کبھی قادح نہیں ہوتے ہیں۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۳)

لہٰذا اگر کسی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل میں تعارض ہوجائے تو یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ وہ راوی صحیحین کا ہے یا نہیں ہے اگر صحیحین کا ہو تو یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اس کی روایت اصول میں ہے یا متابعات اور شواہد میں ہے پھر مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے۔

قاعدہ نمبر (۱۲)

الفاظ جرح وتعدیل کے استعمال میں ائمہ جرح وتعدیل کی اصطلاحات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جیسے یحییٰ بن معین کسی راوی کے بارے میں کہے فلاں لا بأس به تو اس مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ ثقہ ہے اگر کوئی دوسرا آدمی لا بأس به کہے تو اس سے راوی کی حدیث حسن درجہ کی ہوگی اور یحییٰ بن معین لا بأس به

کہے تو اس کی حدیث صحیح درجہ کی ہوگی۔

اسی طرح یحیی بن معین اگر کسی راوی کے بارے میں فلاں لیس بشئی کہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راوی کی مرویات بہت تھوڑی ہیں۔

اگر کوئی دوسرا امام لیس بشئی کہے تو اس سے راوی کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہی لفظ یحیی بن معین کے نزدیک راوی کے قلیل الروایت ہونے کی طرف مشیر ہوتا ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۴)

اس لیے ائمہ جرح وتعدیل کے الفاظ جرح وتعدیل کے استعمال کرنے میں کیا طریقہ کار ہے اسے بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ آئندہ مختلف ائمہ جرح وتعدیل کی خاص اصطلاحات کو بیان کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر (۱۳)

کبھی لفظ کے ضبط کے اختلاف کی وجہ سے جرح وتعدیل کے اعتبار سے لفظ کی دلالت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ جیسے راوی کے بارے میں جرح کے لیے لفظ مودٍ استعمال کیا جاتا ہے اگر یہ لفظ مخفف ہو تو ھالک کے معنی دیتا ہے یا ودی یودی ایداءا سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی ھالک کے آتے ہیں۔ اور اگر یہی لفظ مشدد (مُوَدٍّ) پڑھا جائے اس کے معنی حسن اداء (روایت کے ادا کرنے اور سنانے میں بہتر) کے آتے ہیں۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۴)

اس لیے ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو جانچتے وقت ان کے صحیح تلفظ کے جاننے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

قاعدہ نمبر (۱۴)

ائمہ جرح وتعدیل کی طرف سے کی گئی توثیق اور تضعیف کبھی مقید ہوتی ہے۔ اس طرح کے طرز عمل سے راوی کی علی الاطلاق تضعیف یا توثیق کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے، اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) مثلاً ایک شخص ایک شہر یا ایک اقلیم میں ثقہ ہوتا ہے اور وہی راوی دوسرے شہر یا دوسرے اقلیم میں ضعیف ہوتا ہے، وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شہر میں اس نے اس طرح احادیث بیان کی کہ اس کے پاس کتاب نہیں تھی اس نے اپنی یادداشت کے مطابق احادیث بیان کی جس کی وجہ سے معاملہ خلط ملط ہو گیا اور جب وہی راوی دوسرے شہر یا اقلیم میں گیا تو کتاب ساتھ موجود تھی جس کی وجہ سے اس نے احادیث کو محفوظ طریقہ سے روایت کیا یا ایسا ہوتا ہے کہ ایک جگہ اس نے کسی شیخ سے احادیث سنی تو وہ اسے محفوظ نہ رکھ سکا اور کسی دوسرے شہر میں جا کر احادیث سنی تو ان احادیث کو اس نے محفوظ کر لیا۔

مثالیں : معمر بن راشد ازدی کی بصرہ میں روایت کی گئی احادیث میں بہت زیادہ اضطراب ہوتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ بصرہ میں ان کے پاس اپنی کتابیں موجود نہیں تھیں اور یمن میں روایت کردہ ان کی احادیث جید اور قابل اعتبار ہوتی ہے۔

یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی سے سنا کہ عبدالرحمن بن ابی الزناد کی عراق میں روایت کردہ روایتوں میں ان کی تضعیف کی جاتی ہے اور مدینہ میں روایت کردہ روایتوں میں ان کی توثیق کی جاتی ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق کی سفیان سے مکہ میں سنی ہوئی روایتوں میں بہت زیادہ اضطراب ہے اور یمن میں جو احادیث سنی وہ سب صحیح احادیث ہیں۔

اسماعیل بن عیاش حمصی اگر شامیوں سے روایت کرے تو ان کی احادیث جید ہوتی ہے اور شامیوں کے علاوہ دیگر لوگوں سے روایت کرے تو ان روایتوں میں اضطراب ہوتا ہے۔

فرج بن فضالہ حمصی کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ جب فرج شامیوں سے روایت کرے تو ان کی روایتیں درست ہوتی ہیں اور جب یحیی بن سعید انصاری سے روایت کرے تو ان میں اضطراب ہوتا ہے۔

(۲) ایک راوی کسی شخص سے روایت کرتا ہے تو ثقہ ہوتا ہے لیکن جب وہی اگر کسی دوسرے شیخ سے

روایت کرتا ہے تو ضعیف ہوتا ہے، یہ اس لیے ہوتا ہے کہ راوی فی نفسہ ثقہ ہوتا ہے لیکن بعض شیوخ سے روایت کرنے میں غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس شیخ سے روایت کرنے میں ضعیف ہو جاتا ہے باقی شیوخ سے روایت کرنے میں وہ اپنی حالت پر ثقہ ہوتا ہے۔

جیسے جریر بن حازم بصری یہ ثقہ راوی ہیں لیکن جب قتادہ سے روایت کرتے ہیں تو ضعیف ہوتے ہیں۔ اسی طرح بقول امام احمد کہ جعفر بن برقان الجزری فی نفسہ ثقہ ہیں لیکن جب زہری سے روایت کرتے ہیں تو ان کی تضعیف کی جاتی ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۵، ۵۶)

اس خاص موضوع سے متعلق صالح بن حامد الرفاعی نے "الثقات الذین ضعفوا فی بعض شیوخھم" نامی کتاب تالیف کی ہے۔

(۳) کچھ راوی ایسے ہیں جن کی روایتیں بعض حالات میں صحیح اور بعض حالات میں ضعیف ہوتی ہیں مثلاً وہ رواۃ جو آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے یا کسی عارضہ کی وجہ سے سوء حفظ کے شکار ہو گئے تھے۔

جیسے صالح بن نبھان مولی التوامہ سے جن لوگوں نے ابتدا میں سنا (جیسے محمد بن ابی ذئب) ان کا سماع درست ہے اور جن لوگوں نے آخری عمر میں اختلاط کے بعد سنا (جیسے سفیان ثوری) تو ان کے سماع کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اور جیسے سعید بن ایاس جریری سے اختلاط سے پہلے سفیان ثوری، ابن علیہ، بشر بن المفضل نے سنا اس لیے ان لوگوں سے مروی سعید کی روایات درست ہوں گی اور یزید بن ہارون نے اختلاط کے بعد سنا ہے اس لیے یزید بن ہارون کی سند سے سعید کی روایات درست نہ ہوں گی۔

(۴) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی جب کتاب سے روایت کرتا ہے تو ثقہ ہوتا ہے اور جب حفظ سے روایت کرتا ہے تو ضعیف ہوتا ہے، مثلاً یونس بن یزید ایلی کے بارے میں ابوزرعہ کا قول ہے کہ یہ کتاب سے روایت کرنے میں ثقہ تھے لیکن جب حفظ سے روایت کرنے لگے تو ضعفا میں شمار کیے جانے لگے۔

اسی طرح سوید بن سعید الحدثانی کے بارے میں ابوزرعہ کا قول ہے کہ جہاں تک ان کی

کتابوں کی بات ہے تو وہ سب درست اور صحیح ہیں، میں ان کے اصل کو تلاش کرتا تھا اور ان میں سے لکھا کرتا تھا لیکن جب وہ اپنے حفظ سے ان احادیث کو نقل کریں تو ان کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے (ضوابط الجرح والتعدیل ازص ۵۴ تا ص ۵۸)

اس لیے باحث کو چاہیے کہ وہ اس مذکورہ بالا اصول کو بھی تحقیق حدیث کے وقت یاد رکھے۔

قاعدہ نمبر (۱۵)

کبھی ائمہ جرح وتعدیل ایک راوی کو ثقہ اور دوسرے کو ضعیف کہتے ہیں جس سے ان کا مقصد قطعی حکم لگانا نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسرے کے مقابلہ میں حکم لگانا مقصد ہوتا ہے۔ مثلاً امام دارمی نے جب یحیی بن معین سے علاء بن عبدالرحمن اور سعید مقبری کے بارے میں سوال کیا کہ دونوں میں کون بہتر ہے تو یحیی بن معین نے کہا کہ سعید اوثق ہے اور علاء بن عبدالرحمن ضعیف ہے یعنی سعید کی بہ نسبت علاء ضعیف ہیں۔

اسی طرح محمد بن ابراہیم بن ابی عدی اور ازھر بن سعد سمان دونوں ثقہ ہیں ان دونوں کے بارے میں امام احمد کا قول ہے ابن ابی عدی احب الی من ازھر کہ ابن عدی ازھر کے مقابلہ میں میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اس قول سے ازھر کی تضعیف مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ ابن عدی ازھر کے مقابلہ میں اوثق ہیں۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۵۸)

اس قاعدہ کی وجہ سے باحث پر ضروری ہے کہ وہ ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو نقل کرتے وقت الفاظ جرح وتعدیل کے سیاق وسباق اور قرائن کو بھی ملحوظ رکھے۔

قاعدہ نمبر (۱۶)

اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ متقدمین کبھی ثقہ اور صدوق دونوں کے لیے ثقہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کبھی راوی پر حکم لگاتے ہوئے دونوں الفاظ کو ملا کر ثقہ صدوق کہتے ہیں، حالاں کہ

ثقہ کی حدیث کو صحیح شمار کی جاتی ہے اور صدوق کی روایت حسن شمار کی جاتی ہے۔ اس بات کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ متقدمین کے یہاں حدیث کی دو ہی قسمیں تھیں صحیح اور ضعیف اس لیے وہ ثقہ اور صدوق کو ایک قرار دیتے تھے اور اس کے مقابلہ میں ضعیف استعمال کرتے تھے جب کہ متاخرین کے نزدیک تین قسمیں ہیں صحیح، حسن، ضعیف، ثقہ کی روایت کو صحیح، صدوق کی روایت کو حسن اور ضعیف کی روایت کو ضعیف کہتے تھے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص۵۵)

اس قاعدہ کے پیش نظر باحث پر ضروری ہے کہ جب کوئی امام کسی راوی پر صدوق کا اطلاق کریں تو یہ دیکھ لے کہ صدوق سے صدوق ہی مراد ہے یا ثقہ مراد ہے اس کے بعد راوی کے متعلق کوئی فیصلہ کرے۔

قاعدہ نمبر (۱۷)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک راوی کسی فن میں اپنی محنت اور مجاہدہ کی وجہ سے امامت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور اس فن میں اس کی بات حجت ہوتی ہے لیکن فن حدیث میں اس کی حدیث قابل احتجاج نہیں ہوتی بلکہ کبھی اس کی روایت درجہ اعتبار سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

جیسے عاصم بن ابی النجود مقری کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ عاصم فن قرآت میں ثقہ اور ثبت ہے لیکن فن حدیث میں صدوق ہے، ابوزرعہ اور ایک جماعت نے عاصم کی توثیق کی ہے اور ابوحاتم نے عاصم کے بارے میں محلہ الصدق کہا ہے یعنی ان کی روایت حسن درجہ کی ہے دارقطنی نے کہا کہ فی حفظہ شیٔ یعنی حدیث کی روایت میں ان کا حافظہ قوی نہیں تھا۔

اسی طرح حفص بن سلیمان علم قرآت میں امام وحجت تھے لیکن فن حدیث میں واہی تھے برخلاف اعمش حدیث میں ثبت وثقہ تھے لیکن قرآت میں کمزور تھے۔

اسی طرح محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے امام المغازی، صدوق یدلس ورمی بالتشیع والقدر محمد بن اسحاق سیر ومغازی کے امام تھے لیکن حدیث کی

روایت میں صدوق اور مدلس تھے ان پر تشیع اور قدری ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ امام بخاری نے محمد بن اسحاق کی روایت کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے محمد بن اسحاق کی روایت کی تخریج بطور متابعت کر کی ہے اور احادیث احکام کے بارے میں ان کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ سماع کی صراحت کر دے اور اپنے سے زیادہ اوثق کی مخالفت نہ کرے، حدیث کی روایت میں ان کا یہ حال ہے حالاں کہ یہ مغازی کے امام شمار کئے جاتے ہیں۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۶۰)

الفاظ جرح کا جائزہ لیتے وقت باحث کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کو بھی پیش نظر رکھے۔

قاعدہ نمبر (۱۸)

الفاظ جرح وتعدیل کے نقل کرنے کے بارے میں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ متقدمین کی اصل کتابوں سے ہی الفاظ جرح وتعدیل نقل کئے جائیں اس لئے کہ کبھی متاخرین اختصار اور روایت بالمعنی سے کام لیتے ہیں جس کی وجہ سے کبھی غلطی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

جیسے ابو حاتم نے شہر بن حوشب کے بارے میں اپنی کتاب " الجرح والتعدیل " میں یہ لکھا ہے

شهر بن حوشب احب الي من ابي هارون العبدي ومن بشر بن حرب وليس بدون ابي الزبير لا يحتج بحديثه

امام ذہبی نے اس عبارت کا اپنی کتاب میزان الاعتدال میں اس طرح اختصار کیا قال ابو حاتم ليس بدون ابي الزبير۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۶۱)

اس طرح اختصار کرنے کی وجہ سے بات واضح نہیں ہوری ہے اس لیے باحث کو چاہیے کہ اصل کتابوں کی طرف بھی مراجعت کرے۔

قاعدہ نمبر (۱۹)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متاخرین میں سے کوئی کسی راوی کے بارے میں متقدمین کے کلام پر مطلع

نہیں ہوتا تو اس کے پاس اس راوی کے متعلق جتنا علم ہوتا ہے اسی کو بیان کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ راوی متاخرین کے نزدیک صدوق یا ضعیف ہو جاتا ہے حالاں کہ متقدمین سے اس کی ثقاہت منقول ہوتی ہے اس لیے متقدمین کی کتابوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جیسے عبداللہ بن ابی سلیمان اموی مولاہم کے بارے میں عثمان بن سعید دارمی نے ابن معین سے توثیق نقل کی ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عبداللہ بن ابی سلیمان کے بارے میں ابوحاتم کا قول " شیخ " نقل کیا اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے عبداللہ بن ابی سلیمان کو اپنی کتاب " کتاب الثقات " میں ذکر کیا ہے پھر حافظ صاحب نے تقریب التہذیب میں عبداللہ بن ابی سلیمان کے بارے میں صدوق ہونے کا فیصلہ کیا، اگر ابن معین کی توثیق کا ابن حجر کو علم ہوتا تو وہ ضرور عبداللہ کی توثیق کر دیتے۔

اسی طرح زہیر بن جنادہ ہجری کے بارے میں ابن الجنید نے ابن معین سے توثیق نقل کی ہے، حافظ ابن حجر نے جب زہیر کا تہذیب التہذیب میں ترجمہ نقل کیا تو ابوحاتم کا قول نقل کیا شیخ لیس بالمشہور اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے زہیر کو " کتاب الثقات " میں ذکر کیا ہے اور حاکم نے بھی زہیر کو ثقہ کہا ہے پھر تقریب میں فیصلہ کیا کہ زہیر مقبول ہے اگر ابن معین کی توثیق کا علم ہو جاتا تو وہ زہیر کو ثقہ قرار دیتے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۶۲)

قاعدہ نمبر (۲۰)

متقدمین کے بارے میں جس ضبط و اتقان کی شرط لگائی گئی ہے متاخرین رواۃ میں اس طرح کا ضبط و اتقان کا ہونا ضروری نہیں ہے، اب صرف صحیح اور مشہور کتابوں سے سند مسلسل کے ساتھ روایت کر دینا کافی شمار کیا جائے گا، حافظ ذہبی نے متقدمین اور متاخرین کے درمیان فاصلہ ۳۰۰ھ کو قرار دیا ہے، یعنی سن ۳۰۰ھ سے پہلے وفات پا چکے وہ متقدمین اور بعد والے متاخرین شمار کیے جائیں گے۔

(ضوابط الجرح والتعدیل ص ۶۲)

قاعدہ نمبر(۲۱)

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جرح کے جتنے بھی اصول ہیں یہ سب غیر صحابی کے لیے ہیں اس لیے کہ سارے صحابہ بلاتفصیل وتفریق عادل ہیں ان کی عدالت امر مسلم ہے، کتاب وسنت اور اجماع امت اس کی دلیل ہے اس لیے جب بھی کسی راوی کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ یہ صحابی رسول ہیں چاہے ان کا نام ونسب معلوم ہو یا نہ ہو، صحابی کا علم ہوتے ہی سارے اصول معطل ہوجائیں گے اسی لیے یہ مشہور مقولہ ہے کہ جهالة الصحابة لا تضر

قاعدہ نمبر(۲۲)

چونکہ جرح ایک شرعی ضرورت کی بنا پر کی جاتی ہے اس لیے الضرورة تتقدر بقدر الضرورة کے قاعدہ کے مطابق اسے ضرورت کی حد تک ہی استعمال کرنا چاہیے بہت زیادہ مبالغہ آرائی اور غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے، امام سخاوی فرماتے ہیں کہ لا یجوز التجریح بشیئین اذا حصل بواحد یعنی اگر کسی ایک سبب سے جرح ثابت ہوجائے تو دوسرا سبب ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح جو لوگ کتابوں سے جرح یا تعدیل نقل کرتے ہیں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ اگر کسی راوی کے بارے میں جرح نقل کر رہے ہیں اور اس راوی کی تعدیل بھی کی گئی ہے تو تعدیل بھی ضرور نقل کریں تا کہ قاری یہ نہ سمجھے کہ اس راوی کے بارے میں صرف جرح ہی وارد ہے، تعدیل وارد نہیں ہے۔

اسی وجہ سے علامہ ذہبی نے ابن الجوزی کی کتاب "الموضوعات الکبری" پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یسرد الجرح ویسکت عن التعدیل کہ وہ جرح تو بیان کرتے ہیں لیکن تعدیل کے ذکر سے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یعد امن عیوب کتابہ یذکر طعن الراوی ولا یذکر من وثقہ۔

ابن الجوزی کی کتاب کا یہ ایک عیب ہے وہ راوی کے بارے میں جرح تو ذکر کر دیتے ہیں لیکن راوی کی عدالت و توثیق کے اقوال نقل نہیں کرتے۔ (میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، جرح وتعدیل ص ۱۹۹)

قاعدہ نمبر (۲۳)

کسی راوی کے بارے میں آخری فیصلہ کرنے سے قبل راوی کے سلسلے میں ہر قسم کی شہادت اور اس کی زندگی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لینی چاہیے، نیز اس کے بارے میں منقول اقوال پر ایک تنقیدی نظر ڈال لینی چاہیے اور جب یقین ہو جائے کہ ناقد جو کہہ رہا ہے وہی پہلو راجح ہے تب ہی اس راوی پر کوئی حکم صادر کرنا چاہیے۔ (تدریب الراوی، جرح وتعدیل ص ۲۰۴)

قاعدہ نمبر (۲۴)

ہر وہ جرح جو بطور مذاق صادر ہو اس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ عفان بن مسلم، علی بن مدینی اور ابوبکر بن ابی شیبہ ایک جگہ بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے دوران گفتگو عفان بن مسلم نے کہا کہ ثلاثة يضعفون في ثلاثة علي بن المديني في حماد بن زيد واحمد في ابراهيم بن سعد وابن ابي شيبة في شريك تین افراد تین افراد سے روایت میں ضعیف ہیں علی بن مدینی حماد بن زید سے روایت کرنے میں، احمد، ابراہیم بن سعد سے روایت کرنے میں اور ابن ابی شیبہ، شریک سے روایت کرنے ضعیف ہیں تو عفان کی یہ بات سن کر علی بن المدینی نے فرمایا وعفان في شعبة اور عفان، شعبہ سے روایت کرنے میں ضعیف ہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے بطور مذاق ایک دوسرے پر اس طرح کلام کیا تھا اور یہ اس لئے کہا تھا کہ یہ لوگ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے مذکورین (حماد بن زید، ابراہیم بن سعد اور شریک) سے کم سنی میں روایت کیا تھا۔ (جرح وتعدیل ص ۲۰۵ بحوالہ میزان الاعتدال)

قاعدہ نمبر (۲۵)

جرح میں ایسے اسباب کا سہارا لینا جو مجروح کرنے کے لیے کافی نہ ہوں تو ان سے جرح ثابت نہ ہوگی مثلاً بعض راویوں پر اس لیے جرح کی گئی کہ وہ بادشاہوں اور امرا کی مجالس میں شریک ہوتے تھے، علی بن عامر پر اس لیے جرح کی گئی کہ وہ چھوٹے بڑے ہر ایک سے روایت کرتے تھے حالاں کہ اپنے سے چھوٹے آدمی سے روایت کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

حکم بن عتبہ سے دریافت کیا گیا کہ زاذان سے کیوں روایت نہیں کرتے؟ تو فرمانے لگے کان کثیر الکلام یعنی وہ بہت زیادہ بولتے ہیں۔

اس جیسی دیگر بہت سے مثالیں موجود ہیں کہ جب محدث سے کسی کی جرح کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس طرح کی بچکانہ سی دلیل بیان کی، ظاہر ہے کہ اس طرح کے اسباب راوی کو مجروح کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتے اس لیے باحث کو چاہیے کسی راوی کے متعلق جرح کا علم ہو تو سبب بھی دیکھ لیا کرے تا کہ کسی ایسے کمزور سبب سے راوی کو مجروح کرنا لازم نہ آئے جو درحقیقت جرح کا سبب نہ بن سکتا ہو۔ (جرح والتعدیل حذف واضافہ کے ساتھ ص ۲۰۸)

قاعدہ نمبر (۲۶)

محدثین کا قول هذا حديث صحيح الاسناد یا هذا حديث حسن الاسناد یہ ان کے قول هذا حديث صحيح اور هذا حديث حسن سے کم درجہ کا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بہت سی مرتبہ هذا حديث صحيح الاسناد کہا جاتا ہے لیکن متن حدیث صحیح نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ حدیث شاذ یا معلل ہوتی ہے۔

ہاں اگر کوئی قابل اعتماد محدث اپنے قول "صحیح الاسناد" پر اکتفا کرے اور حدیث کے بارے میں کسی علت قادحہ کا ذکر نہ کرے تو ظاہر بھی ہے کہ وہ حدیث فی نفسہ بھی صحیح ہوگی اس لئے کہ حدیث میں علت قادحہ کا نہ ہونا ہی اصل ہے جیسا کہ حافظ ابن صلاح نے مقدمہ میں ص ۴۳ پر ذکر کیا

ہے۔

زین عراقی فرماتے ہیں کہ اسی طرح اگر کوئی قابل اعتماد محدث کسی حدیث کے بارے میں اپنے قول "حسن الاسناد" پر اکتفا کرلے اور اس کے بعد حدیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگانے سے سکوت اختیار کرے تو اس حدیث پر حسن ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ (الرفع والتکمیل ص ۱۸۷/۱۸۸/۱۸۹)

قاعدہ نمبر (۲۷)

اگر احکام کے موضوع سے متعلق کسی کتاب میں کسی حدیث کے بارے میں لا یصح یا لا یثبت ھذا الحدیث کہا گیا ہو تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث احکام میں قابل استدلال نہیں ہے، اس سے حدیث کا باطل یا موضوع ہونا لازم نہ آئے گا۔

اور اگر موضوع احادیث سے متعلق کسی کتاب میں مذکورہ دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کا اطلاق کسی حدیث کے بارے میں کیا گیا ہو تو اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ یہ حدیث باطل یا موضوع ہے۔ اس پر دلیل کے طور پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع لعلی القاری اور قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی کی تعلیقات میں بکثرت مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ (حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۱۹۴)

قاعدہ نمبر (۲۸)

اگر ائمہ جرح وتعدیل کسی راوی کی توثیق وتضعیف سے سکوت اختیار کریں تو ان کا سکوت اختیار کرنا اس راوی کی توثیق پر دلالت کرے گا۔ (حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۲۳، ۲۴۶)

قاعدہ نمبر (۲۹)

جب ثقہ راوی کسی ایسے راوی سے روایت کرے جو معروف بالضعف ہو تو ثقہ سے اس سے

روایت کرنے کی وجہ سے اس ضعیف راوی کو کسی قسم کی تقویت حاصل نہ ہوگی۔ اور اگر ثقہ راوی کسی مجہول سے روایت کرے تو اس مجہول کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ (حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۲۳)

قاعدہ نمبر (۳۰)

امام ابو حاتم رازی کا کسی راوی کو مجہول قرار دینا اس وقت تک حجت نہیں ہوگا جب تک دیگر ائمۂ جرح و تعدیل ان کو موافقت نہ کریں۔ اس لئے کہ امام ابو حاتم رازی نے بہت سے ایسے رواۃ کی تجہیل کی ہیں جو در حقیقت معروف و ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حکم بن عبد اللہ کے بارے میں ابن ابی حاتم نے اپنے والد ابو حاتم سے مجہول کا قول نقل کیا ہے حالاں کہ حکم بن عبد اللہ مجہول نہیں ہے اس لئے کہ حکم بن عبد اللہ سے نقل کرنے والے چار ثقہ راوی ہیں اور امام ذہلی نے حکم بن عبد اللہ کی توثیق کی ہے۔

اس طرح اور بھی چند مثالیں ہیں جو الرفع والتکمیل ص ۲۵۴ پر نقل کی گئی ہیں۔

قاعدہ نمبر (۳۱)

میزان الاعتدال میں بہت سے رواۃ کے بارے میں ابن القطان کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے لا یعرف لہ حال یا لم تثبت عدالتہ اس قول سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ راوی مجہول ہے یا ثقہ نہیں ہے۔ یہ ابن القطان کی خاص اصطلاح ہے جس میں کسی نے ان کی موافقت نہیں کی ہے۔ ابن القطان یہ دو الفاظ ان رواۃ کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جن کے بارے میں ان رواۃ کے معاصرین نے کوئی ایسی بات نقل نہیں کی ہوتی ہے جو ان کی عدالت پر دلالت کرے۔ اس طرح کے رواۃ صحیحین میں بھی بکثرت ہیں جن کی نہ کسی نے تضعیف کی ہیں اور نہ وہ مجہول ہیں۔ جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن رواۃ سے ایک جماعت نقل کریں اور ان سے کوئی منکر روایت منقول نہ ہو تو ان کی احادیث صحیح شمار کی جائے گی۔ (الرفع والتکمیل ص ۲۵۶ تا ۲۶۰)

نوٹ : ابن القطان سے مراد ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک الفاسی مشہور بہ ابن القطان (م:۶۲۸) مؤلف کتاب الوھم والایھام ہیں۔

قاعدہ نمبر (۳۲)

اگر میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور دیگر کتابوں میں کسی راوی کے متعلق یہ نقل کیا جائے کہ "ترکہ یحیی القطان" تو وہ راوی قابل احتجاج ہونے سے خارج نہ ہوگا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابو سعید یحیی بن سعید القطان (م ۱۹۸) بقول علی المدینی متشدد تھے۔ خاص طور پر اپنے معاصرین کے بارے میں ان کا تشدد مشہور ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یحیی بن سعید کسی راوی کو اس کے متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے ترک نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ کسی راوی کو دیکھتے کہ وہ اپنے حافظہ سے کبھی ایک بات نقل کرتا ہے اور کبھی اسی حدیث میں کچھ تقدیم وتاخیر کر دیتا ہے اور ایک الفاظ پر باقی نہیں رہتا تو وہ اس سے روایت لینا ترک کر دیتے تھے۔ (الرفع والتکمیل ص ۲۶۹، ۲۶۱)

قاعدہ نمبر (۳۳)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یحیی بن معین اور دیگر ائمہ جرح وتعدیل کی طرف سے ایک ہی راوی کے بارے میں مختلف ومتعارض اقوال منقول ہوتے ہیں۔ کبھی وہ جرح کرتے ہیں اور کبھی توثیق کرتے ہیں۔ جیسے بکر بن خنیس کوفی کے بارے میں یحیی بن معین سے تین اقوال منقول ہیں (۱) لیس بشئی (۲) ضعیف (۳) شیخ صالح لا بأس بہ

اس تعارض کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہے۔

(۱) راوی کی جس وقت جس طرح کی روایت نظر آئی اس کے مطابق حکم جاری کیا ہو۔ جیسے ایسا ہوسکتا ہے کہ یحیی بن معین کے سامنے بکر بن خنیس کی کسی وقت ایسی روایت پیش کی گئی جو یحیی بن معین کے نزدیک درست ہوگی تو انھوں نے بکر پر شیخ صالح لا بأس بہ کا حکم لگایا۔ کبھی بکر کی ایسی روایت پیش کی گئی ہوگی

جو واہی اور منکر ہوگی جس کی وجہ سے یحییٰ بن معین نے بکر پر لیس بشئی کا حکم لگایا۔ کبھی بکر کی ایسی روایت پیش کی گئی ہوگی جس میں ثقات کی مخالفت کی گئی ہوگی جس کی وجہ سے یحییٰ بن معین نے ضعیف کا حکم لگایا۔

(۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی فی نفسہ ثقہ ہوتا ہے، اس لئے اس کی توثیق کی جاتی ہے لیکن کسی خاص شیخ سے نقل کرنے میں ضعیف ہوتا ہے اس لئے اس کی تضعیف کی جاتی ہے اور اس کے بارے میں دو قول ہو جاتے ہیں۔

(۳) کبھی راوی فی نفسہ ثقہ ہوتا ہے تو اس کی توثیق کی جاتی ہے لیکن اپنے کسی معاصر کے مقابلہ میں ضعیف ہوتا ہے تو اس کی اس معاصر کے مقابلہ میں تضعیف کردی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے بارے میں دو قول ہو جاتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۳۴)

چند محدثین احادیث اور احادیث کے رواۃ پر جرح کرنے میں متشدد تھے جنھوں نے جلد بازی میں راوی میں معمولی عیب یا حدیث کے صحیح حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے احادیث پر وضع یا ضعف کا حکم لگادیا۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ابن الجوزی مؤلف کتاب الموضوعات، العلل المتناهية فی الاحاديث الواهية

(۲) عمر بن بدر الموصلی مؤلف رسالة فی الموضوعات یہ رسالہ ابن الجوزی کی الموضوعات کی تلخیص ہے۔

یہ رسالہ "المغنی عن الحفظ والکتاب فیما لم یصح فیه شئی من الاحادیث" کے نام سے مطبوع ہے۔

(۳) رضی الدین الحسن بن محمد صاغانی ان کے موضوع احادیث کے بارے میں دو رسالے ہیں۔

(۴) الحسین بن ابراہیم جوزقانی مؤلف کتاب الاباطیل

(۵) شیخ ابن تیمیہ حرانی مؤلف منهاج السنہ

(۶) مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی مؤلف قاموس المحیط اور سفر السعادۃ وغیرہ محدثین جنھوں نے بہت سی صحیح احادیث پر ضعف یا وضع کا حکم لگا دیا ہے اور معمولی ضعیف احادیث پر وضع کا حکم لگا دیا ہے۔ اس لئے باحث پر ضروری ہے کہ ایسے متشددین کے احادیث پر کئے گئے کلام کو بغیر تحقیق و تتبع کے قبول نہ کرے۔ (الرفع والتکمیل ص ۳۲۰ تا ۳۳۱)

قاعدہ نمبر (۳۵)

کتب اسمائے رجال میں بہت سے رواۃ پر مرجئہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے جیسے فلان مرجئی رمی بالا رجاء فیہ رجاء وغیرہ، کبھی ارجا کی حقیقت سے ناواقف باحث راوی کو فرقۂ ضالہ سے تعلق رکھنے والا سمجھ لیتا ہے حالاں کہ واقعۃً وہ ایسا راوی نہیں ہوتا ہے۔ دراصل ارجا کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ گروہ ہے جو مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور دونوں جماعتوں میں سے کسی کی تصویب نہیں کرتے ہیں گویا وہ مشاجرات صحابہ میں تصویب احدی الطائفتین کو مؤخر کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ورع و تقویٰ کی بات ہے اس جماعت اور گروہ کو مرجئہ اہل سنت کہا جاتا ہے۔

(۲) دوسرا وہ گروہ جو یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت مضر نہیں۔ اگر ایمان موجود ہے تو آدمی نافرمانی کے باوجود جنت میں داخل ہوجائے گا۔ اس اعتقاد رکھنے والے گروہ کو فرقۂ ضالہ میں شمار کیا گیا۔

باحث کو چاہیے کہ جب کسی راوی کے بارے میں مرجئہ ہونے کا کلام دیکھے تو اس بات کی تحقیق کرلے کہ اس راوی کا تعلق مرجئہ اہل سنت سے تھا یا مرجئہ ضالہ سے تھا۔ (الرفع والتکمیل ص ۳۵۲)

الفاظ جرح وتعدیل کی بحث وتحقیق کے وقت ان سب اصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

جرح وتعدیل کے لیے مستعمل الفاظ کے معانی

جب باحث اسماء الرجال پر لکھی گئی کتابوں کی مراجعت کرے گا تو اس کے سامنے جرح وتعدیل کے لیے مستعمل الفاظ آئیں گے۔ ائمہ جرح وتعدیل نے رواۃ پر جرح یا ان کی تعدیل وتوثیق کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ تو وہ ہے جو بہت زیادہ متداول اور کثیر الاستعمال ہیں، پھر یہ متداول جو الفاظ ہیں ان میں سے بعض عام ہیں جو سب کے نزدیک ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور بعض الفاظ وہ ہیں جو بعض ائمہ کی اپنی خاص اصطلاح ہیں، جنھیں مخصوص اصطلاحات کہا جاسکتا ہے۔ الفاظ جرح وتعدیل کی دوسری قسم وہ ہے جو نادر ہے کبھی کبھی خاص مواقع پر ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ائمہ جرح وتعدیل کسی راوی کی جرح یا عدالت، الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے اشارات اور حرکات کے ذریعہ ظاہر کیا کرتے تھے، اب یہاں پانچوں طریقوں کے الفاظ جرح وتعدیل "ضوابط الجرح والتعدیل" کتاب سے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کیے جائیں گے۔

(۱) تعدیل پر دلالت کرنے والے عام الفاظ (۲) جرح پر دلالت کرنے والے عام الفاظ (۳) مخصوص اصطلاحات (۴) نادر کلمات (۵) حرکات

نوٹ: الفاظ جرح وتعدیل اور ان کے مدلولات کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل دو کتابیں بہت زیادہ مفید ہیں۔

(۱) معجم الفاظ الجرح والتعدیل

تالیف: سید عبد الماجد الغوری

(۲) کتاب السلسبیل فی شرح الفاظ وعبارات الجرح والتعدیل

تالیف: خلیل بن محمد عربی (م:۱۴۲۸ھ)

(۱) تعدیل پر دلالت کرنے والے عام الفاظ

(۱) ثقہ : لفظ ثقہ سے اس راوی کے عادل اور ضابط ہونے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کبھی کبھی اس لفظ کا اطلاق اس راوی پر بھی ہو جاتا ہے جو مقبول و عادل تو ہوتا ہے لیکن ضابط نہیں ہوتا ہے۔

(۲) ثقۃ ثقۃ

لفظ ثقہ کو مکرر لانے کے ذریعے اس راوی کی توثیق کو مؤکد طریقہ سے بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جتنی زیادہ تکرار ہوگی راوی کی ثقاہت کا مرتبہ اتنا ہی بلند ہوگا جیسے ابن سعد نے شعبہ کے بارے میں ان کی ثقاہت کے بلند مرتبہ ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ ثقۃ مامون ثبت حجۃ صاحب حدیث

سب سے زیادہ تکرار کے ساتھ لفظ ثقہ ابن عیینہ نے عمرو بن دینار کے بارے میں کہا، انھوں نے نو مرتبہ ثقۃ ثقۃ ثقۃ۔۔۔ کہا اور سانس ٹوٹ جانے کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

(۳) کأنہ مصحف : اس لفظ سے راوی کے حفظ و اتقان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۴) حافظ ضابط : ان دونوں الفاظ کے ذریعہ راوی کی توثیق اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ ان کے ساتھ لفظ عادل یا عدل کا اضافہ کر دیا جائے اس لیے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی راوی حافظ و ضابط ہو لیکن عادل نہ ہو اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ راوی عادل ہو لیکن حافظ و ضابط نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راوی حافظ و ضابط ہونے کے ساتھ ساتھ عادل بھی ہو۔

(۵) حجۃ : لفظ ثقہ سے زیادہ قوی شمار کیا جاتا ہے جیسے آجری نے ابوداؤد سے سلیمان بن بنت شرحبیل کے بارے میں دریافت کیا تو ابوداؤد نے کہ ثقۃ یخطیئ کما یخطیئ الناس آجری فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ھل ھو حجۃ؟ تو امام ابوداؤد نے فرمایا الحجۃ احمد بن حنبل اس سے معلوم ہوا کہ حجہ کا لفظ، لفظ ثقہ سے بڑھا ہوا ہے، اسی طرح عثمان بن ابی شیبہ کا احمد بن عبداللہ بن یونس کے بارے

میں یہ قول ہے ثقة ولیس بحجة اسی طرح محمد بن اسحاق کے بارے میں ابن معین کا یہ قول ہے ثقة ولیس بحجة اس سے معلوم ہوا کہ حجۃ لفظ ثقہ سے قوی تر ہے۔

(۶) صدوق : یہ لفظ صدق کے معنی میں مبالغہ کے معنی بیان کرنے کے لیے ہے، اس لفظ سے راوی کے ثقہ سے کم درجہ ہونے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جیسے اس فن کے امام عبدالرحمن بن مہدی نے حدیث کی روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ ہم سے ابوخلدہ نے بیان کیا، عبدالرحمن سے دریافت کیا گیا کہ کیا ابو خلدہ ثقہ ہیں، تو عبدالرحمن نے فرمایا کہ ابوخلدہ صدوق، مامون اور خیر ہیں ثقہ تو شعبہ اور سفیان ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدوق کا لفظ ثقہ سے کم درجہ راوی پر بولا جاتا ہے۔

(۷) محله الصدق : اس لفظ سے راوی کے مطلق صادق ہونے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۸) مقارب الحدیث : (مقارب راء کے کسرہ کے ساتھ) اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس راوی کی روایات دیگر ثقات کی روایات کے قریب قریب ہوتی ہے، اور اگر راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے لوگوں کی روایات اس کی روایت کے قریب قریب ہیں یعنی دونوں قول (بکسر الراء و فتح الراء) کے مطابق اس کی احادیث نہ شاذ ہیں اور نہ منکر ہیں۔

(۹) ثبت : (باء کے سکون کے ساتھ) اس لفظ کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصد ہوتا ہے کہ یہ راوی ثابت القلب واللسان والکتاب اور حجت ہیں۔

(۱۰) لا بأس به، لیس به بأس : یہ دونوں لفظ صدوق کے مرتبہ پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱۱) فلان ما اعلم به بأساً : ابن صلاح کے قول کے مطابق یہ کسی راوی کی تعدیل میں لا بأس سے کم درجہ کا لفظ ہے اور عراقی فرماتے ہیں کہ ارجو انه لا بأس به کا درجہ ما اعلم به بأساً کے برابر ہے یا

پہلا لفظ (لو حواتہ لا بأس بہ) ما اعلم بہ بأسا کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہے اس لیے کہ علم نہ ہونے سے بہتر ہونے کی امید کا ہونا ضروری نہیں ہے برخلاف لو حواتہ لا بأس بہ میں بہتر ہونے کی امید ظاہر ہو رہی ہے۔

(۱۲) صالح، صالح الحدیث: حافظ ابن حجر نے ذکر کیا کہ ائمہ جرح وتعدیل کی عادت جاری ہے کہ جب مطلق صالح کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے راوی کی دیانت داری مراد لیتے ہیں اور جب حدیث میں اس کی صلاحیت وقابلیت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو صالح کے ساتھ الحدیث کو مقید کر کے صالح الحدیث لکھتے ہیں۔

(۱۳) الی الصدق ماھو: اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ راوی صداقت سے دور نہیں ہے بلکہ قریب ہے۔

(۱۴) شیخ: ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ تعدیل کا تیسرا مرتبہ ہے، جس کے متعلق شیخ کہا گیا ہو اس کی روایت قابل کتابت اور قابل نظر ہوگی۔

ابو الحسن ابن القطان فرماتے ہیں کہ ابو حاتم سے عبد الحمید بن محمود کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ابو حاتم نے عبد الحمید کے متعلق " شیخ " کہا، اس لفظ سے ابو حاتم نے عبد الحمید کی تضعیف نہیں کی بلکہ اس بات کی خبر دی کہ عبد الحمید بڑے علما میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ ایسے شیخ ہیں جن کی روایتیں قبول کی گئی ہیں۔

لیکن حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ ابو حاتم کے نزدیک لفظ شیخ نہ تو جرح کی عبارت ہے اور نہ توثیق کی عبارت ہے، استقرا سے معلوم ہوا ہے کہ شیخ کے معنی ان کے نزدیک لیس بحجۃ کے ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل از ص ۱۱۳ تا ۱۱۸)

جرح پر دلالت کرنے والے عام الفاظ

(۱) لیس بقوی: اس لفظ سے مطلقاً قوت کی نفی کرنا مقصود ہوتا ہے اگر چہ راوی میں ضعف ثابت

شا ہو اور لیس بالقوی کے ذریعہ قوۃ کے کامل درجہ کی نفی مقصود ہوتی ہے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ رواۃ کی ایک جماعت کے بارے میں لیس بالقوی کہا گیا ہے اور ان کی روایات سے استدلال واحتجاج بھی کیا گیا ہے۔ امام نسائی ہی کو لے لیجیے انھوں نے رواۃ کی ایک جماعت کے بارے میں لیس بالقوی کہا ہے اور ان رواۃ کی مرویات کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، استقراء سے معلوم ہوا ہے کہ جب ابو حاتم کسی راوی کے بارے میں لیس بالقوی کہتے ہیں تو اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ یہ راوی قوی ثبت کے درجہ پر پہنچا ہوا نہیں ہے۔

(۲) للضعف ماهو : اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ راوی ضعف سے دور نہیں ہے بلکہ قریب ہے۔

(۳) تغیر باخرۃ : اس لفظ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راوی کا حافظہ اور قوت ضبط آخر عمر میں مختل ہو گئی تھی، یہ لفظ مختلف طریقہ سے کتابوں میں ملتا ہے (۱) تغیر بآخرہ الف مدہ اور آخر میں ھا کے ساتھ (۲) تغیر بآخرۃ الف مدہ خاء کے کسرہ اور گول تاء کے ساتھ (۳) تغیر باخرۃ ہمزہ مفتوحہ خاء مفتوحہ اور آخر میں گول تاء کے ساتھ۔

(۴) تعرف وتنکر : یہ لفظ واحد مذکر حاضر اور واحد مذکر غائب (یعرف وینکر) دونوں طرح کتابوں میں ملتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راوی کبھی مشہور ومعروف روایتیں پیش کرتا ہے اور کبھی غیر معروف روایتیں پیش کرتا ہے، ایسے رواۃ کی احادیث ثقات کی احادیث کے ساتھ موازنہ کی محتاج ہوتی ہیں ایسے لوگوں کی روایات کو مطلقا ترک کر دیا جاتا نہیں ہے۔ (دراسات فی الجرح والتعدیل ص ۲۷۵)

(۵) تر کوہ : اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل نے اس راوی پر طعن کیا ہے اور اسے مجروح قرار دیا ہے۔

(۲) روی مناکیر : یعنی یہ راوی منکر احادیث کو روایت کرتا ہے اس لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس راوی کی تمام مرویات مردود ہیں، اس کی تمام روایات کے مردود نہ ہونے کی چند وجوہات ہیں۔

(۱) یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وصف اس راوی کی تمام مرویات کے ساتھ لازم نہیں ہے۔

ابن دقیق العید کا قول ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل کا قول "روی مناکیر" راوی کی تمام مرویات کے ترک کر دینے کا تقاضا نہیں کرتا ہے ہاں اگر اس راوی کی مرویات میں منکر روایتوں کی کثرت ہو جائے اور اس راوی پر منکر الحدیث کا اطلاق کیا جانے لگے تو اس کی روایات مردود ہو جائے گی اس لیے کہ منکر الحدیث ہونا یہ راوی کا وصف ہے جو اس کی احادیث کے ترک کئے جانے کا تقاضا کرتا ہے برخلاف "روی مناکیر" یہ تمام روایات کے ہمیشہ ترک کا تقاضا نہیں کرتا ہے۔ (یہ ابن دقیق العید کا خاص قول ہے اس کی وضاحت آئندہ ہوگی)

(۲) امام احمد نے محمد بن ابراہیم تیمی کے بارے میں "یروی احادیث مناکیر" کا جملہ کہا ہے اس جملہ سے ان کی مرویات کا مردود ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ اس لیے کہ محمد بن ابراہیم بخاری ومسلم کے راوی ہیں اور حدیث انما الاعمال بالنیات کے مرجع ہیں، خاص طور پر امام احمد کے نزدیک تو ان کی روایات مردود نہیں ہیں، اس لیے کہ امام احمد اور ایک جماعت منکر کا اطلاق اس حدیث پر کرتے ہیں جس کی روایت میں راوی منفرد ہو اور اس کا کوئی متابع نہ ہو۔

(۳) یہ لفظ کبھی ایسے ثقہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو ضعفا سے منکر روایتیں روایت کرے جیسے حاکم نے دار قطنی سے سلیمان بن بنت شرحبیل کے بارے میں دریافت کیا تو دار قطنی نے جواب دیا کہ وہ ثقہ ہیں۔ حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کیا ان کے پاس منکر روایتیں نہیں ہیں؟ اس پر دار قطنی نے جواب دیا کہ وہ منکر روایات ضعفا سے نقل کرتے ہیں ورنہ بذات خود وہ ثقہ ہیں۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۱۱۸ تا ۱۲۰)

(۷) منکر الحدیث: منکر الحدیث کا مدلول ذکر کرنے سے پہلے منکر کی مختلف تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) منکر وہ حدیث ہے جسے ضعیف راوی ثقہ کے خلاف روایت کرے یعنی اگر کسی حدیث کو روایت کرنے میں ضعیف سے ثقہ کا اختلاف ہو جائے کہ ضعیف راوی ایک طرح روایت کرے اور ثقہ راوی دوسری طرح، خواہ یہ اختلاف سند میں ہو یا متن میں، خواہ زیادتی کے اعتبار سے ہو یا کمی کے اعتبار سے تو ضعیف کی روایت جو مرجوح ہے اسے منکر کہتے ہیں۔

(۲) منکر وہ حدیث ہے جس کو اضعف ضعیف کے خلاف روایت کرے یعنی اگر کسی حدیث کی روایت میں دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہو اور ایک زیادہ ضعیف ہو اور دوسرا کم ضعیف ہو تو زیادہ ضعف والے کی روایت کو منکر کہا جاتا ہے۔

(۳) وہ حدیث مردود ہے جس میں کوئی ایسا راوی ہو جس کی غلطیاں فاحش یا غفلت بکثرت یا فسق ظاہر ہو، یہ تعریف ان لوگوں کی رائے کے مطابق ہے جو منکر میں مخالفت کی قید نہیں لگاتے ہیں۔ (نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر)

تنبیہ: یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب لفظ منکر کے ذریعہ حدیث کی صفت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس طرح کہا جاتا ہے ھذا حدیث منکر اور جب لفظ منکر سے راوی کی صفت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس طرح کہا جاتا ہے ھو منکر الحدیث یا روی المناکیر۔

اب لفظ منکر الحدیث کا مدلول بیان کیا جاتا ہے۔

امام احمدؒ لفظ منکر الحدیث کا اطلاق ایسے راوی پر کرتے ہیں جو ایسی احادیث بیان کرے جو غیر معروف ہوں وہ اس لفظ کے ذریعہ راوی کی تضعیف نہیں کرتے ہیں، اسی طرح امام احمد ایسے راوی کے متعلق یہ لفظ استعمال کرتے ہیں لہ احادیث مناکیر اس سے مراد وہ ان احادیث کو لیتے ہیں جن کی روایت میں وہ راوی منفرد ہوتا ہے گویا امام احمد منکر کے لغوی معنی مراد لیتے ہیں، یعنی غیر معروف۔

امام بخاریؒ کسی راوی کے بارے میں منکر الحدیث کہے تو یہ جرح شدید ہو جاتی ہے ان کے یہاں ایسے راوی سے روایت کرنا درست نہیں ہوتا ہے۔

(۳) سخاوی کے عراقی سے نقل کردہ قول کے مطابق منکر الحدیث یا یروی المناکیر کا لفظ بعض محدثین کے نزدیک راوی کے روایت کرنے میں تفرد کو بتلانے کے لیے ہے۔

(۴) جب کوئی راوی بعض روایات منکر بیان کرے تو اس پر منکر الحدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(۵) جب کوئی ثقہ ضعفا سے مناکیر روایت کرے تو اس پر بھی منکر الحدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ امام دارقطنی کے حوالے سے پہلے بات بیان کی گئی۔ (کشف المغیث فی شرح مقدمۃ الحدیث ص ۱۵۷، ۱۵۸)

یہ بات بھی یاد رہے کہ ابن دقیق العید کے نزدیک فلان یروی المناکیر اور منکر الحدیث کے درمیان فرق ہے، ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ کسی راوی کے متعلق روی مناکیر یا یروی مناکیر کا لفظ اس کی تمام مرویات کو مردود قرار دینے کا تقاضا نہیں کرتا ہے ہاں اگر اس سے بکثرت منکر روایتیں مروی ہوں یہاں تک کہ اس پر منکر الحدیث کا اطلاق کیا جانے لگے تو پھر وہ راوی مستحق ترک ہوگا۔ ابن دقیق العید کی دوسری عبارت یہ ہے کہ کسی راوی کے متعلق روی مناکیر کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہ لفظ ہمیشہ اس کی روایات کے ترک کا تقاضا نہیں کرے گا اس دوسری عبارت کے مطابق ابن دقیق العید اور امام احمد قول کے درمیان تطبیق ہو جائے گی، اس لیے کہ امام احمد کے قول کے مطابق ایسے آدمی کی تمام روایتیں متروک نہیں ہوتی ہے۔ (کشف المغیث اضافہ کے ساتھ ص ۱۵۸)

ابن دقیق العید کے علاوہ علما کے نزدیک منکر الحدیث، روی مناکیر، یروی مناکیر ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں، ابن دقیق العید نے دونوں کے درمیان فرق کیا ہے اس لیے یہاں دونوں کو الگ الگ بیان کیا گیا، علما کے نزدیک تینوں الفاظ کے متحد المعنی ہونے کی وجہ سے یہاں اقوال کی نقل

میں تکرار ہوگئی۔ اور اگر لفظ منکر کو حدیث کی صفت بنا کر "حدیث منکر" کہا جائے تو اس سے کبھی حدیث پر وضع کا حکم لگانا مقصود ہوتا ہے، شیخ عبدالفتاح نے المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۲۰ میں اس کی متعدد مثالیں دی ہیں۔

(۸) واہ بمرۃ : اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ راوی انتہائی درجہ کا ضعیف ہے، جس کی روایت اعتبار کے لائق نہیں ہے اور اس راوی کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف یہی ایک قول ہے اور اس میں کوئی تردد نہیں ہے۔

(۹) لیس بثقۃ ولا مأمون : اس لفظ کے ذریعہ راوی پر شدید جرح کی جاتی ہے، جب کسی راوی کے بارے میں لیس بثقۃ کہا جائے تو اس سے جرح شدید مراد ہوتی ہے لیکن اگر کسی دوسرے معنی میں استعمال کا کوئی قرینہ ہو تو پھر اس دوسرے معنی پر محمول کردیا جائے۔

(۱۰) یسرق الحدیث : راوی کے متعلق یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی حدیث کی روایت کرنے میں متفرد ہو اور کوئی راوی اس بات کا (غلط) دعوی کردے کہ وہ شیخ سے اس حدیث کے سماع اور اس سے روایت کرنے میں اس متفرد راوی کا شریک ہے، حالاں کہ حقیقت میں اس نے وہ حدیث شیخ سے سنی نہ ہو یا حدیث کسی ایک راوی کے روایت کرنے سے مشہور و معروف ہو اور وہ راوی خود اپنے طبقہ کے کسی آدمی کو اس روایت کی روایت میں اپنے ساتھ شریک کرے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے کی وجہ سے حدیث کے وضع کرنے کے گناہ سے کم گناہ ہوگا۔

(۱۱) متروک : یعنی وہ راوی جسے اور جس کی روایات کو چھوڑ دیا گیا ہو۔

احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ راوی کی احادیث اس وقت تک ترک نہیں کی جائے گی جب تک کہ تمام ائمہ جرح وتعدیل اس کی احادیث کے ترک کرنے پر متفق نہ ہوجائے۔

ابن مہدی فرماتے ہیں کہ شعبہ سے دریافت کیا گیا کہ کس کی احادیث کو ترک کردیا جائے؟ امام

شعبہ نے جواب دیا کہ جب راوی معروف ومشہور لوگوں سے غیر معروف اور غیر مشہور روایات بکثرت روایت کرنے لگے اس وقت اس کی احادیث کو ترک کردیا جائے اور جب راوی بکثرت غلطیوں کا ارتکاب کرنے لگے تو اس کی احادیث کو ترک کردیا جائے اور جب راوی متہم بالکذب ہو تو اس کی مرویات کو ترک کردیا جائے اور جب وہ کوئی ایسی غلط روایت بیان کرے کہ جس کے غلط ہونے پر علما متفق ہوں اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو متہم نہ سمجھے تو اس کی روایات کو ترک کردیا جائے، ان کے علاوہ جو روا ۃ ہیں ان سے روایت کرو۔

علمائے جرح وتعدیل کے کسی راوی کے متعلق یہ لفظ ترکہ فلان کے استعمال کرنے سے اس راوی کا مطلقاً متروک ہونا لازم نہیں آتا، کیوں کہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ اس امام نے اس راوی کو کسی ایسے سبب سے چھوڑ دیا ہو جو جرح کا سبب بننے کے قابل نہ ہو، یا اس وجہ سے کہ یہ عبارت کبھی متروک کے اصطلاحی معنی کے سوا دوسرے معنی میں استعمال ہوتی ہے، جیسا کہ علی بن المدینی نے عطاء بن ابی رباح کے متعلق فرمایا کہ کان عطاء اختلط باخرۃ ترکہ ابن جریج وقیس بن سعد یہاں "ترکہ" کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ خاص سبب سے چھوڑنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۲) متہم بالکذب: یہ لفظ کسی راوی پر دو وجہ سے بولا جاتا ہے۔

(۱) جب کوئی راوی ایسی روایت کے روایت کرنے میں متفرد ہو جو روایت دین کی اصولی باتوں اور عام قواعد کے مخالف ہو اور سند میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا متہم نہ ہو۔

(۲) جب راوی اپنی عام بول چال میں دروغ گوئی کا عادی ہو، حدیث نبوی ﷺ اس سے کبھی دروغ گوئی کا ظہور نہ ہوا ہو۔

(۱۳) کذاب: اس لفظ کا اطلاق اس آدمی پر ہوتا ہے جس نے حدیث نبوی ﷺ میں دروغ گوئی سے کام لیا ہو اور کسی بات کی آپ ﷺ کی طرف غلط نسبت کردی ہو۔

اس لفظ کا دوسرے معنی پر بھی اطلاق ہوتا ہے چنانچہ ابن الوزیر نے الروض الباسم میں لکھا

ہے کہ فن جرح وتعدیل کی ایک لطیف بات یہ ہے کہ بہت سے متشددین لفظ کذاب کا اطلاق ایسے راوی پر بھی کرتے ہیں جو حدیث کی روایت کرنے میں وہم اور خطا کا شکار ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے عمداً غلطی نہ کی ہو اور نہ یہ بات واضح ہوئی ہو کہ اس کی غلطیاں درستگی سے بڑھی ہوئی یا غلطیاں اور درست باتیں برابر ہیں۔ ابن الوزیر کی یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لفظ کذاب ان مطلق الفاظ میں سے ہے جس کا سبب بیان نہ کیا گیا ہو اسی وجہ سے بہت سے اہل صدق وامانت ثقات کی جماعت پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس لیے اس لفظ کے کسی بارے میں استعمال ہونے سے دھوکہ کھا کر اس کی روایات کو موضوع نہیں قرار دینا چاہیے بلکہ مکمل تحقیق کے بعد کوئی فیصلہ کرنا چاہیے کذب کا لفظ لغوی معنی کے اعتبار سے وہم اور خطا پر بھی بولا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب کسی راوی کے بارے میں کتب جرح وتعدیل میں کذاب کا اطلاق کیا جائے تو تحقیق کر لی جائے کہ اس سے کذب کے پہلے معنی مراد ہے یا دوسرے معنی مراد ہے۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔

(۱۴) فلان اوثق منه، لیس مثل فلان، فلان احب الی منه

ان الفاظ کے ذریعہ نسبتی تضعیف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے مدمقابل کی مطلقاً تضعیف مراد نہیں ہوتی ہے۔ برخلاف ضعیف وغیرہ اوثق منہ کا لفظ یہ راوی پر جرح سے کنایہ ہے اس لیے کہ اس لفظ میں ایک غیر متعین راوی اور موجودہ راوی کے درمیان فرق کیا جاتا ہے اور اس غیر متعین راوی کی اس متعین راوی پر فضیلت ظاہر کی جاتی ہے۔ اس طرح تمام رواۃ کے اس سے بڑھے ہوئے ہونے سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ جب تمام رواۃ اس سے بڑھے ہوئے ہوں گے تو یہ راوی ان کے مقابلہ میں ضعیف ہو جائے گا۔

(۱۵) مجہول العین

اس راوی کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کیا ہو اور کسی نے اس کی توثیق

نہ کہ ہو ہر چند کہ اس کے نام کی صراحت کردی گئی ہو۔

مجہول العین کی حدیث کا حکم

اس میں متعدد اقوال ہیں

(۱) مبہم کی حدیث کی طرح مجہول العین کی حدیث بھی نامقبول ہے لیکن اگر اس سے روایت کرنے والا یا اس کے علاوہ کوئی اس کی توثیق کردے تو اصح قول کے مطابق اس کی حدیث مقبول ہوگی بشرطیکہ دونوں توثیق کے اہل ہوں یہ رائے ابوالحسن بن القطان کی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

(۲) جمہور علما کے نزدیک مجہول العین کی روایت مطلقاً نامقبول ہے۔

(۳) بعض لوگوں کے نزدیک مطلقاً مقبول ہے۔

(۴) بعض لوگوں نے کہا کہ اگر اس سے تنہا روایت کرنے والا ایسا ہو کہ وہ صرف عادل سے روایت کرتا ہو جیسے یحیی بن سعید اور ابن مہدیؒ وغیرہ تو اس کی حدیث مقبول ہوگی ورنہ مردود ہوگی۔

(۵) ابن البرکا قول ہے کہ اگر وہ شخص علم کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً زہد اور سخاوت وغیرہ میں مشہور ہو تو اس کی حدیث مقبول ہوگی ورنہ تو نہیں۔ (تدریب الراوی / ۲۶۹)

(۶) حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کی روایت میں توقف کیا جائے جب تک کہ اس کی حالت ظاہر نہ ہو جائے۔ امام الحرمین نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے۔

(۱۶) مجہول الحال

مجہول الحال سے مراد وہ شخص ہے جس کے نام کی صراحت کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ عادل لوگوں نے اس سے روایت کی ہو مگر کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو بقول حافظ ابن حجرؒ یہ مستور کہلاتا ہے۔

حافظ ابن صلاح، علامہ عراقی اور علامہ نووی وغیرہ نے مجہول الحال کی دو قسمیں کی ہیں۔

(۱) مجهول العدالة في الظاهر والباطن معا۔ عدالت ظاہرہ سے مراد وہ عدالت ہے جو ظاہر حال

سے معلوم ہو اور عدالت باطنہ سے مراد وہ عدالت ہے جس کے لیے ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کی ضرورت پڑتی ہو۔

(۲) مجهول العدالة في الباطن دون الظاهر اور انہوں نے صرف دوسری قسم کا نام مستور رکھا ہے حافظ ابن حجرؒ کے یہاں ہر دو قسم مستور کہلاتی ہے۔

مجہول الحال کی حدیث کا حکم

اس میں متعدد اقوال ہیں

(۱) ایک جماعت نے مجہول الحال کی روایت کو مطلقاً قبول کیا ہے ان میں حافظ ابن حبانؒ کا شمار ہوتا ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک مجہول الحال کی روایت مقبول نہیں ہے۔

(۳) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ خیر القرون کا ہو تو اس کی حدیث مقبول ہے ورنہ تو مردود ہے۔

(۴) بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر اس سے روایت کرنے والے ایسے ہوں جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہوں تو مقبول ہے ورنہ مقبول نہیں۔

(۵) تحقیقی بات جس پر امام الحرمینؒ نے اعتماد کیا ہے یہ ہے کہ مجہول الحال کی روایت کے بارے میں توقف کیا جائے گا جب تک کہ اس کی حالت یعنی عدالت وغیرہ ظاہر نہ ہوجائے پھر جیسی حالت ظاہر ہوگی اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا حالت کے ظاہر ہونے سے پہلے اس کی روایت نہ مقبول ہوگی اور نہ مردود ہوگی۔ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص ۱۳۹ شرح شرح نزھۃ النظر لعلی القاری)

جہالت عین اکثر اہل علم کے نزدیک دو یا دو سے زیادہ ثقہ راویوں کے روایت کرنے سے ختم ہوجاتی ہے۔ البتہ جہالت حال کسی محدث کی توثیق سے ہی ختم ہوسکتی ہے۔ علامہ ابن رشید فرماتے ہیں لافرق فی

جهالة الحال بين رواية واحد واثنين مالم يصرح الواحد او غيره بعدالته نعم كثرة رواية الثقات عن الشخص تقوي حسن الظن فيه جہالت حال میں ایک یا دو راوی کی روایت سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے

جب تک کہ کسی نے اس کی عدالت کی تصریح نہ کی ہو ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ راویوں کی کثرت سے اس کے بارے میں حسن ظن قائم ہوجاتا ہے۔(فتح المغیث ۱/ ۲۹۷ بحوالہ جرح وتعدیل ص ۱۴۷)

امام دارقطنی کے نزدیک جہالت حال بھی دو یا دو سے زائد ثقہ راویوں کی روایت سے ختم ہوجاتی ہے۔(الرفع والتکمیل ص ۲۲۸)

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کسی شخص کو کسی امام نے مجہول کہہ دیا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ سب کے یہاں مجہول ہی ہو اس لیے کہ مجہول وہی ہوسکتا ہے جس کی کسی نے توثیق نہ کی ہو مثلاً حکم بن عبداللہ بصری کو ابو حاتم نے مجہول کہا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہ مجہول نہیں ہے کیوں کہ ان سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام ذہبیؒ نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ (ھدی الساری ۳۹۷ جرح وتعدیل ص ۱۴۷)

نوٹ : جرح وتعدیل کے عام الفاظ "ضوابط الجرح والتعدیل" سے نقل کیے گئے۔ صرف منکر الحدیث فتح المغیث سے نقل کیا گیا ہے، جن رواۃ پر ان الفاظ کا اطلاق ہوں ان کی احادیث کس درجہ کی ہوگی اس کا بیان آئندہ ہوگا۔

الفاظ جرح وتعدیل اور ان کے مدلولات کے لئے سید عبدالماجد غوری صاحب کی کتاب "معجم الفاظ الجرح والتعدیل" انتہائی مفید ہے۔

(۳) مخصوص اصطلاحات

جرح وتعدیل کے جو کلمات گذرے ہیں یہ عام استعمال کے اعتبار سے ہیں، اس کے برخلاف کچھ ایسے مخصوص کلمات ہیں جو عام قاعدے کے برخلاف مخصوص مرتبہ پر دلالت کرتے ہیں اور یہ صاحب قول کی خصوصی مصطلحات ہیں، صاحب قول نے اس سے کیا مراد لیا ہے، جب یہ واضح ہوجائے تب ان کلمات سے مراتب کی تعیین ہوسکتی ہے، لہذا ان کلمات اور اصطلاحات کا جاننا بھی ضروری ہے، وہ کلمات یہ ہیں۔

امام بخاری کی خاص اصطلاحات

(۱) منکر الحدیث

یہ لفظ امام بخاریؒ نے جرح شدید کے لئے استعمال کیا ہے جس کی جانب انھوں نے خود اشارہ فرمایا ہے کہ جب میں کسی راوی کے بارے میں "منکر الحدیث" کہتا ہوں تو اس سے روایت کرنا درست نہیں ہوتا ہے۔

ظاہر یہی ہے کہ امام بخاریؒ یہ لفظ ایسے راوی کے متعلق استعمال کرتے ہیں جو ہمیشہ ثقات کی مخالفت کرتا ہے اور کبھی موافقت نہیں کرتا، نیز وہ راوی عدالت وضبط کے اعتبار سے بھی متکلم فیہ ہوتا ہے۔ ایسے راوی کا کوئی متابع نہیں ہوتا ہے۔

(۲) فیہ نظر

ظاہری معنی ومفہوم سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس پر کچھ کلام ہے اور راوی مشتبہ ہے حالاں کہ یہ مقصد نہیں بلکہ جب امام بخاریؒ کسی راوی کے بارے میں فیہ نظر کہتے ہیں تو اس سے مراد ان کے نزدیک متروک ہوتا ہے، جو جرح کا بدترین درجہ ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ انہ ادنی المنازل عندہ وار دأھا

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہے کہ امام بخاریؒ کسی راوی پر "فیہ نظر " کا اطلاق عموماً اس وقت کرتے ہیں جب وہ متہم بالکذب ہو۔ امام بخاریؒ خود فرماتے ہے کہ اذاقلت فلان فی حدیثہ نظر فھو متھم واہ ۔

کچھ محققین کا خیال ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ عموماً ایسا ہوتا ہے، کبھی اس کے برعکس بھی ہوا ہے کہ وہ راوی جرح کے اس درجہ میں نہیں ہوتا۔

(۳) سکتوا عنہ

اس کلمہ کو امام بخاری اکثر وبیشتر استعمال کرتے ہیں اور اس کا جو ظاہری معنی سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں نے اس راوی کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہا بلکہ جرح وتعدیل کے اعتبار سے سکوت اختیار کیا ہے ایسی صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جرح کا ادنی مرتبہ ہے۔

لیکن حقیقت میں امام بخاری کے یہاں یہ مراد نہیں ہے بلکہ جب وہ کسی کے بارے میں سکتوا عنہ کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ متروک ہے جو جرح کا چوتھا مرتبہ ہے، بلکہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ امام بخاریؒ کے نزدیک جرح کا سب سے بدترین مرتبہ ہے۔

اور امام ذہبیؒ فرماتے ہے کہ استقراء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ترکوا کے معنی میں ہے۔

امام سخاویؒ فرماتے ہے کہ اکثر وبیشتر امام بخاریؒ نے اس سے متروک مراد لیا ہے۔

(۴) لیس بالقوی

ظاہری اعتبار سے یہ لفظ راوی کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

حافظ ذہبی الموقظة میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کسی راوی پر لیس بالقوی فرما کر اس کے ضعیف ہونے کو مراد لیتے ہیں۔

ایسے راوی کی روایت اعتبار کی غرض سے لکھی جاسکتی ہے، اگر اس کی حدیث کی ثقات موافقت کردیں تو اس کی حدیث صحیح شمار ہوگی ورنہ منکر ومردود ہوگی۔ (تیسیر علوم الحدیث ص ۱۷۸)

(۵) مقارب الحدیث

یہ لفظ معنی اصلی کے اعتبار سے الفاظ تعدیل میں سے ہے، لیکن "ثقہ" سے کم درجہ کا ہے۔

امام بخاریؒ نے اس لفظ کا اطلاق عبداللہ بن محمد بن عقیل کے بارے میں کیا ہے اور ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۶) فی حدیثہ عجائب

اس لفظ میں راوی کی تلیین کا احتمال موجود ہوتا ہے لیکن ایسے راوی کے بارے میں جرح مفسر ہی قبول کی جائے گی، ظاہر یہی ہے کہ امام بخاریؒ اس لفظ کا اطلاق ایسے راوی پر کرتے ہیں جس کی مرویات میں انوکھی احادیث پائی جاتی ہے۔

جیسے امام بخاریؒ نے سعید بن جمہان کے بارے میں لکھا ہے "فی حدیثه عجائب" حالاں کہ سعید کی امام احمدؒ وغیرہ نے توثیق کی ہے اور امام احمدؒ نے سعید سے مروی سفینہ کی روایت "الخلافة ثلاثون سنة" کی تصحیح کی ہے۔

امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلا (۱۰/ ۳۳۴) میں لکھا ہے کہ ابوبکر جعابی کا قول "عنده عجائب" اس لفظ میں راوی کی تلیین کا احتمال ہے، پس جرح مفسر ہی قبول کی جائے گی۔ (تیسیر علوم الحدیث ص ۱۶۷)

امام یحییٰ بن معینؒ کی خاص اصطلاحات

(۱) یکتب حدیثه

یہ کلمہ عام قاعدہ کے اعتبار سے تعدیل کے آخری مرتبہ پر دلالت کرتا ہے، لیکن جب امام یحییٰ بن معینؒ کسی کے بارے میں یکتب حدیثه فرماتے ہیں تو اس سے وہ قابل تحمل ضعف مراد لیتے ہیں۔

ابن عدیؒ نے "الکامل" (۱/ ۲۴۲) میں ابن معین کا قول نقل کیا ہے ابراہیم بن ہارون لیس به بأس یکتب حدیثه

ابن عدی تحریر فرماتے ہیں کہ ابن معین کے قول یکتب حدیثه کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی من جملہ ان ضعفا میں سے ہے جن کی روایات لکھی جاتی ہے۔ (یعنی ضعف قابل تحمل ہے)

(۲) ثقة

یہ لفظ عام استعمال کے اعتبار سے تعدیل کے ساتھ خاص ہے لیکن یحییٰ بن معین کبھی اس لفظ کا اطلاق ایسے راوی پر کرتے ہیں جو عادل تو ہوتا ہے لیکن ضابط نہیں ہوتا اور وہ راوی من جملہ ضعفا میں شمار

کیا جاتا ہے۔

اسی وجہ سے باحث کے لئے ضروری ہے کہ امام یحییٰ بن معین کے کسی راوی کے بارے میں اقوال کی تحقیق کرلے خاص طور پر جب کہ دیگر اکثر ائمہ نے راوی پر جرح کی ہو اور ابن معین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہو۔ (تیسیر علوم الحدیث ص ۱۸)

(۳) لیس بہ بأس

جب یحییٰ بن معین کسی راوی کے بارے میں لیس بہ بأس یا (لا بأس بہ) کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ راوی ثقہ ہے۔

چناں چہ ابن ابی خیثمہ نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ آپ کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ "فلاں لیس بہ بأس" اور "فلاں ضعیف" تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ تو یحییٰ بن معین نے جواب دیا کہ جب میں کسی کے بارے میں "لیس بہ بأس" کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ثقہ ہے، یہی اصطلاح ابن المدینی، احمد بن حنبل، دحیم، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، یعقوب بن سفیان وغیرہ کی بھی ہے۔ (الرفع ص ۲۲، ۲۲۳)

(۴) لا اعرفہ

جب یحییٰ بن معین کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ لا اعرفہ تو اس سے ان کا مقصد راوی پر جہالت کا حکم لگانا نہیں ہوتا ہے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کی روایتیں ان کو معلوم نہیں، چناں چہ جب عبدالخالق بن منصور نے ابن معین سے حاجب بن ولید کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ لا اعرفہ واما احادیثہ فصحیحۃ (جرح و تعدیل ص ۲۳۲ بحوالہ تاریخ بغداد ۸ / ۲۷۱)

ابن عدی فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یحییٰ بن معین کے پاس راوی کی احادیث کے بارے میں معلومات نہیں ہوتی تھی تو فرماتے تھے لا اعرفہ (جرح و تعدیل ص ۲۳۲ بحوالہ دراسات ص ۲۵۸)

امام احمد بن حنبلؒ کی خاص اصطلاحات

(۱) ھو کذا و کذا

امام احمد بن حنبل اس لفظ کے ذریعہ راوی کے لیّن ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔
حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال (۴/ ۴۸۳) میں یونس بن اسحاق کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن احمد کا قول ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے یونس بن ابو اسحاق کے بارے میں دریافت کیا تو امام احمد نے جواب دیا ھو کذا و کذا
حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد نے اپنے والد سے اس لفظ کو بکثرت نقل کیا ہے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد اس لفظ کے ذریعہ راوی کے لیّن ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (تیسیر علوم الحدیث ص ۱۸۲ / الرفع والتکمیل ص ۲۲۳، ۲۲۴)

امام ابو حاتم رازی کی خاص اصطلاحات

(۱) یکتب حدیثہ

امام ابو حاتم اس لفظ کا اطلاق ایسے راوی پر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک حجت نہیں ہوتا ہے۔

(۲) شیخ

امام ابو حاتم اس لفظ کا اطلاق ایسے راوی پر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک حجت نہیں ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم رازی کی خاص اصطلاحات

ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل ۱ / ۳۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ الفاظ جرح وتعدیل کے مختلف درجات ومراتب ہیں۔

(۱) جب کسی راوی کے بارے میں کہا جائے ثقہ یا متقن ثبت تو اس کی روایات قابل احتجاج ہوگی۔

(۲) جب کسی راوی کے بارے میں کہا جائے صدوق یا محلہ الصدق یا لا بأس بہ تو اس کی روایات قابل کتابت ہوگی اور اس کے بارے میں مزید غور وخوض کیا جائے گا۔ یہ تعدیل کا دوسرا مرتبہ ہے۔

(۳) جب کسی راوی کے بارے میں کہا جائے شیخ تو یہ تعدیل کا تیسرا مرتبہ ہے اس کی روایات بھی قابل کتابت ہوگی اور اس کے بارے میں مزید غور وخوض کیا جائے گا لیکن اس راوی کا مرتبہ دوسرے مرتبہ کے راوی سے کم ہوگا۔

(۴) جب کسی راوی کے بارے میں صالح الحدیث کہا جائے تو اس کی روایات اعتبار کے لئے لکھی جائے گی۔

(۵) جب کسی راوی کے بارے میں لین الحدیث کہا جائے تو اس کی روایات اعتبار کے لئے لکھی جائیں گی اور مزید غور وخوض کیا جائے گا۔

(۶) جب کسی راوی کے بارے میں لیس بقوی کہا جائے تو اس کا مرتبہ کتابت حدیث کے بارے میں ماقبل کے مرتبہ کے مانند ہوگا لیکن اس مرتبہ سے کچھ کم ہوگا۔

(۷) جب کسی راوی کے بارے میں ضعیف الحدیث کہا جائے تو اس کی احادیث متروک نہ ہوگی بلکہ قابل اعتبار ہوگی۔

(۸) جب کسی راوی کے بارے میں متروک الحدیث یا ذاھب الحدیث یا کذاب کہا جائے تو وہ راوی ساقط الاعتبار ہوگا اس کی احادیث لکھی نہیں جائے گی۔ (تیسیر علوم الحدیث ص ۱۸۵)

دیگر ائمہ کی خاص اصطلاحات

(۱) جب امام مسلم کسی راوی کے بارے میں اکتب عنہ فرماتے ہیں تو اس سے راوی کی ثقاہت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ (جرح وتعدیل ص ۲۲۹ بحوالہ تہذیب الکمال ۱/ ۲۵۸)

(۲) امام عجلی لفظ ثقہ سے صدوق بلکہ اس سے بھی نیچے کا درجہ مراد لیتے ہیں۔(جرح وتعدیل ص ۲۲۹ بحوالہ معرفۃ الثقات ۱/۱۲۵) اسی طرح امام عجلی لاباس بہ سے ضعیف مراد لیتے ہیں۔(جرح وتعدیل ص ۲۳۳ بحوالہ معرفۃ الثقات ۱/۵)

(۳) جب ابن القطان کسی راوی کے بارے میں لا یعرف یا لم یثبت عدالتہ فرماتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی معاصر امام نے اس شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے جس سے اس کی عدالت ثابت ہو۔(جرح وتعدیل ص ۲۳۲ بحوالہ میزان الاعتدال ۱/۵۵۶) ایسا راوی ثقہ شمار کیا جاتا ہے۔

(۴) عبدالرحمن بن ابراہیم، دحیم، کسی راوی کے بارے میں لاباس بہ کہتے ہیں تو اس سے مراد ثقہ لیتے ہیں، امام ابوزرعہ دمشقی نے دحیم سے سوال کیا کہ علی بن حوشب فزاری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ "لاباس بہ" تو انھوں نے کہا کہ آپ ثقہ کیوں نہیں کہتے؟ تو دحیم نے جواب دیا کہ کہہ تو دیا کہ وہ ثقہ ہیں۔(جرح وتعدیل ص ۲۳۲ بحوالہ فتح المغیث ۲/۱۱۷)

(۵) جب امام نسائی کسی راوی کے بارے میں لیس بالقوی کہتے ہیں تو جرح مفسد مراد نہیں لیتے ہیں کیوں کہ اس طرح کے راویوں کی احادیث وہ اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں۔(جرح وتعدیل ص ۲۳۴ بحوالہ الموقظہ ص ۸۲)

(۴) نادر کلمات

اب تک جن کلمات کے بارے میں بات ہو رہی تھی وہ ایسے کلمات ہیں جو بکثرت مستعمل ہوتے ہیں لیکن کچھ ایسے کلمات بھی ہیں، جو بہت کم مستعمل ہوتے ہیں، ندرت کے ساتھ ساتھ ان کا مفہوم بھی قدرے غامض ہوتا ہے اس لئے مدلول کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے اور یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ کہنے کا مقصد کیا ہے اور اس راوی کا شمار کس طبقہ میں کیا جائے اور اس کلمہ کو کس درجہ میں رکھا جائے اس سلسلہ میں کچھ کلمات بطور مثال کے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اتق حیات سلم لاتلسعک: سلم کے سانپوں سے بچتے رہنا کہیں تم کوڈس نہ لیں۔

یہ تعبیر صرف عبداللہ بن مبارک نے سلم بن سالم ابو محمد بلخی کے بارے میں بطور جرح استعمال کی ہے۔ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ راوی کذاب ہے ان کی مرویات کی مثال سانپوں سے دی گئی ہے گویا کہ سانپ جس طرح ضرر رساں اور نا قابل اعتماد ہوتا ہے یہی کیفیت ان کی حدیثوں کی ہوتی ہے، چناں چہ خود خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ بے بنیاد حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

(۲) اعور بین العمیان (اندھوں میں کانا راجا) یہ تعبیر امام دارقطنی کی ہے جس کو انھوں نے ابو یوسف کے بارے میں ذکر کیا ہے جنھوں نے "غورک" سے روایت کیا ہے اور جن سے لیث بن حماد نے روایت کیا ہے، امام دارقطنی کی مراد یہ ہے کہ ابو یوسف اگر چہ ضعیف ہیں لیکن غورک اور لیث بن حماد سے کم تر ہیں۔

(۳) جمازات المحامل

(۴) جمال المحامل

(۵) الجمال التی تحمل المحامل

جمال وجمازات اونٹ کو کہتے ہیں، محامل بوجھ اٹھانے والے یا ہودج اٹھانے والے کو کہتے ہیں یعنی ایسے اونٹوں میں سے ہیں جن پر بوجھ لادا جاسکتا ہے، عربی میں اونٹوں کو بطور تشبیہ واستعارہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے اس سے اشارہ ایسے شخص کی طرف کیا جاتا ہے جو مشقتوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور پیچیدہ مقامات میں نہ گھبراتا ہو بلکہ ان کو حل کرنے کی جرأت رکھتا ہو۔

محدثین نے یہ کلمہ جرح وتعدیل دونوں کے لئے استعمال کیا ہے، تعدیل کے لئے فلان من جمال المحامل اور جرح کے لئے لیس من جمال المحامل

مطلب یہ ہوا کہ جس طرح سے ہودج اور ساز وسامان اٹھا کر دور دراز مقامات پر پہنچانا باہمت، طاقتور اور مضبوط اونٹ کا کام ہے اسی طرح حدیثوں کے لئے رخت سفر باندھنا اور ان کو محفوظ رکھنا باہمت قوی حافظہ اور صبر آزما لوگوں کا کام ہے۔

سب سے پہلے یہ تعبیر امام مالک نے عطاف بن خالد مدنی کے لئے استعمال کی ہے انھوں نے ان کے بارے میں لیس ھو من جمال المحامل فرمایا تھا۔

اسی طرح یحیی بن سعید قطان نے مسلم بن قتیبہ خراسانی کے بارے میں اور یحیی بن معین نے رشدین بن سعد کے بارے میں استعمال کیا ہے۔

اس معنی میں جمازات المحامل اور لیس من اھل القباب بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لیس من اھل القباب یا لیس من جمال المحامل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی روایت بیان کی جاسکتی ہے لیکن اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

(۶) سداد من عیش (۷) سداد من عوز

ابوبکر بن اعین نے سوید بن سعید کے بارے میں یہ کلمہ استعمال کیا ہے اور کہا ہے کہ ھو سداد من عیش۔

سداد اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی خلل کی اصلاح کی جائے، سداد من عیش کا مطلب یہ ہوا کہ تھوڑی سی ضرورت پوری ہوسکتی ہے یا جیسے اردو زبان کا محاورہ ہے کہ نہ ہونے سے ہونا بہتر" وہ معنی سداد من عیش کا ہے۔ یعنی متابعت وشواہد میں قابل اعتبار ہوسکتے ہیں۔

(۸) عصا موسی تلقف ما یأفکون

موسیٰ کی لاٹھی ہے ہر گھڑی ہوئی چیزوں کو نگل لیتی ہے۔ یہ جملہ محمد بن عبداللہ مطین نے حافظ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں استعمال کیا ہے، انھوں نے یہ جملہ فرما کر ان پر جرح کی ہے۔

یہ جملہ انھوں نے قرآن کریم کی آیت سے لیا ہے جو موسیٰ اور جادو گروں کے مقابلہ میں وارد ہوئی ہے، جس میں بحکم الہی عصائے موسی علیہ السلام اژدہا کی شکل میں نمودار ہوا اور جادو گروں کے خیالی سانپوں کو نگل گیا۔ مطعین کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے عصائے موسیٰ نے جادو گروں کے وضع کردہ باطل چیزوں کو نگل لیا تھا اسی طرح سے ابن ابی شیبہ باطل اور کذب روایتوں کو نگل لیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔

گویا کہ یہ جملہ جرح کے بدترین درجہ کے لئے انھوں نے استعمال کیا ہے ان کے اس قول کو محدثین نے کلام الاقران بعضہم فی بعض پر محمول کیا ہے۔

(۹) علی یدی عدل: عدل کے ہاتھ میں ہے۔

اس تعبیر کو سب سے پہلے ابو حاتم رازی نے بطور جرح استعمال کیا ہے۔ جبارہ بن مغلس حمانی کے بارے میں انھوں نے کہا کہ ھو علی یدی عدل اس کلمہ کے مدلول کے بارے میں بعض محدثین کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اس سے وہ راوی کی ثقاہت وعدالت سمجھتے تھے اور اس کو اس طرح پڑھتے تھے ھو علی یدیّ عدلٌ یعنی وہ میرے نزدیک عادل ہے۔ حالاں کہ صحیح عبارت جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے اسی طرح ہے ھو علی یدیْ عدلٍ یعنی ہالک۔

اس کلمہ کا پس منظر جیسا کہ ابن سکیت نے ابن کلبی سے اصلاح منطق میں ذکر کیا ہے کہ جزء بن سعد کی اولاد میں ایک شخص کا نام عدل تھا جو تبع کا پولیس انسپکٹر تھا۔ جب تبع کسی کو قتل کرنا چاہتا تو عدل کے ہاتھ میں اس کو دے دیتا، یہیں سے یہ مقولہ لوگوں کے درمیان مشہور ہو گیا کو ضع علی یدی عدل یعنی عدل کے ہاتھ میں چلا گیا پھر اس جملہ کو ہر اس شخص کے بارے میں استعمال کیا جانے لگا جو ہلاک ہونے والا ہوتا۔

امام ابو حاتم نے اس کلمہ کو اس معنی میں استعمال کر کے اس سے ہالک مراد لیا ہے، جو جرح کے صیغوں میں سے ایک صیغہ ہے اور بدترین درجہ کا صیغہ ہے۔

(۱۰) کان ممن اخرجت له الارض افلاذ اکبادھا

ایسے لوگوں میں سے تھے جن کے لئے زمین نے اپنا خزانہ اگل دیا۔ علامہ ابن حبان نے یہ تعبیر محمد بن عبدالرحمن بیلمانی پر جرح کے لئے استعمال کی ہے۔

افلاذ من الارض زمینی خزانوں کے لئے بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے، جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایسے لوگوں میں سے تھے جن کے لئے زمین نے اپنا خزانہ اگل دیا تھا۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ محمد بن عبدالرحمن بیلمانی نے مشائخ سے حدیثوں کو روایت نہیں کیا بلکہ موضوع اور ضعیف روایتوں کو روایت کیا ہے، جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے، گویا کہ زمین ان کے لئے پھٹ گئی اور اپنا خزانہ اگل دیا تھا اور انھوں نے بغیر کسی مشقت کے اس کو حاصل کر لیا یعنی یہ ضعیف اور موضوع روایات نقل کرتے ہیں۔

(۱۱) کذا و کذا : یہ کلمہ امام احمد بن حنبلؒ نے متعدد راویوں پر جرح کے لئے استعمال کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہے کہ استقراء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے لین کی جانب اشارہ کیا ہے۔

(۱۲) لیس من اھل قباب : یہ تعبیر امام مالکؒ کی عطاف بن خالد کے بارے میں ہے اور اس سے ضعف کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ جمازات المحامل میں گذر چکا۔

(۱۳) ما اشبه حدیثه بثیاب نیسابور : نیساپوری کپڑوں سے ان کی حدیث زیادہ مشابہ ہے، علامہ ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے محدث شام اسماعیل بن عیاش حمصی کے بارے میں یہ کلمہ بطور جرح کے استعمال کیا ہے، انھوں نے کہا کہ ما اشبه اسماعیل بثیاب نیسابور یرقم بابعه علی الثوب مأتو لعله اشتراه بعشرة او بدونها یعنی اسماعیل بن عیاش نیساپوری کپڑوں سے بہت مشابہ ہے کہ ان کا بائع اس کپڑے پر جس کو دس درہم یا اس سے بھی کم قیمت میں خریدا ہوتا ہے، سو درہم کا لیبل لگا دیتا ہے تا کہ مشتری دھوکہ میں پڑ جائے۔

پھر اس جملہ کو محدثین نے بطور جرح استعمال کیا اور ایسے لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے جو

کذب بیانی اور احادیث میں کمی وزیادتی سے کام لیتے تھے۔ حالاں کہ اسماعیل بن عیاش ایسے نہیں تھے۔ بلکہ ان کی روایات اہل شام سے صحیح ہوتی ہیں اور غیر اہل شام سے مختلط ہوتی ہیں۔

(۱۴) میزان (ترازو) : یہ تعبیر امام سفیان ثوریؒ نے عبدالملک بن ابی سلیمان کے لئے استعمال کی ہے۔ اور اس سے انھوں نے ان کی قوت حفظ اور ضبط کی جانب اشارہ کیا ہے۔

(۱۵) یثبج الحدیث

(۱۶) یزرف الحدیث

یہ دونوں کلمات وضع حدیث اور دروغ گوئی کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

(۱۷) یکتب عنہ زحفا

یہ تعبیر امام ابوحاتم نے بعض راویوں کے ضعف کو بیان کرنے کے لئے استعمال کی ہے۔ مثلاً خالد بن ایاس، عبدالحکیم بن عبداللہ قسملی، عبدالخالق بن زید، جب ان کے بیٹے عبدالرحمن نے سوال کیا کہ ان کی احادیث تحریر کی جاسکتی ہے؟ فرمایا زحفا۔

علامہ معلمی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بہ تکلف ان سے حدیث تحریر کرنا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے جیسے بچہ بہ تکلف سرین کے بل چلتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحاتم کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی روایت قابل تحریر نہیں بلکہ قابل اعتبار ہے۔ (شرح الفاظ التجریح النادرۃ او قلیلۃ الاستعمال، جرح وتعدیل)

(۵) حرکات

حرکات واشارات مثلاً ہاتھ چلانا، پیر چلانا، منہ بسورنا، چہرہ بگاڑنا وغیرہ یہ بھی بہت کم استعمال کیا گیا ہے۔

ان کی حرکات کا معنی ومفہوم سمجھنا مشکل ہوتا ہے، جب تک ان کے تلامذہ جنھوں نے ان حرکات کو دیکھا اور سمجھا ہے وہ اس کا مفہوم نہ بتائیں، ویسے تتبع اور جستجو سے پتہ چلتا ہے کہ عموماً یہ اشارات راویوں کے ضعف بیان کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

مراتب جرح وتعدیل

ائمۂ جرح وتعدیل نے رواۃ کے مراتب متعین کرنے کے لئے جن کلمات جرح وتعدیل کا استعمال کیا تھا ان کے بیان کے بعد اب مراتب جرح وتعدیل کو بیان کیا جاتا ہے۔

ائمہ جرح وتعدیل نے راویوں کے حالات اور ان کے مراتب بیان کرنے کے لئے جرح وتعدیل کے کلمات کا استعمال کیا ہے، ان میں سے بعض کثیر الاستعمال ہیں اور بعض قلیل الاستعمال، اسی طرح ان کلمات کے علاوہ حرکات واشارات کا بھی استعمال کیا ہے، انھیں کلمات واشارات سے رواۃ کی ثقاہت اور ضعف نیز ان کے مراتب کی وضاحت کی گئی ہے اور انھیں مراتب کے اعتبار سے ان کی روایتوں پر اصح، صحیح، حسن اور ضعف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

لیکن چوں کہ یہ علما مختلف دور اور مختلف مزاج کے تھے اس لئے لازمی طور سے ان کے زمانہ اور مزاج کا گہرا اثر ان کلمات کے انتخاب پر بھی ہوا ہے، ایک محدث کے یہاں ایک کلمہ کسی خاص مرتبہ پر دلالت کرتا ہے، بعینہ وہی کلمہ دوسرے محدث کے یہاں دوسرے مرتبہ پر دلالت کرتا ہے، اسی وجہ سے علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان کا ضبط کرنا بے حد مشکل کام ہے۔ (جرح وتعدیل ص ۲۲، بحوالہ الباعث الحثیث ص ۱۰۵)

ہر فرد نے اپنی سمجھ کے مطابق ایسے کلمات کا انتخاب کیا ہے، جو مدلول پر واضح طور سے دلالت کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی اس پر کامل اتحاد نہ ہوسکا، خصوصا چوتھی صدی سے ان میں نمایاں فرق پایا جاتا تھا امام عبدالرحمن بن ابوحاتم الرازی (م ۳۲۷) نے کلمات تعدیل کو چار مرتبوں میں محدود کیا۔ (الجرح والتعدیل: ۱/ ۳۲۴)

حافظ ابن صلاح (م: ۶۴۳)، امام مزیؒ (م ۷۴۲) وغیرہ نے بھی انھیں کے موقف کو اختیار کیا ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۷)

آٹھویں صدی میں امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کچھ اور اضافہ کیا اور انھوں نے تعدیل کو چار اور جرح کو پانچ مرتبوں میں تقسیم کیا ہے، حافظ عراقی (م ۸۰۶) نے بھی ان کی موافقت کی، صرف چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ (التقیید والایضاح: ص ۱۳۰)

علامہ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) جو حافظ ابن حجرؒ (م: ۸۵۲) کے شاگردوں میں سے ہیں، انھوں نے بھی ان مراتب کو چھ مرتبوں میں تقسیم کیا ہے لیکن دوسرے مرتبہ میں انھوں نے صرف ایک کلمہ فلان لا یسئل عنه رکھا اور پہلا درجہ جو صحابہؓ کے بارے میں تھا اسے حذف کر دیا جاتے۔ (فتح المغیث ۱/۳۹۰)

علامہ سخاویؒ سے پہلے حافظ ابن حجرؒ نے ہر ایک کو چھ چھ مرتبوں میں تقسیم کیا ہے، جس میں انھوں نے صحابہؓ کو ایک طبقہ میں شمار کیا ہے، اگر صحابہ کو نکال دیا جائے تو ان کے یہاں بھی تعدیل کے پانچ مرتبے اور تجریح کے چھ مرتبے ہوتے ہیں۔ (نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص ۱۸۲)

حافظ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) جو ان میں سب سے زیادہ متاخر ہیں انھوں نے بھی دسویں صدی ہجری میں چھ مرتبوں میں ان کو برقرار رکھا لیکن انھوں نے بھی صحابہؓ کو خارج کر دیا ہے، افلان لا یسئل عنه کو درجہ اول میں رکھا ہے۔

کلمات جرح وتعدیل میں اگر چہ فرق ہے لیکن ان کو عام قاعدہ کے تحت مختلف مراتب میں تقسیم کرنے سے جرح وتعدیل میں سے ہر ایک کے چھ چھ مراتب بنتے ہیں اور ہر مرتبہ کے لئے مختلف کلمات ہوتے ہیں جو اس مرتبہ پر دلالت کرتے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے۔

مراتب تعدیل اور ان کے کلمات

(۱) پہلا مرتبہ جو سب سے اعلی ہے وہ یہ ہے جس میں راوی کی ثقاہت بذریعہ اسم تفضیل یا صیغہ مبالغہ یا جو ان کے مشابہ اور ہم معنی ہو ان سے بیان کیا گیا ہو جیسے اوثق الناس، احد الاحدین، الیه المنتهی فی

التثبت، اثبت الناس، لا اعرف له نظیر، فلان لا یسئل عنه، امیر المؤمنین فی الحدیث وغیرہ۔

(۲) دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ راوی کی ثقاہت کی تاکید تکرار لفظی یا معنوی سے کی گئی ہو، جیسے ثقة ثقة، ثقة ثبت، ثبت حجة، ثقة حافظ، ثقة مامون وغیرہ۔

اس بنیاد پر جس کی ثقاہت بیان کرنے میں مزید تکرار ہوتی ہے، وہ اس درجہ میں سب سے اعلی ہوگا، جیسے ابن سعد کا امام شعبہ کے بارے میں کہنا ثقة مامون ثبت حجة کثیر الحدیث۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تکرار جو منقول ہے وہ نوبار کی ہے، جو سفیان بن عیینہ کے قول عمرو بن دینار کے بارے میں ہے، جب انھوں نے لفظ ثقہ کی تکرار نو مرتبہ کی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ کہتے کہتے وہاں پر سانس ٹوٹ گیا۔ (فتح المغیث، ۱/۳۹۲)

(۳) تیسرا مرتبہ یہ ہے جس میں راوی کی ثقاہت بغیر تاکید کے بیان کی گئی ہو، جیسے ثقة، ثبت، حجة، متقن، حافظ، ضابط، امام، عادل وغیرہ اور (کانه مصحف) کو بھی اسی کے ملحق قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ یہ مبالغہ کے مشابہ ہے۔ قاعدے کے اعتبار سے پہلے درجہ میں رکھنا زیادہ مناسب تھا۔

(۴) چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ جس میں راوی کی عدالت واضح ہو لیکن ضبط غیر واضح ہو جیسے صدوق، مامون، لا باس به، لیس به باس، محله الصدق، خیار وغیرہ۔

(۵) پانچواں مرتبہ یہ ہے جس میں راوی کی عدالت اور ضبط کو واضح طور سے بیان نہ کیا گیا، جیسے شیخ وسط، جید الحدیث، حسن الحدیث، مقارب الحدیث، صالح الحدیث، الی الصدق ما هو، رووا عنه وغیرہ۔

نیز جن لوگوں پر کسی قسم کی بدعت یا اختلاط وغیرہ کا الزام ہے، ان کو بھی اس کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے، جیسے صدوق رمی بالتشیع، صدوق سیئ الحفظ، صدوق تغیر، صدوق یهم۔

(۶) چھٹاں مرتبہ یہ ہے جس میں راوی پر حکم لگانے میں ناقد کے تردد و شبہ کا پتہ چلے اور اس کی دلالت عدالت کے بہ نسبت جرح سے زیادہ قریب ہو جیسے صویلح، یکتب حدیثه، صدوق ان شاء الله،

مقبول، ارجوان لا باس بہ وغیرہ

اصحاب مراتب تعدیل کا حکم

ان مراتب میں پہلے تین مراتب والوں کی روایتیں عدالت اور ضبط کی بنیاد پر قابل قبول اور قابل حجت ہوتی ہے اگرچہ قوت میں بعض بعض سے قوی ہوتی ہیں، صحیحین کی روایتیں پہلے مرتبہ والوں میں شمار ہوتی ہے، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی روایتیں دوسرے مرتبہ والوں میں شمار ہوتی ہیں اور کتب سنن کی روایتیں تیسرے مرتبہ والوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

چوتھے مرتبہ والوں کے سلسلہ میں قدرے اختلاف ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ قابل احتجاج ہوتے ہیں اور ان کی روایتیں درجہ حسن کو پہنچتی ہیں، عام طور سے اس طرح کی روایتیں سنن میں پائی جاتی ہے۔

پانچویں مرتبہ والوں کی روایتیں مطلق قابل احتجاج تو نہیں ہوتی ہیں البتہ قابل اعتبار ہوتی ہیں لیکن ان کی روایتیں اگر ثقات کے موافق ہوں تو قابل احتجاج ہو جاتی ہیں۔

چھٹے مرتبہ والوں کی بھی روایت قابل قبول نہیں ہوتی بلکہ قابل اعتبار ہوتی ہے لیکن مرتبہ میں کم ہوتی ہے اگر اس کی کوئی روایت شاہد ہے تو حسن لغیرہ ہوگی ورنہ ضعیف ہوگی لیکن ضعف خفیف ہوگا۔

مراتب جرح اور ان کے کلمات :

(۱) پہلا مرتبہ جو سب سے کم تر ہے وہ راوی کے کمزور اور ضعیف ہونے کی جانب اشارہ کرتا ہے جیسے

لین الحدیث، فیہ مقال، سیء الحفظ، تکلموا فیہ، لیس بالقوی، تعرف وتنکر، غیرہ اوثق منہ، مجہول وغیرہ

(۲) دوسرا مرتبہ یہ ہے جو راوی کے ضعیف اور مردود ہونے پر صراحت سے دلالت کرتا ہے جیسے

ضعیف، لا یحتج بہ، لہ مناکیر، مضطرب وغیرہ

(۳) تیسرا مرتبہ یہ ہے جو راوی سے استدلال کی ممانعت اور کثرت ضعف پر دلالت کرتا ہے، جیسے

ضعیف جدا، واہ بمرۃ، لا یکتب حدیثہ، لا تحل الروایۃ عنہ، تالف، رد حدیثہ، لیس بشئ،
لا یساوی شیأ وغیرہ

(۴) چوتھا مرتبہ یہ ہے جو راوی کے متہم بالوضع، متہم بالکذب، سارق الحدیث، ساقط، متروک، ذاھب الحدیث، (فیہ نظر، سکتوا عنہ صرف امام بخاری کے یہاں)

(۵) پانچواں مرتبہ یہ ہے جو راوی کے حدیث رسول میں دروغ گو ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے کذاب، دجال، وضاع، یکذب، یضع وغیرہ

(۶) چھٹا مرتبہ یہ ہے جو راوی کے دروغ گو ہونے پر اسم تفضیل یا صیغہ مبالغہ کے ذریعہ دلالت کرے جیسے اکذب الناس، رکن الکذب، الیہ المنتھی فی الکذب وغیرہ

اصحاب مراتب جرح کا حکم

ان میں پہلے اور دوسرے مرتبہ والوں کی روایتیں ضعیف ہوتی ہیں لیکن درجات میں فرق ہوتا ہے، یہ روایتیں قابل احتجاج نہیں ہوتی ہیں البتہ قابل استیناس ہوتی ہیں بوقت ضرورت ان کا ذکر کیا جاسکتا ہے اور دوسرے ہم مرتبہ والوں سے مل کر کام چلاؤ ہوسکتی ہیں اور دوسرے کی تائید کرسکتی ہیں ان کے علاوہ بقیہ چار مراتب والوں کی روایتیں مردود ہوتی ہیں، ان کا تحریر کرنا بھی درست نہیں ہوتا بلکہ آخری تین مراتب والوں کی روایتوں کا بیان کرنا بھی بغیر وضاحت کے حرام ہوتا ہے، اس طرح کی روایتیں کتب موضوعات میں پائی جاتی ہیں بہ ترتیب وار ضعیف، انتہائی ضعیف، متروک اور موضوع ہوتی ہیں۔ (جرح وتعدیل ص ۲۲۲ تا ۲۲۶ بحذف)

نقشہ جات آخر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

باب سوم

علم اسماء الرجال

حضرات صحابہ کرامؓ اور اکابر من تابعین کے دور میں جرح وتعدیل اور کتب رجال کی چنداں ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ احادیث روایت کرنے والے حضرات صحابہ کرامؓ تھے جو تمام عادل وثقہ تھے ان میں سے کسی ایک بھی فرد نے کبھی بھی آنحضرت ﷺ کے متعلق کوئی غلط بیانی نہیں کی، اور کبار تابعین کے عہد میں برائے نام ضعف پایا گیا، البتہ اوساط تابعین میں بلاشبہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت ملتی ہے مگر ان کا ضعف بھی کذب وبد دیانتی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ قلت ضبط، حافظہ کے ضعف یا روایت میں تساہلی کی بنا پر تھا، بہرحال اس دور تک کسی دروغ گوئی یا ضعیف الروایہ شخص کا وجود بہت کم تھا اس لیے فن اسماء الرجال کو قلمبند کرنے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی لیکن جب دوسری صدی کے وسط میں بعض لوگوں نے کذب بیانی سے کام لیا تو ائمہ محدثین نے باقاعدہ جرح وتعدیل سے کام لیا اور تاریخ کی روشنی میں رواۃ کے بیانات کو جانچا اور پرکھا چناں چہ سفیان ثوری (م ۱۶۲) فرماتے ہیں کہ لما استعمل الرواۃ الکذب استعملنا لھم التاریخ (الکفایہ فی علم الروایہ)

جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ استعمال کی۔

قاضی حفص بن غیاث فرماتے ہیں اذا اتھمتم الشیخ فحاسبوہ بالسنین (الکفایہ)

جب تم لوگ کسی شیخ کو متہم خیال کرو تو سنین کے حساب سے اس کی جانچ کرو۔

یعنی شیخ کے سن اور جس سے وہ روایت کر رہا ہے اس کے سن کو معلوم کر کے حساب لگا لو کہ اس نے اس سے ملاقات کی ہے یا ویسے ہی ان سے روایت کا دعویٰ کر رہا ہے۔

حسان بن زید کہتے ہیں کہ " کذابین کے مقابلے میں تاریخ سے بہتر کوئی چیز مددگار نہیں ہو سکتی ہے یہ اس طرح کہ پہلے اس راوی سے دریافت کیا جائے کہ تم کب پیدا ہوئے؟ جب وہ اپنا سال

ولادت ہم سے بیان کردے اور جس شخص سے وہ روایت کر رہا ہے اس کا سن وفات ہمیں معلوم ہو تو پھر ہمیں اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل سکتا ہے۔ چناں چہ اسماعیل بن عیاش نے ایک مرتبہ ایک شخص سے امتحاناً سوال کیا کہ بتاؤ تم نے خالد بن معدان سے کس سن میں حدیث لکھی تھی؟ کہنے لگا ۱۱۳ھ میں، اس پر اسماعیل نے اس شخص سے کہا کہ تم تو اس بات کے مدعی ہو کہ خالد کی وفات کے سات سال کے بعد تم نے اس سے حدیث سنی ہے۔ (فن اسماء الرجال بحوالہ الاعلان بالتوبیخ اور جامع بیان العلم)

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ رواۃ کے حالات دگرگوں ہونے لگے تو ائمہ محدثین اور علمائے امت نے دین متین کی حفاظت اور اس کو خارجی مداخلت سے محفوظ رکھنے کے لیے فن جرح وتعدیل ایجاد کیا جس کی جھلک کتاب اللہ میں فاسق، کذاب اور سنت رسول ﷺ میں نعم اور بئس کی شکل میں نظر آتی ہے۔

پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بتدریج رجال پر نقد اور ان پر کلام کا فن حسب ضرورت وسیع تر ہوتا گیا۔ چوں کہ یہ دور راویان حدیث کا دور اور ائمہ محدثین کا ایک دوسرے سے قربت اور ہم عصری کا دور تھا اس لیے طلبائے علوم نبوت کو رجال حدیث پر کیے گئے کلام کی معرفت اور اس کے حفظ وفہم میں زیادہ دقت نہیں ہوتی تھی۔

تیسری صدی کی ابتدا تک پہ کلام جو راویان حدیث پر جرح وتعدیل کے سلسلے میں وارد ہوئے تھے زبانی کلام تھے جسے خدام سنت نبوی ﷺ اور طالبان علوم نبوت یا تو اپنے مشائخ اور ان کے اساتذہ سے (مشائخ کے واسطے سے) سن کر معلوم کرتے تھے چاہے وہ سوال وجواب کی شکل میں ہو یا عمومی درس کی صورت میں ہو یا بذات خود انھوں نے اپنے معاصرین کو دیکھا ہو۔

تاریخ تدوین کتب جرح وتعدیل

تقریباً اس دو سو سال کے دوران جرح وتعدیل کی مصطلحات متعارف، اصول وضوابط متعین اور اہل علم کے یہاں متداول ومعمول بہ ہو چکے تھے۔ کلمات جرح وتعدیل کے زیر وبم دیچ وخم اور ان کے مدلول واضح ہو چکے تھے۔ اب انھیں قلم بند کرنے کی ضرورت تھی تا کہ اس پر بحث وتمحیص، نقد

وموازنہ اور مختلف آرا کا تقابلی جائزہ آسانی سے لیا جاسکے اور ان اقوال کی روشنی میں مختلف فیہ راویوں پر دقیق سے دقیق تر فیصلہ کیا جاسکے۔ (الجرح والتعدیل ابولبابہ حسین)

چناں چہ اللہ تعالی نے اپنے ان بندوں کے قلوب میں جن کو حفاظتِ حدیث رسول کے لیے منتخب فرمایا تھا یہ الہام کیا کہ اس فن کی تصنیف اور اقوال جرح وتعدیل کی تدوین ہونی چاہیے۔ چناں چہ انھوں نے اس علمی خزانہ کو محفوظ کرنا شروع کردیا اور سب سے پہلے یحیی بن سعید قطان (م ۱۹۸) نے راویان حدیث کے بارے میں معلومات کو قلم بند کرنا شروع کیا۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ فاول من جمع کلامہ فی ذلک الامام (یحیی بن سعید القطان) الذی قال عنہ الامام احمد مارأیت مثل یحی (میزان الاعتدال / ۱۱۰) یعنی سب سے پہلے راویان حدیث کے سلسلہ میں کیے گئے کلام کو امام یحیی بن سعید قطان (م: ۱۹۸) نے جمع کیا جن کے بارے میں امام احمد بن حنبل (م: ۲۴۱) کا فرمان ہے کہ میں نے اپنی نگاہوں سے اس جیسی شخصیت کو نہیں دیکھا۔

یحیی بن سعید القطان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے تلامذہ مثلا امام یحیی بن معین (م ۲۳۳) امام علی بن مدینی (م: ۲۳۴)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱)، عمرو بن علی فلاس (م: ۲۴۹) اور ابو خیثمہ بن حرب (م: ۲۳۴) رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ نے یہ ذمہ داری سنبھالی اور رجال حدیث پر معلومات کو تحریری شکل میں جمع کیا۔ ان کی تالیفات اس فن کی ابتدائی اور بنیادی تصنیفات تصور کی جاتی ہے۔

آہستہ آہستہ اس فن کی تالیفات میں کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے اضافہ ہوا اور راویان حدیث کے سلسلے کی وہ گفتگو جو کبھی سوال وجواب کی شکل میں انتہائی مختصر ہوا کرتی تھی ترقی کر کے مکمل سوانح حیات کی شکل اختیار کر گئی اور اس سلسلے کی متنوع تالیفات منظم اور مرتب ہونے لگیں۔ چناں چہ مذکورہ محدثین کے شاگردوں میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۶) نے ایک علمی شاہکار چاند کی روشنی اور روضۂ اقدس کے جوار میں بیٹھ کر "التاریخ الکبیر" کے نام سے تحریر کیا۔

ایسے ہی امام ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب سعدی (م: ۲۵۹)، امام مسلم بن حجاج نیشاپوری

(م:۲۶۱) اور امام احمد بن عبداللہ عجلی (م۲۶۱) نے راویان حدیث کے احوال و کوائف کو مختلف شکلوں میں جمع کیا، انھیں نفوس قدسیہ کی روش کو اپناتے ہوئے امام احمد بن شعیب نسائی (م۳۰۳)، امام ابوجعفر عقیلی (م:۳۲۲)، امام ابن ابی حاتم رازی (م۳۲۷)، امام ابن حبان بستی (م:۳۵۴) اور علامہ ابن عدی (م۳۶۵) نے اس فن کو جلا بخشا اور راویان حدیث کے بارے میں اپنے فیصلوں کے ساتھ دوسرے ائمہ نقد کے اقوال کو بطور مقارنہ ذکر کیا۔ ان اقوال کو انھوں نے اپنی سندوں سے اسی طرح بیان کیا جس طرح حدیث شریف کو سند سے بیان کیا جاتا ہے اور بطور نمونہ ان ائمہ کی احادیث کو مع اسانید کے ذکر کیا۔ (میزان الاعتدال /۱۱۱،۱۱۲)

اس طرح سے فن جرح وتعدیل واسمائے رجال کے بارے میں تالیفات مؤلف کے دور، مزاج، ذوق اور ضرورت کے مطابق ترقی پذیر ہوتی رہیں اور انواع واقسام کی تصانیف وجود میں آگئیں جس نے ہر ایک راوی کی حیثیت کو واضح کردیا۔ یہ کتابیں اس امت کی بقا کی ضمانت دیتی ہیں اور اس دین کی حفاظت اور حدیث پاک سے دفاع کے لیے تیغ بے نیام بن کر آج بھی کتب خانوں کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہیں یہاں تک کہ دشمنان اسلام کو بھی یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ دنیا میں کوئی قوم آج تک ایسی نہیں گذری اور نہ موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسمائے رجال پر ایسا فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ (جرح وتعدیل ص۳۸)

کتب جرح وتعدیل کے تالیفی مراحل اور کیفیت

اسمائے رجال پر جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں ان کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) پہلے مرحلہ کی کتابیں انتہائی مختصر ہوا کرتی تھیں، جس میں راوی کا مختصر نام اور ایک لفظ میں اس کے بارے میں حکم ذکر کردیا جاتا تھا خواہ وہ مؤلف کا اپنا قول ہو یا ان کے کسی استاد یا کسی امام کا قول ہو اس طرز کی مختصر کتابیں اہل علم نے بعد میں بھی تحریر کی ہیں، اس طرح کی کتابوں میں امام بخاری کی کتاب "الضعفاء الصغیر" امام زرعہ رازی اور امام نسائی کی کتاب الضعفاء والمتروکین۔ امام دارقطنی کی

کتاب الضعفاء اور کتب اسئلہ وغیرہ کو مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسرے مرحلے کی کتابیں عموماً متوسط ہوا کرتی تھیں ان کتابوں میں تراجم کے بیان میں قدرے وسعت دی گئی راوی کا حسب ونسب، اس کے بعض اساتذہ وتلامذہ، اس کے بارے میں علما کے اقوال اور مثال کے طور پر ایک یا چند ایسی احادیث مع اسناد ذکر کی جاتی تھیں جو اس راوی کے واسطے سے مروی ہوتی تھیں، اس مرحلہ کی کتابوں کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں راویوں کے بارے میں کئے گئے ائمہ کے اقوال کو سند کے ساتھ بیان کیا گیا تھا، اس سلسلہ میں جن کتابوں کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) التاریخ الکبیر: امام بخاری

(۲) تاریخ الضعفاء: امام ابوجعفر عقیلی

(۳) المجروحین من المحدثین: ابن حبان

(۴) الکامل فی ضعفاء الرجال: ابن عدی

(۵) الجرح والتعدیل: ابن ابی حاتم رازی

(۶) کتاب الثقات: ابن حبان

(۳) تیسرے مرحلے کی کتابیں کافی مفصل ہیں، راوی کے بارے میں جو ضروری معلومات دستیاب ہوسکی تقریباً سب معلومات کا احاطہ کرلیا گیا خاص طور سے ائمہ جرح وتعدیل کے مختلف اقوال کو حتی المقدور ذکر کردیا گیا، مؤلف کے ذوق کے مطابق کسی خاص چیز کی طرف توجہ زیادہ دی گئی جیسے تہذیب الکمال میں راوی کے تمام اساتذہ وتلامذہ کو جمع کردیا گیا اور تہذیب التہذیب میں راوی کے بارے میں تمام ائمہ کے اقوال کو کافی حد تک ذکر کردیا گیا۔

اس تیسرے مرحلے کی کتابوں میں اقوال ائمہ کو اسانید کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا بلکہ سابقہ ان کتابوں پر اعتماد کیا گیا جو مستند تھیں۔ ماقبل کی کتابوں میں مذکور اسانید کو ہی کافی سمجھا گیا اور بعض کتابوں میں ان احادیث کو بھی حذف کردیا گیا جس میں مترجم لہ راوی کا واسطہ ہوتا تھا۔

اقسام کتب جرح وتعدیل

اسمائے رجال کی ان جملہ تالیفات کو دو بنیادی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) کتب عامہ (عام کتابیں) (۲) کتب خاصہ (خاص کتابیں)

(۱) کتب عامہ

ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں ہر قسم کے، ہر مقام اور ہر صفات کے راویوں کا ذکر ہو خواہ وہ مغرب کے رہنے والے ہوں یا مشرق کے، صحابی ہوں یا تابعی، ثقہ ہوں یا ضعیف، کنیت سے معروف ہوں یا نام سے، لقب سے مشہور ہوں یا نسبت سے مشہور ہوں۔

(۲) کتب خاصہ

ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں کسی خاص صفت سے متصف راویوں کا تذکرہ ہو مثلا صرف ثقہ راویوں کا ذکر ہو یا صرف ضعفا کا ذکر ہو یا کسی خاص مقام وجگہ کے راویوں کے حالات ہوں یا کسی خاص کتاب یا چند کتابوں میں وارد شدہ راویوں کا بیان ہو یا صرف اصحاب کنی یا اصحاب لقب یا مدلسین یا مختلطین کا تذکرہ ہوں۔

کتب جرح وتعدیل کی جملہ اقسام اور جملہ کتابوں کا احاطہ بہت مشکل ہے اس لیے یہاں صرف مشہور اقسام اور ان میں معروف کتابوں کا اجمالی تذکرہ اور ان میں سے اہم کتابوں کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

اہم کتابیں

(۱) الطبقات الکبری

تالیف : محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)

تعارف

یہ کتاب طبقات کی موجودہ کتابوں میں سب سے بہتر، جامع مشہور اور وقیع کتاب ہے۔ ان سے پہلے صرف واقدی (متوفی ۲۰۷ھ) اور ہیثم بن عدی (متوفی: ۲۰۷ھ) نے طبقات پر کتابیں تحریر کی ہیں۔

ترتیب

یہ کتاب اس فن کی بنیادی کتاب ہے جس میں سیرت رسول، تذکرہ صحابہ وتابعین پر توجہ دی گئی ہے۔ یہ کتاب ترتیب زمانی ومکانی دونوں اعتبار سے مرتب ہے، صحابہ کرام اور دیگر حضرات کو شہروں پر تقسیم کر کے طبقات پر مرتب کیا ہے، مثلاً مدنی صحابہ، پھر یہاں کے رہنے والے تابعین، تبع تابعین، مکی صحابہ اور مکہ میں رہنے والے تابعین، تبع تابعین۔ وعلی ھذا القیاس

نوعیت تراجم

اس کتاب میں صحابہ وتابعین کے تراجم کو مولف نے اپنے ہم عصروں کے بہ نسبت زیادہ تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور چوں کہ یہ انساب اور اخبار کے ماہر فن تھے لہذا اخبار وانساب کا تذکرہ غالب ہے، صاحب ترجمہ کے نام ونسب کے ساتھ ساتھ لقب وکنیت نیز اخلاقی حالت، علمی مقام، اداری کام، مفتی وقاضی ہونا وغیرہ کی جانب اشارہ کیا ہے، مترجم لہ کی بعض روایتوں کو بذریعہ اسناد ذکر کیا ہے، قلت وکثرت روایت کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ (مقدمہ محقق)

ترجمہ کے آخر میں راوی سے متعلق جرح وتعدیل کا بھی ذکر کیا ہے، جس کے لیے مختلف مراتب کے کلمات کا استعمال کیا ہے، اہل علم نے ان کے جرح وتعدیل کو قابل قبول اور قابل اعتماد بتایا ہے۔ (الاعلان بالتوبیخ)

علما کی نظر میں

اہل علم نے اس کتاب کی کافی تعریف کی ہے، خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ مصنف کتابا فی

طبقات الصحابة والتابعين الخالفين الی وقته فاجادفیه واحسن طبقات صحابہ تابعین اور اپنے زمانے تک گذرے ہوئے لوگوں پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، جو انتہائی بہتر اور مفید ہے۔ (تاریخ بغداد)

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ : "من نظر فی کتاب الطبقات خضع لعلمه" جو ان کی کتاب طبقات کو دیکھے گا تو ان کے علم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گا۔ (سیر اعلام النبلاء)

طریقہ استفادہ

کتاب سے استفادہ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان فہارس سے مدد لی جائے جو مطبوعہ نسخوں کے ہر جلد کے آخر میں مطبوع ہے، اس کی ایک فہرست الگ سے بھی مطبوع ہے، جس کو شیخ محمد علی اولیی نے ترتیب دیا ہے، اس فہرست میں کتاب کے دونوں طبعات کا حوالہ دیا ہے، جس سے کافی آسانی ہوتی ہے، اس ترتیب کا نام "فهرسة الاعلام المترجمين فی الطبقات الکبری لابن سعد" ہے۔ (جرح وتعدیل ص ۳۹۳ تا ۳۹۶)

(۲) التاریخ الکبیر

تالیف: امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ)

تعارف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وہ مایہ ناز تصنیف ہے جس پر یہ امت جتنا فخر کرے کم ہے، فن جرح وتعدیل کا یہ شاہکار اپنے فن میں سب سے پہلی موضوعی اور جامع کتاب ہے، جس کو مؤلف نے بذات خود تحریر کیا ہے۔

اسی وجہ سے اس کو فضل اسبقیت کے ساتھ اساسی حیثیت بھی حاصل ہے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کے نام سے تین کتابیں تالیف کی ہیں۔ التاریخ الکبیر التاریخ الاوسط اور التاریخ الصغیر

ان میں سب سے اہم مقام "التاریخ الکبیر" کو حاصل ہے، اس لیے کہ یہ کتاب ان دونوں کے مقابلہ میں جامع اور مفصل ہے۔

اہل علم کی نگاہ میں

جب یہ تالیف منظر عام پر آئی تو علمی حلقہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، محدثین نے اس کو بڑی حیرت وتعجب سے دیکھا، اس زمانے میں وہ یہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ اتنی عظیم کتاب اس طرح ترتیب کے ساتھ تالیف کی جاسکتی ہے، جس میں راویان حدیث کے مجموعی حالات یکجا مل سکیں، چنانچہ جب اس کتاب کی خبر آپ کے استاد اسحٰق بن راہویہ کو ہوئی (جن کے مشورہ سے آپ نے جامع صحیح لکھی تھی) تو ان کے حیرت وخوشی کا یہ عالم تھا کہ وہ امیر وقت عبداللہ بن طاہر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے امیرا کیا میں آپ کو کوئی جادو نہ دکھاؤں پھر انھوں نے ان کے سامنے التاریخ الکبیر رکھ دی۔ (طبقات الشافعیہ)

ابو احمد حاکم نے فرمایا ہے کہ "انه لم یسبق الیه ومن الف بعده فی التاریخ او الاسماء او الکنی لم یستغن عنه" اس طرح کی کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی ہے اور جس نے بھی آپ کے بعد راویان کی تاریخ واسمائے رجال میں جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی کتاب کا محتاج رہا۔ (طبقات الشافعیہ)

آگے فرماتے ہیں "فمنهم من نسبه الی نفسه مثل ابی زرعة وابی حاتم ومسلم، ومنهم من حکاه عنه فالله یرحمه فانه اصل الاصول"

ابو العباس بن سعید کہتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص تیس ہزار حدیثیں بھی لکھ ڈالے تو امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر کا محتاج رہے گا۔ (تہذیب التہذیب)

اہم خصوصیت

جس وقت آپ نے یہ کتاب تالیف کی اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، اور سب سے اہم عجوبہ یہ ہے کہ آپ نے اس کتاب کو چاند کی روشنی میں روضۂ اطہر کے پاس بیٹھ کر تحریر کیا ہے، آپ کا فرمان

ہے کہ جتنے بھی نام اس کتاب میں موجود ہیں تقریباً ہر ایک کے بارے میں میرے پاس کوئی نہ کوئی واقعہ اور قصہ موجود ہے لیکن کتاب کے طویل ہونے کے خوف سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ (تاریخ بغداد)

تنظیم اور نوعیت

یہ کتاب کتب جرح وتعدیل کے نوعیت کے اعتبار سے کتب عامہ میں شامل ہے، اس لیے کہ امام بخاری نے اس میں ہر قسم کے راویوں کا تذکرہ کیا ہے، چاہے وہ ثقہ ہوں یا ضعیف، صحابی ہوں یا تابعی، حجاز کے رہنے والے ہوں یا عراق کے، اس کتاب میں مطبوعہ نسخہ کے نمبرات کے اعتبار سے کل بارہ ہزار تین سو پندرہ افراد کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

بطور تتمہ "کتاب الکنی" بھی تحریر فرمائی ہے، جس میں ان راویوں کا ذکر ہے جو اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، اس میں تقریباً ایک ہزار افراد کا تذکرہ ہے۔

امام بخاریؒ نے اس کتاب میں سب سے پہلے رسول پاک ﷺ کا ذکر کیا ہے، آپ ﷺ کے اسم پاک کی مناسبت سے محمد نام کے رواۃ کو ما بقیہ رواۃ پر مقدم کیا ہے۔

ترتیب

اس کے بعد پوری کتاب کو حروف معجم (ا ب ت ث) کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اس لیے سب سے پہلے باب الف کا ذکر ہے اس باب میں ان سارے راویوں کا ذکر ہے، جن کا نام حرف "الف" سے شروع ہوتا ہے، اس میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، یوں لگتا ہے کہ جن کے نام بکثرت استعمال ہوتے ہیں، ان کو مقدم کیا ہے اور جس نام میں بہت سے افراد مشترک ہیں ان کو ایک باب کے ضمن میں اکٹھا ذکر کر دیا ہے، مثلاً ابراہیم میں وہ سارے راوی موجود ہوں گے جن کا نام ابراہیم ہے اور باب اسماعیل میں وہ راوی ملیں گے جن کا نام اسماعیل ہے۔ پھر ان ناموں کو ان کے والد کے نام کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، یعنی باب ابراہیم میں ان راویوں کا نام پہلے ملے گا جن کے والد کا نام حرف "الف" سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد وہ ابراہیم نامی راوی ہوں گے جن کے والد کا نام حرف "ب"۔

سے شروع ہوتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس

سارے حروف میں امام بخاری نے صحابہ کرام کے نام کو (اگر اس نام کے صحابی ہیں تو) مقدم رکھا ہے، اس کے بعد ہی دوسرے راویوں کے نام لکھے ہیں، ہر حرف میں مشترک اسما کے ذکر کرنے کے بعد اس حرف کے آخر میں مفردات (یعنی وہ راوی جس نام کا کوئی دوسرا راوی نہ ہو) اور مبہمات کا تذکرہ "ومن افراد الناس" کے زیر عنوان کیا ہے۔

چوں کہ کتاب بنیادی اعتبار سے حروف معجم پر مرتب ہے، اس لیے استفادہ قدرے آسان ہے، لیکن چوں کہ ترتیب میں صرف پہلے حرف کا اعتبار کیا گیا ہے، لہذا نام کی تلاش میں کچھ وقت لگتا ہے، کتاب کے آخر یا شروع میں موجود فہرست سے مدد لینے میں مزید سہولت سے مطلوبہ نام دستیاب ہوسکتا ہے۔ راوی کا نام جس حرف سے شروع ہوتا ہے، اس میں تلاش کرنے سے بسہولت مطلوب تک پہنچا جاسکتا ہے۔

نوعیت تراجم

ترجمہ میں عموماً راوی کے نام ونسب، نسبت وکنیت کا ذکر کیا ہے، نیز اس کے مقام وزمانے کی تحدید کی بھی بھرپور کوشش کی گئی ہے، کبھی کبھی سن وفات کا ذکر صراحت یا کسی واقعہ کی جانب اشارے سے کیا ہے۔

اسی طرح سے راوی کے بعض شیوخ وتلامذہ کا بھی ذکر کیا ہے اور کہیں کہیں بطور مثال ایک یا ایک سے زائد روایت کا بھی تذکرہ کیا ہے، جن کی تعداد تقریباً ہزار ہے۔

اس کتاب میں عموماً تراجم متوسط ہیں، جب کہ کہیں کہیں بہت مختصر بھی ہوگئے ہیں، بلکہ بعض اوقات کوئی خاص معلومات نہیں رہتی۔

کلمات جرح وتعدیل میں تورع

امام بخاریؒ کے تقوی وپرہیزگاری کا اس کتاب کی تالیف پر بہت گہرا اثر پڑا ہے، اسی لیے

الفاظ جرح وتعدیل کو بڑے محتاط انداز میں استعمال کیا ہے، عموماً آپ نے معتدل کلموں کا استعمال کیا ہے، جس سے راوی پر حکم معلوم ہو جائے مثلاً جرح کے لیے آپ کہتے ہیں کہ فیہ نظر، سکتوا عنہ اور تعدیل کے لیے ثقة، حسن الحدیث، آپ کا سب سے شدید کلمہ جو جرح کے لیے استعمال کیا ہے وہ منکر الحدیث کا کلمہ ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جو شخص امام بخاریؒ کے کلام کو جرح وتعدیل کے بارے میں غور سے دیکھے گا وہ خود بخود سمجھ لے گا کہ امام بخاریؒ نے کس طرح احتیاط سے کام لیا ہے، عموماً آپ نے سکتوا عنہ، فیہ نظر، ترکوہ جیسے کلمات کا استعمال کیا ہے، بہت کم کذاب یا وضاع کا اطلاق کیا ہے بلکہ کذبہ فلان، رماہ فلان، رمی بالکذب کہہ کر کام چلالیا ہے۔ (مقدمہ فتح الباری)

مسکوت عنہ کا حکم

اس کتاب میں بہت سے تراجم ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن میں آپ نے جرح وتعدیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ سکوت اختیار کیا ہے، کچھ علما نے سکوت بخاریؒ کو تعدیل پر محمول کیا ہے، حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ بعض بڑے بڑے ائمہ پر امام بخاریؒ نے سکوت اختیار کیا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ ، امام احمد بن حنبلؒ، احمد بن اشکاب وغیرہ جب کہ اس کے برخلاف کہیں کہیں مشہور ضعفا پر بھی سکوت اختیار کیا ہے جیسے محمد بن اشعث بن قیس کندی اور محمد بن ابراہیم یشکری، اور کہیں کہیں ایسے لوگوں پر سکوت اختیار کیا ہے جن کے تعیین میں شبہ ہے مثلاً محمد بن قیس اسدی، محمد بن قیس مکی، محمد بن کلیب مدنی۔

امام مزی نے عبدالکریم بن ابی مخارق کے ترجمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "من لم ابین فیہ جرحا فھو علی الاحتمال" کہ میں نے جن پر جرح کی وضاحت نہیں کی ہے تو وہ محتمل ہیں۔ (یعنی ثقہ اور غیر ثقہ دونوں ہو سکتے ہیں۔)

لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ جن راویوں پر امام بخاریؒ نے سکوت اختیار کیا ہے وہ ثقہ ہیں، بلکہ ایسے راویوں پر حکم کے لیے دوسروں کے اقوال کو معلوم کرنا پڑے گا اور ان کے حالات کی بنیاد پر صحیح حکم لگانا

پڑے گا۔

مصادر الکتاب

اس کتاب میں امام بخاریؒ نے جمع مواد کے لیے اپنی ذاتی معلومات پر اعتماد کیا ہے، نیز اپنے اساتذہ اور ان کے واسطہ سے ان کے مشائخ کے اقوال سے بھی استدلال کیا ہے، مثلاً ابن مبارکؒ، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل وغیرہ، جس سے کتاب کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

خصوصی اصطلاح

بعض کلمات جرح وتعدیل جو آپ نے اس کتاب میں استعمال کیا ہے وہ عام محدثین کے استعمال سے جدا ہیں، جن کی معرفت ضروری ہے، مثلاً جب آپ کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ "فیہ نظر" تو اس سے مراد "متروک" لیتے ہیں۔ قریب قریب یہی معاملہ "سکتوا عنہ" کا بھی ہے اور جب "منکر الحدیث" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی سے روایت کرنا جائز نہیں بلکہ وہ متروک ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمن فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے قول "فیہ نظر" سے "متروک" ہی مراد لینا یہ عام قاعدہ نہیں، اس طرح سے جب وہ "منکر الحدیث" کہتے ہیں تو اس سے ہمیشہ "لاتحل الروایۃ عنہ" (متروک) ہی مراد لینا درست نہیں، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راوی اس صورت متروک ہوتا ہے جب منفرد ہو، اسی وجہ سے بعض راویوں کو جس پر "منکر الحدیث" کا اطلاق کیا ہے، اور ان کو ضعفا میں نہیں ذکر کیا ہے۔ (دراسات فی الجرح والتعدیل)

اور جب کسی راوی پر لفظ "صدوق" کا اطلاق کیا ہے، تو اس سے مراد "ثقہ" لیا ہے۔

تاریخ کبیر پر ائمہ کا نقد اور اس کی حیثیت

ائمہ جرح وتعدیل کے کچھ عالی مرتبہ وصاحب نقد وبصیرت علما نے امام بخاریؒ کی کتاب تاریخ کبیر پر نقد کیا ہے اور آپ کی لغزشوں کو جمع کیا ہے۔

ڈاکٹر سعدی ہاشمی کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے یہ کام ابوزرعہ رازی نے ایک منفرد تالیف میں کیا ہے، اس کے بعد امام ابوحاتم رازی نے دوسری منفرد تالیف میں کیا ہے، پھر امام ابن ابی حاتم نے ان دونوں ائمہ کی تالیف کو یکجا کر کے اور اپنی معلومات کے سہارے سے الگ تیسری تالیف کی ہے اور اس کو اسی نام سے موسوم کیا ہے جس نام سے امام زرعہ نے موسوم کیا تھا۔

سعد ہاشمی نے جن نصوص کا سہارا لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ ان تینوں ائمہ کی الگ الگ اس سلسلے میں تصانیف ہیں بظاہر وہ نصوص مدعا پر دلالت سے قاصر ہیں، لیکن واقعہ جو بھی ہو تینوں نے الگ الگ تصنیف کر کے لغزشات کی گرفت کی ہو یا ان لوگوں نے اشارہ کر دیا ہو اور ابن ابی حاتم نے جمع کیا ہو، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ــریــ کی تین اہم شخصیتوں نے اس عظیم کتاب پر نقد کیا ہے اور جو تالیف اس سلسلہ میں کی ہے، اس کا نام "بیان خطاء ابی عبداللہ البخاری فی تاریخہ" رکھا ہے اس سے ملتی جلتی گرفت امام خطیب بغدادیؒ نے بھی کی ہے۔ جس کتاب کا نام انھوں نے "الموضح لأوھام الجمع التفریق" رکھا ہے، ان لغزشوں کی تعداد اس کتاب میں اسی (۸۰) ہے، اس کتاب پر جو نقد وگرفت کی گئی ہے اس میں اکثر وبیشتر معقول وجوہات کی بنا پر نا قابل قبول ہیں اور اتنی وسیع کتاب میں چند غلطیاں رہ جانا کتاب کی اہمیت کو کم نہیں کرتا ہے۔ (تعارف التاریخ الکبیر ماخوذ از جرح وتعدیل ص ۴۰۲ تا ۴۱۱ بحذف)

(۳) الجرح والتعدیل

عبدالرحمن ابن ابی حاتم رازی (متوفی ۳۲۷ھ)

تعارف

کتاب کے نام سے اس کا موضوع واضح ہے، انواع کتب جرح کے اعتبار سے اسے کتب

عامہ میں شمار کیا جاتا ہے، یہ تالیف اپنے فن میں انتہائی اہم اور مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، اسے کتب عامہ میں ام الکتب کی حیثیت حاصل ہے، طالبان علوم نبوت کے لیے یہ ایک گراں قدر علمی تحفہ اور بے مثال سرمایہ ہے۔

اس کے مؤلف نے صحابہ کرام سے لے کر اپنے عصر تک کے راویوں کا تذکرہ بغیر کسی خصوصیت کے کیا ہے، بنیادی طور پر یہ کتاب امام بخاریؒ کی کتاب "تاریخ کبیر" کی تکمیل ہے چوں کہ امام بخاریؒ کی کتاب اپنے فن کی اساسی کتاب ہے جس کو علمائے وقت نے حیرت واستعجاب سے دیکھا، لیکن اس کتاب میں عموماً راویانِ حدیث پر جرح وتعدیل کا حکم نہیں تھا، جو راویوں کے تراجم میں سب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔

امام ابوزرعہ اور امام ابو حاتم نے اسی کمی کو محسوس کیا اور اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے یہ سوچا کہ اس کتاب کو فنی اعتبار سے مکمل کر دیا جائے، انھوں نے یہ ذمہ داری امام عبدالرحمن بن ابو حاتم کو سونپ دی، کہ اس کتاب کے راویوں کے بارے میں ہم لوگوں سے معلومات لے کر اس کی تکمیل کریں، اب ان کے سامنے بطور قدوہ امام بخاریؒ کی کتاب تھی اور بحیثیت معلم امام ابوزرعہ اور امام ابو حاتم تھے، امام ابن ابی حاتم ان سے سوالات کرتے اور یہ دونوں ائمہ رجال پر جرح وتعدیل کا حکم لگاتے جاتے تھے، اگر کہیں غلطی تھی تو اس کی اصلاح بھی فرماتے تھے اور مزید راویوں کا اضافہ بھی فرماتے رہتے تھے۔

ابن عبدو یہ وراق فرماتے ہیں کہ "اعلم ان ابا زرعة وأبا حاتم لما حمل اليهما هذا الكتاب قال هذا علم حسن لا يستغني عنه ولا يحسن بنا ان نذكره عن غيرنا فاقعدا ابا محمد عبدالرحمن فسألهما عن رجل بعد رجل وزادا فيه ونقصا، ونسبه عبدالرحمن اليهما (تذکرۃ الحفاظ)

جب امام ابوزرعہ اور ابو حاتم کو یہ کتاب للتاريخ الكبير" ملی تو انھوں نے کہا کہ یہ ایسا علم ہے جس سے بے نیاز نہیں ہوا جا سکتا اور ہمارے لیے یہ مناسب بھی نہیں کہ (اس کی تکمیل کے لیے)

دوسرے سے کہیں، چناں چہ ان دونوں نے ابو محمد کو بٹھا کر یہ کام شروع کردیا، وہ فرداً فرداً ہر راوی کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور یہ دونوں حضرات جواب دیتے تھے، اسی طرح سے کچھ حذف واضافہ بھی کیا، اس تالیف کو ابو محمد نے ان دونوں ائمہ کی جانب منسوب بھی کردیا۔

مصادر کتاب

اس کتاب میں اول وہلہ میں تین بڑے بڑے ائمہ وقت (امام بخاریؒ، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم جو اپنی مثال آپ تھے) کے علم کا نچوڑ جمع ہوگیا، جو اس کتاب کی عظمت کے لیے کافی ہے، مزید برآں امام ابن ابی حاتم اس پر چار چاند لگاتے ہوئے چوٹی کے نقادوں کی گراں قدر معلومات کو جمع کرکے انتہائی جامع بنادیا، مذکورہ ائمہ نقاد کے علاوہ جن ناقدین کے اقوال سے اس کتاب کو مزین کیا گیا ہے ان میں امام شعبہ، عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، یحیی بن سعید قطان، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن زید، علی بن مدینی، عبدالرحمن بن مہدی، یحیی بن معین، امام احمد بن حنبل، عمرو بن علی فلاس رحمہم اللہ تعالی قابل ذکر ہیں، احتیاط کے سارے اصول کو اپناتے ہوئے ان ائمہ کے اقوال کو اپنی سند کے واسطے سے نقل کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایک ایک محدث کے کئی کئی شاگردوں سے معلومات اکٹھا کی ہے۔ (مقدمہ محقق)

اس طرح یہ کتاب اہم ترین اہل نقد کے اقوال کی جامع، ایک حسین گلدستہ اور مستند ترین تصنیف ہوگئی جو بعد میں آنے والوں کو اپنا محتاج بنا گئی۔

امام مزیؒ نے اس کتاب کو اقوال ائمہ کے جمع کرنے کے سلسلہ میں اپنی عظیم کتاب "تہذیب الکمال" کے لیے اہم مرجع بنایا ہے، فرماتے ہیں کہ "ان ما کان فی ھذا الکتاب من اقوال ائمۃ الجرح والتعدیل ونحو ذلک فعامتہ منقول من کتاب الجرح والتعدیل لابی محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی بن الحافظ ومن کتاب ـــ الخ یعنی اس کتاب (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال) میں ائمہ جرح وتعدیل کے جو اقوال ہیں ان میں سے اکثر وبیشتر امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابو حاتم

کی کتاب "الجرح والتعدیل" سے منقول ہیں۔

وقت نقل

نقل اقوال میں وقت کا یہ عالم تھا کہ راوی کے سلسلہ میں اگر کسی دوسرے ساتھی نے سوال کیا تو اس کی وضاحت کردی ہے، جس کا سوال انھوں نے نہیں کیا ہے، وہاں "سالت" کے بجائے "سئل" کا کلمہ استعمال کیا ہے، چناں چہ طاؤس بن کیسان کے ترجمہ میں یہ جملہ ملاحظہ کریں کہ "سألنا ابا محمد فقلنا هذا الذی تقول سئل ابوزرعة سأله غیرک وانت تسأله ؟ او سأله وانت لا تسمع ؟ فقال کلما اقول سئل ابوزرعه فانی قد سمعته منه الا انه ساله غیری بحضرتی فلذلک لا اقول سألته۔

اہم خوبی

امام ابن ابی حاتم نے صرف اقوال ہی کے جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے اور غامض ومتعارض اقوال سے صحیح حکم کا استخراج کیا ہے مشکل اور نادر کلمات کی وضاحت بھی فرمادی ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب اس فن کی سب سے اہم اور جامع تصنیف بن گئی ہے، اس لیے فنی اعتبار سے یہ کتاب "تاریخ کبیر" پر فوقیت رکھتی ہے، اس کے علاوہ دوسری حیثیت سے بھی اس پر فوقیت حاصل ہے، وہ کتاب کا جامع مقدمہ ہے جو مکمل ایک جلد پر مشتمل ہے، جس میں علم جرح وتعدیل کے پیچ وخم کو سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے، صحیح وسقیم حدیث میں تمیز کی اہمیت، معرفت رجال کی ضرورت، عدالت صحابہؓ اور راویوں کے طبقات کا ذکر، نیز مشہور ائمہ کا مبسوط ترجمہ بھی موجود ہے۔

تنظیم وترتیب

اس کتاب میں اٹھارہ ہزار چالیس تراجم ہیں، کتاب کی ترتیب تقریباً تاریخ کبیر کی طرح ہے، جو حروف معجم پر مرتب ہے، ہر حروف میں مختلف ابواب ہیں، تاریخ کبیر میں محمدین کا ترجمہ سب سے پہلے ہے، اس کتاب میں یہ تراجم حرف "میم" میں مذکور ہیں، اس میں بھی ترتیب میں صرف حرف اول کا

اعتبار کیا گیا ہے، اس طرح سے حرف الف سے شروع ہونے والے نام ابتدائی کتاب میں یکجا ہیں، باب الف میں سب سے پہلے "احمد" کا ذکر ہے، پھر جو نام مشہور یا بکثرت استعمال ہوتے ہیں ان کا ذکر ہے، اس طرح سے ہر حرف میں مختلف ذیلی ابواب پائے جاتے ہیں مثلاً باب ابراہیم، باب اسماعیل، اس میں جو اسما مشترک ہیں اور ان کی تعداد زیادہ ہے ان کو راوی کے والد کے نام پر مرتب کر دیا گیا ہے، مثلاً ابراہیم نام کے بہت سارے راوی ہیں، اس میں سب سے پہلے وہ ابراہیم مذکور ہیں جن کے والد کا نام حرف الف سے شروع ہوتا ہے، پھر وہ ابراہیم ہیں جن کے والد کا نام حرف "ب" سے شروع ہوتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس

جو اسما مشترک نہیں ہیں بلکہ اس نام کا صرف ایک ہی راوی ہے یا غیر منسوب ہے تو ایسے راوی کو ہر حرف کے آخر میں "باب الافراد" کے تحت ذکر کیا ہے، ہر نام میں اگر اس نام کے کوئی صحابی ہیں تو ان کو مقدم کر دیا گیا ہے، اسی ترتیب پر یہ کتاب حرف "الف" سے "ی" تک مرتب ہے، آخری کتاب قدرے متنوع کرتے ہوئے اور مفید تر بنانے کے لیے پانچ ابواب کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلا باب : ان راویوں کے لیے خاص ہے جو ابن فلاں سے مشہور ہیں۔

۲۔ دوسرا باب : ان راویوں کے لیے خاص ہے جو اخو فلاں سے مشہور ہیں۔

۳۔ تیسرا باب : ان راویوں کے لیے خاص ہے جو مبہم ہیں۔

۴۔ چوتھا باب : ان راویوں کے لیے خاص ہے جو کنیت سے مشہور ہیں۔

۵۔ پانچواں باب : ان خواتین کے لیے خاص ہے جو کنیت سے مشہور ہیں۔

طریقۂ استفادہ

اس طرح سے کتاب سے استفادہ آسان کرنے کے لیے اس کو بہت اچھی طرح منظم کیا گیا ہے، مطلوبہ راوی کا ترجمہ جس حرف سے شروع ہوتا ہے اس حرف میں اگر تلاش کیا جائے تو بہت جلد مل جائے گا، کتاب کی ہر جلد کے شروع یا آخر میں اس جلد کی فہرست بھی موجود ہے، اس سے مدد لی جائے تو

مزید آسانی ہوتی ہے، نیز اس کتاب کی مکمل فہرست الگ سے بھی مطبوع ہے، اس کے ذریعہ بھی مطلوبہ راوی اگر اس کتاب میں موجود ہے تو فوراً مل جائے گا۔

نوعیت تراجم

ترجمہ میں راوی کا نام، نسب ونسبت اور کنیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اس طرح سے بعض شیوخ اور بعض تلامذہ کا بھی ذکر پایا جاتا ہے، کہیں کہیں راوی کی رحلات علمیہ یا دیگر صفات خلقیہ یا خُلقیہ کا ذکر بھی کیا ہے، نیز راوی پر حکم صادر فرمایا ہے، عموماً تراجم متوسط اور کہیں کہیں بہت مختصر ہیں اور کہیں ایسا بھی ہے کہ کوئی خاص معلومات نہیں ہے۔

کہیں کہیں صرف راوی کا نام ہے اور روی عن۔۔۔ اور روی عنه۔۔۔ کہہ کر خالی جگہ چھوڑ دی ہے، بعض مقامات پر راوی کا نام بھی نہیں بلکہ صرف روی عن۔۔۔ اور روی عنه۔۔۔ موجود ہے۔

سکوت عنہ کا حکم

اس کتاب میں بھی بہت سارے تراجم ایسے ہیں جو حکم سے یکسر خالی ہیں، جس کا بظاہر مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان ائمہ کو اس راوی کے بارے میں مکمل معلومات نہیں مل سکی، اس سکوت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ راوی ابن ابی حاتم کے نزدیک ثقہ ہے، جیسا کہ بعض علما کا خیال ہے ان کی تردید کے لیے امام ابن ابی حاتم کا یہ فرمان کافی ہے کہ "انا قد ذکرنا اسامی مهملة عن الجرح والتعديل كتبناها ليشتمل الكتاب على كل من روى عنه العلم رجاء وجود الجرح والتعديل فيهم فنحن ملحقوها بهم ان شاء الله۔ (الجرح والتعدیل)

ہم نے کچھ ناموں کو جرح وتعدیل سے خالی ذکر کیا ہے تا کہ یہ کتاب ان تمام راویوں کو شامل ہو جائے جن سے علم مروی ہے اس امید پر ایسا کیا ہے کہ ممکن ہے کہ جرح وتعدیل کا آئندہ پتہ چل جائے تو ہم ان شاء اللہ اس کو لکھ لیں گے۔

شیخ عداب محمود الحمش نے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد خاتمے میں جو نتیجہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے کہ " فمجرد سکوت ابن ابی حاتم والبخاری عن الراوی واخراج ابن حبان له فی ثقاته لیس توثیقا له " یعنی ابن ابی حاتم، امام بخاری کا مجرد سکوت اختیار کرنا نیز ابن حبان کا اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کرنا توثیق نہیں۔(رواۃ الذین سکت عنھم ائمة الجرح والتعدیل)

خصوصی اصطلاح

اس کتاب کے کچھ خصوصی مصطلحات ہیں مثلاً جب ابن ابی حاتم یہ فرماتے ہیں کہ " فلاں مجہول " تو ان کا مقصد اس سے " جہالت حال " ہوتا ہے جب کہ عام محدثین کے یہاں یہ کلمہ " جہالت عین " کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔(تعارف الجرح والتعدیل ماخوذ از جرح وتعدیل ص ۲۲۱ تا ۲۲۳ بحذف)

(۴) الضعفاء الکبیر

تالیف: حافظ ابو جعفر عقیلی (متوفی ۳۲۲ھ)

محتویات

یہ کتاب آپ کی ان گراں قدر تصانیف میں سے ہے جس کو فنی اعتبار سے مکمل اور جامع کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے، اس کتاب میں جملہ متکلم فیہ راویوں کا تذکرہ مصنف نے اپنے علم کے مطابق کیا ہے، اس طرح اس میں کذاب، متہم بالکذب، مجہول، ضعیف، نیز داعی بدعت راویوں کا تفصیلی تذکرہ پایا جاتا ہے، اس میں ان بعض راویوں کا بھی ذکر آگیا ہے جو صحیحین کے راوی ہیں، اور ان پر کلام کیا گیا ہے۔(مقدمہ محقق)

ترتیب

اس کتاب کو امام عقیلی نے حروف معجم پر مرتب کیا ہے، لیکن یہ ترتیب متقدمین کے طرز پر ہے جس میں نام کے صرف پہلے حرف کا اعتبار کیا جاتا تھا دوسرے حرف کا اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔

لہٰذا حرف الف سے شروع ہونے والے تمام راویوں کے نام اور ان کے حالات اس کتاب کے بالکل ابتدا میں ملیں گے، البتہ داخلی ترتیب میں ناموں میں تقدیم وتاخیر پائی جاتی ہے، بکثرت استعمال ہونے والے ناموں کو ابواب پر تقسیم کر دیا گیا ہے، مثلاً باب ابراہیم، باب اسماعیل وغیرہ۔ حرف الف کے ختم ہونے کے بعد حرف ب سے شروع ہونے والے راویوں کے نام اور حالات مذکور ہیں، اسی طرح سے آخری حرف تک یہ کتاب اس ترتیب پر مرتب ہے۔

اس لیے راویوں کا نام تلاش کرنے میں کوئی دقت و پریشانی نہیں ہوتی، تلاش کے عمل کو مزید آسان بنانے کے لیے مطبوعہ جلدوں کے آخر میں ہر جلد کی فہرست منسلک کر دی گئی ہے جس سے بہت مدد ملتی ہے۔

نوعیت تراجم

ترجمہ میں راوی کا نام ونسب اور کنیت کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد راوی پر حکم لگانے کے لیے ائمۂ جرح وتعدیل کے اقوال کو بطور استدلال ذکر کیا گیا ہے، قابل قدر بات یہ ہے کہ ان محدثین ائمہ کے اقوال کو امام عقیلی نے اپنی سند سے ذکر کیا گیا ہے۔

جن علما کے اقوال کو اس کتاب میں بطور مصدر ذکر کیا گیا ہے ان میں مشہور ائمہ فن عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، امام بخاری رحمہم اللہ علیہ قابل ذکر ہیں، بہت سے راویوں پر اپنا ذاتی فیصلہ بھی سنایا ہے جس کی دلیل ذکر کر دی ہے۔

راوی کے ترجمہ میں ایک دو عدد غریب اور منکر حدیثوں کا ذکر بطور نمونہ کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب ضعیف اور موضوع حدیثوں کی معرفت کے لیے اہم مصدر بن گئی ہے۔ بعض تراجم مختصر اور بعض کثرت اخبار کی بنا پر مطول بھی ہیں۔

خاص اصطلاح

ایک خاص بات یہ ہے کہ امام عقیلیؒ کا موقف جرح رجال کے بارے میں قدرے وسیع ہے، اس لیے بہت سے راویوں کو غیر مسلہ اسباب جرح کی بنا پر انھوں نے ضعیف قرار دے دیا ہے، اس لیے مذکورہ راوی ان کے یہاں اگرچہ ضعیف سمجھا جائے گا لیکن ضروری نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی ضعیف ہو، صحیحین کے جو راوی اس کتاب میں آ گئے ہیں عموماً ان کا حال یہی ہے، کچھ ایسے افراد کو جو فتنۂ خلق قرآن میں ابتلا و آزمائش سے بچنے کے لیے خلق قرآن کے قائل تھے یا جن کے یہاں کوئی بھی بدعت پائی جاتی تھی خواہ وہ جرح کے لائق ہو یا نہ ہو محض اس بنیاد پر ضعیف قرار دیدیا ہے۔ (دراسات فی الجرح والتعدیل)

اسی طرح سے بعض راویوں کو تفرد کی بنیاد پر "لا یتابع علیہ" کہہ کر ضعیف قرار دے دیا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب میں انھوں نے علی بن مدینی جیسے امام فن کا تذکرہ کیا ہے۔

امام ذہبی کا تبصرہ

ان کا جواب حافظ ذہبی نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ ہر تفرد قابل گرفت نہیں ہوتا ہے، بلکہ ثقہ اور متقن کا تفرد صحیح ہوتا ہے، صدوق اور اس سے نیچے درجے کے راوی کا تفرد منکر ہوتا ہے۔

نیز فرمایا کہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو صاحب بدعت ہو یا جس سے کوئی لغزش یا غلطی پائی جائے تو اس کی روایت بھی مردود ہو اور نہ ثقہ ہونے کے لیے یہ شرط ہی ہے کہ آدمی معصوم عن الخطا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان رواۃ کی دیگر ائمہ کے اقوال کی روشنی میں مزید تحقیق کر لی جائے جن کے بارے میں "لا یتابع علیہ" کہا گیا ہے۔ (تعارف ماخوذ از جرح و تعدیل ص ۱۴۱ تا ۱۴۳ بحذف)

(۵) المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین

تالیف : ابن حبان بُستی (متوفی ۳۵۴ھ)

تعارف و مشتملات

یہ کتاب امام ابو حاتم بن حبان بستی کی گراں قدر تالیف ہے جو کتب رجال کے فن ضعفا میں دوسری اہم اور بنیادی کتاب ہے، مولفِ کتاب نے اس کتاب کو امام بخاری کی عظیم تصنیف "تاریخ کبیر" سے مختصر کیا ہے۔تاریخ کبیر میں ہر طرح کے راویوں اور ان کے حالات کا تفصیلی ذکر تھا، چوں کہ یہ کتاب بڑی طویل اور مفصل تھی اس کا حفظ کرنا مشکل تھا، اس لیے اس کو دو قسموں میں مختصر کر کے تقسیم کر دیا تا کہ اس کا حفظ کرنا اور اس سے استفادہ آسان ہو۔پہلی قسم میں صرف ثقہ راویوں کو طبقات پر مرتب کیا۔یہ کتاب "الثقات" کے نام سے مشہور ہے، دوسری قسم میں ضعیف راویوں کو جمع کیا ہے۔یہی کتاب "المجروحین من المحدثین" کے نام سے مشہور ہے، جو "الثقات" کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔

کتاب کو ایک طویل علمی مقدمہ سے شروع کیا ہے جو ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے اس مقدمہ میں جرح و تعدیل سے متعلق نہایت اہم و ضروری معلومات کا تذکرہ ہے، جس میں سنت رسول ﷺ کی حفاظت کی تاکید، کذب بیانی اور وضع حدیث پر وعید، ضعفا اور مجروحین کی معرفت کی ضرورت پر زور دیا ہے اور براہین ساطعہ سے اس کو ثابت کیا ہے، اس کے بعد صحابہ اور ائمہ دین کی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو شرع متین کی حفاظت کے لیے انھوں نے کی تھی، پھر مجروحین راویوں کو بیس قسموں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کے بعد ان ثقہ راویوں کا ذکر کیا ہے جن کی روایت قابل احتجاج نہیں ہوتی، ان کی چھ قسمیں بتائی ہیں۔

ترتیب

اس طویل علمی مقدمہ کے بعد اصل کتاب کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، لیکن اس ترتیب میں متقدمین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حرف ثانی کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ ہر حرف سے شروع ہونے والے ناموں کو اس کے باب میں ذکر کر دیا ہے، لہذا راویوں کا نام تلاش کرنے میں اس ناحیہ سے آسانی ضرور ہوتی ہے، کہ ایک حرف سے شروع ہونے والے نام اکٹھا مل جاتے ہیں لیکن تقدیم و تاخیر کی بنا پر ناموں

کی تلاش میں کچھ وقت بھی لگ سکتا ہے، تلاش کے عمل کو آسان بنانے کے لیے ہر جلد کے آخر میں فہرست لگادی گئی، جو کتاب کی ترتیب پر مرتب ہے، اس سے قدرے آسانی ہوجاتی ہے، اس کو مزید آسان بنانے کے لیے تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کی دقیق فہرست حروف تہجی پر مرتب کردی گئی ہے۔

حرف "الف" کے بعد حرف "ب" کو مذکورہ ترتیب پر مرتب کیا ہے اسی طرح سے پوری حرف "الف" سے "ی" تک مرتب ہے، ناموں کے ختم ہونے کے بعد کنیت کا ذکر کیا ہے۔

کتاب میں پہلا نام ابان بن ابی عیاش کا ہے اور آخری نام الیسع بن طلحہ کا ہے پہلی کنیت ابوبکر بن عبداللہ اور آخری کنیت ابوطیب حربی کی ہے، اس طرح اس کتاب میں تقریباً (۱۲۷) راویوں کا ترجمہ پایا جاتا ہے۔

نوعیت تراجم

ترجمہ میں راویوں کے نام ونسب، نسبت اور کنیت کا ذکر کیا ہے عموماً راوی کے بعض اساتذہ شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے، ہر راوی پر مختلف کلمات کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، بعض ائمہ فن کے اقوال سے بھی استدلال کیا ہے، جن کو بذریعہ سند نقل کیا ہے، راوی کے سبب ضعف کو بھی بتادیا ہے اور بطور مثال کچھ منکر روایتوں کا بھی ذکر کیا ہے، اس لیے اس کتاب میں احادیث موضوعہ اور ضعیفہ کی اچھی خاصی تعداد ہے، اس میں سے تقریباً ساری روایتوں کو ابن الجوزی نے "الموضوعات الکبری" میں جمع کیا ہے، اس کتاب کے تراجم عموماً متوسط ہیں اور یہ کتاب اپنے موضوع کی سابقہ کتاب "الضعفاء الکبیر للعقیلی" سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔

خصوصی اصطلاح

جرح وتعدیل کے سلسلہ میں امام ابوحاتم بن حبان کا خصوصی نقطہ نظر ہے جو عام محدثین سے مختلف ہے ان کا یہ خیال ہے کہ جس راوی کے بارے میں کوئی جرح معلوم نہ ہو تو وہ عادل سمجھا جائے گا،

کیوں کہ لوگوں کو اس کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے، کہ وہ نامعلوم اور مخفی چیزوں کی جستجو کریں۔

ابن حجر کا تبصرہ

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن حبان کا یہ مذہب کہ راوی اگر مجہول معین نہ ہو تو عادل سمجھا جائے گا، یہاں تک کے جرح کے بارے میں اس کا پتہ لگ جائے، عجیب نقطہ نظر ہے، جمہور اس کے خلاف ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان کے یہاں جہالت عین ایک شخص کی روایت سے ختم ہو جاتی ہے، یہی مذھب ان کے شیخ ابن خزیمہ کا بھی ہے حالاں کہ دوسروں کے یہاں وہ مجہول ہوتا ہے، کیوں کہ جہالت حال باقی رہتی ہے۔(لسان المیزان، تعارف ماخوذ از جرح وتعدیل از ص ۲۴۴ تا ۲۴۴ بحذف)

(۲) الکامل فی ضعفاء الرجال

تالیف: حافظ ابن عدی (متوفی ۳۶۵ھ)

یہ کتاب ضعفائے رجال میں سب سے اہم اور جامع کتاب ہے، علمائے جرح وتعدیل نے اس کتاب کو اپنی تالیف کے لیے مرجع بنایا ہے اور راویوں کے بارے میں آپ کے اقوال کو بطور فیصل تسلیم کیا ہے، خاص طور پر امام ذہبی نے اپنی نادر تالیف "میزان الاعتدال" کے لیے اس کتاب کو بنیاد بنایا ہے، دیگر علمائے جرح وتعدیل نے بھی اس کتاب کو بڑی اہمیت دی ہے۔

مشتملات

امام ابن عدی نے اس کتاب کو ایک گراں قدر علمی مقدمہ سے شروع کیا ہے، جو (۳۷۶) پر ختم ہوتا ہے، اس مقدمہ میں کذب بیانی کی فضیحت، حدیث رسول ﷺ میں دروغ گوئی پر وعید اور سزا، بعض صحابہ کی قلت روایت کے اسباب، کتابت حدیث کا جواز اور عدم جواز کا معاملہ، کاذبین کی قسمیں، ائمہ جرح وتعدیل کے تراجم کا ذکر (صحابہ سے لیکر مؤلف کے زمانہ تک جو اس مقدمہ کا سب سے اہم جزء ہے) اس کے بعد غیر ثقات سے روایت کرنے کا نقصان، صالحین سے غفلت اور دروغ گوئی کا

صدور اور آخر میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے اور جن سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، اس کتاب میں ان تمام راویوں کا تذکرہ ہے جن پر کسی طرح کلام کیا گیا ہے، خواہ وہ قادح ہو یا غیر قادح، اسی وجہ سے بہت سے ائمہ اور محدثین کے رجال کا تذکرہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤلف نے جملہ متکلم فیہ راویوں کے جمع کرنے کا قصد کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ التزام کرنا پڑا کہ اس میں ہر شخص کا تذکرہ کیا جائے، جس پر کسی کا بھی کلام ہو، اسی وجہ سے بہت سے راویوں کا ذکر کرنے کے بعد ان کی طرف سے دفاع بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کتاب میں ذکر کرنے کا مقصد ان پر عیب لگانا نہیں ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں یذکر فی الکامل کل من تکلم فیہ بادنی شیء ولو کان من رجال الصحیحین لکنہ ینتصر لہ اذا امکن، ویروی فی الترجمۃ حدیثا او احادیث مما استنکر للرجل، وھو منصف فی الرجال بحسب اجتہادہ۔ (سیر اعلام النبلاء)

ترتیب

کتاب کو حروف تہجی پر مرتب کیا گیا ہے، اس کی ترتیب بھی اس مرحلہ کی سابقہ دونوں کتابوں کی طرح ہے، یعنی صرف پہلے حرف کا اعتبار کیا گیا ہے، دوسرے کا نہیں، لہذا ہر حرف سے شروع ہونے والے نام اکٹھا بآسانی دستیاب ہوسکتے ہیں، البتہ تقدیم وتاخیر کی وجہ سے کچھ وقت لگ سکتا ہے، کتاب سے استفادہ کو مزید آسان بنانے کے لیے ہر جلد کے آخر میں فہرست مرتب کردی گئی ہے، جس سے بہت مدد ملتی ہے۔

نوعیت تراجم

تراجم میں حسب ونسب پر زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے، بلکہ راوی کے نام مع ولدیت بعض مشائخ اور نسبت پر اکتفا کیا ہے تاریخ وفات کو بھی بہت کم ذکر کیا ہے۔

ہر راوی کے بارے میں اپنا واضح فیصلہ سنا دیا ہے جو عموماً ہر ترجمہ کے آخر میں ہے، اس فیصلے کا انتخاب متکلم فیہ راوی کی روایتوں کی چھان بین کے بعد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیصلے عموماً معتدل ہیں۔

علمائے نقاد کے اقوال سے بھی استفادہ کیا ہے، ان اقوال کو اپنی سند کے واسطہ سے ذکر کیا ہے، جو اس مرحلہ کی کتابوں کی اہم خصوصیت ہے۔

ہر راوی کے ترجمہ میں بطور مثال ایک یا چند ضعیف روایتوں کا بھی ذکر کیا ہے کثرت اخبار کی وجہ سے بعض تراجم طویل ہو گئے ہیں اور اسی بنا پر اس کتاب میں ضعیف اور منکر روایتوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، جو ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔ ناموں کے ختم ہونے کے بعد آخر میں ان راویوں کا ذکر کیا ہے جو کنیت سے مشہور ہیں۔

علما کی نگاہ میں

اہل علم نے اس کتاب کو بہت پسند کیا ہے، حمزہ بن یوسف سہمیؒ نے جب امام دار قطنیؒ سے یہ درخواست کی کہ فن ضعفا میں کوئی کتاب تصنیف کر دیں تو انھوں نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس ابن عدی کی کتاب نہیں ہے؟ امام سہمیؒ نے کہا جی ہاں موجود ہے، امام دار قطنیؒ نے فرمایا کہ بس وہ کتاب کافی ہے اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ (تاریخ جرجان)

امام خلیلی نے فرمایا ہے کہ ضعفائے رجال میں ابن عدی کی جو تالیف ہے اس طرح کی کوئی دوسری کتاب نہیں۔ (مقدمہ کامل گی سامرائی)

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عدی کی کتاب "الکامل" اس فن کی سب سے زیادہ جامع اور عظیم کتاب ہے۔ (میزان الاعتدال)

امام سبکی فرماتے ہیں کہ: " و کتابہ الکامل طابق اسمہ معناہ ووافق لفظہ فحواہ من عینہ انتجع المنتجعون وبشہادتہ حکم الحاکمون " ابن عدی کی کتاب " الکامل " اسم با مسمی ہے، اس کے الفاظ کلام کے ضمن مطابق ہیں اسی چشمہ سے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا ہے اور انھیں کی شہادت سے فیصلہ کیا ہے۔ (طبقات الشافعیہ الکبری)

ذیول واختصار

ابن رومیہ نے " الحافل فی تکملۃ الکامل " اور ابن طاہر نے " تکملۃ الکامل " کے نام سے کتاب پر ذیل تحریر کیا ہے، نیز ابن ایبک دمیاطی نے اس کو مختصر کیا ہے، جو کتاب کی اہمیت پر غماز ہے۔ (تعارف ماخوذ از جرح وتعدیل ص ۲۴۴ تا ۲۴۶)

(۷) معرفۃ الثقات

تالیف : حافظ عجلی (متوفی ۲۶۱ھ)

مشتملات

یہ کتاب فنی اعتبار سے رجال ثقات پر پہلی کتاب ہے، جس میں ضمناً کچھ ضعفا کا ذکر بھی پایا جاتا ہے، اس کتاب کو امام عجلی نے بدست خود تحریر نہیں کیا تھا بلکہ سوالات وجوابات کا یہ مجموعہ ہے، اسی وجہ سے یہ کتاب غیر مرتب ہے۔

نام کتاب

حتی کہ نام کے بارے میں بھی اختلاف ہے، کیوں کہ امام عجلی یا ان کے صاحبزادے نے اس کتاب کا کوئی معین نام نہیں رکھا تھا، غالباً اسی وجہ سے اختلافات ہوئے، ابتدا میں یہ کتاب " سوالات ابو مسلم " کے نام سے مشہور تھی۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کو اصحاب تراجم نے ان کی تالیفات میں " الجرح والتعدیل " اور " کتاب التاریخ " کے نام سے موسوم کیا ہے، جب کہ کتاب کے مرتبین نے

اس کو "معرفۃ الثقات" کا نام دیا ہے، نیز یہی کتاب "تاریخ الثقات" اور "الثقات" کے نام سے موسوم ہے۔

ترتیب

چونکہ اصل کتاب غیر مرتب تھی لیکن فنی اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل تھی، اس لیے اس کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر متاخرین کے دو ممتاز علمائے دین نے اس کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے، تاکہ استفادہ آسان ہو، سب سے پہلے امام تقی الدین سبکی (متوفی ۷۵۶ھ) نے پھر اور امام نور الدین ہیثمی (متوفی ۸۰۷ھ) نے حافظ عراقی کے کہنے پر مرتب کیا ہے۔

جناب ڈاکٹر عبد العلیم صاحب بستوی حفظہ اللہ نے انھیں دونوں ترتیبوں کو حافظ ابن حجر کی کتاب "تہذیب التہذیب" سے مزید اضافہ کے ساتھ تحقیق کیا ہے جو دو جلدوں میں مطبوع ہے، اصل کتاب کا کچھ ہی حصہ موجود ہے، بقیہ مفقود ہے اس لیے یہی ترتیب اصل کے قائم مقام ہے۔

جناب ڈاکٹر عبد المعطی نے امام عجلی کی کتاب کی دوسری ترتیب جس کو امام ہیثمی نے مرتب کیا تھا "تہذیب التہذیب" سے کچھ اضافہ کے ساتھ تحقیق کرکے ایک جلد میں شائع کیا ہے، جس کو "تاریخ الثقات" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان ترتیبوں میں امام سبکی کی ترتیب زیادہ مفید اور جامع ہے، اس لیے کہ انھوں نے اصل کتاب میں سے کچھ حذف نہیں کیا ہے، نیز انھوں نے اس کتاب پر علمی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ چوں کہ ڈاکٹر عبد العلیم صاحب نے سبکی اور ہیثمی دونوں کی ترتیبوں کو سامنے رکھا ہے اس وجہ سے ان کی تحقیق زیادہ مفید ہے۔

نوعیت تراجم

کتاب کے اکثر و بیشتر تراجم مختصر ہیں، جن میں راوی کا نام و نسب مختصراً ذکر کرکے حکم لگا دیا گیا

ہے، راوی کے صحابی یا تابعی ہونے کی بھی وضاحت کردی ہے۔

کہیں کہیں راوی کے بچوں اور بھائیوں کا بھی ذکر پایا جاتا ہے، اسی طرح سے راوی کے مذہب، کاروبار، نیز علمی خصوصیت کا بھی ذکر کیا گیا ہے، کہیں کہیں اخبار وحکایات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

مصادر کتاب

عموماً اس کتاب میں راویوں پر اپنی ذاتی معلومات کی بنیاد پر فیصلہ کیا گیا ہے، کہیں کہیں دوسرے ناقدین کے اقوال سے بھی استدلال کیا ہے، جن میں عبداللہ بن مبارک، ابن ابی ذئب، ابن مہدی، ابن معین، امام شعبہ اور مؤلف کتاب کے والد عبداللہ قابل ذکر ہیں۔

علما کی نگاہ میں

یہ کتاب اپنی جگہ انتہائی اہم ومفید ہے جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ علما کے جم غفیر نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ امام عجلی کے بعد جن لوگوں نے اس فن میں کتابیں لکھی ہیں انھوں نے ان کے فیصلہ کو قبول کیا ہے اور اپنی تالیفات میں ان کے اقوال کو بطور استدلال ذکر کیا ہے۔

ابوالعباس اندلسی راوی کتاب فرماتے ہیں کہ: میں نے مصر میں بعض ائمۂ حدیث سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مبتدی طالب علم کو سب سے پہلے یہ کتاب پڑھنی چاہیے، علم حدیث کی ایک بڑی جماعت نے مجھ سے اس کو پڑھا ہے اور جس شخص نے بھی اس کتاب کو دیکھا اس نے اس کو نقل کرلیا یا پڑھا یا استفادہ کیا۔

اسی اہمیت کے پیش نظر علما نے اس کو مرتب کیا ہے، اس کی ترتیب کے منظر عام پر آجانے سے استفادہ انتہائی آسان ہوگیا ہے، جس راوی کا نام معلوم کرنا ہو پہلے یہ معلوم کرلیں اس کا نام کس حرف سے شروع ہوتا ہے پھر جس جگہ ترتیب میں اس کا نام آسکتا ہے وہاں تلاش کرنے سے وہ فوراً مل جائے گا۔

خاص اصطلاح

امام عجلیؒ نے بعض ایسے کلمات جرح وتعدیل کا استعمال کیا ہے جو دیگر نقاد سے مختلف ہے، بنا بریں ان پر تساہل پسندی کا حکم لگایا گیا ہے، مثلاً انھوں نے کلمہ "ثقۃ" کا استعمال کبھی کبھی ایسے راویوں پر کردیا ہے جو "صدوق" یا اس سے کمتر درجہ کے لائق ہیں، اسی طرح "لا بأس بہ" کا اطلاق ایسے لوگوں پر بھی کردیا ہے جو "ضعیف" ہیں نیز کلمہ "ضعیف" کا اطلاق ایسے لوگوں پر کردیا ہے جو متروک ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ "مجہول" راویوں کی بھی انھوں نے توثیق کردی ہے۔

شیخ معلمیؒ فرماتے ہیں: امام عجلی علامہ ابن حبان سے مجاہیل کی توثیق میں بہت مشابہ ہیں۔

اگر چہ اپنے اس منہج کو انھوں نے ہر جگہ استعمال نہیں کیا، پھر بھی کہیں کہیں اس کا استعمال ضرور ہوا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ آپ کی توثیق غیر معتبر ہے، یا کتاب کی کوئی علمی قیمت نہیں ہے، آپ امام فن اور صاحب نقد وبصیرت ہیں، ہر ایک کا اپنا اپنا منہج اور طریقہ ہوتا ہے، جو دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، چوں کہ آپ پر ورع وتقوی غالب تھا، اس لیے شدید کلمات کے استعمال سے آپ نے پرہیز کیا ہے، جس میں کچھ اختلاف رائے کا بھی دخل ہوسکتا ہے۔ (تعارف ماخوذ از جرح وتعدیل ص ۴۴۵ تا ۴۵۷)

(۸) الثقات

تالیف: علامہ ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ)

تعارف

یہ تصنیف حافظ ابن حبان کی ہے جو اپنے فن میں ایک نادر علمی شاہکار ہے اور اس فن کی سب سے عظیم کتاب ہے۔

اس کو حافظ ابن حبان نے امام بخاری کی طویل کتاب "التاریخ الکبیر" سے مختصر کیا ہے، اس

میں صرف انھیں راویوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی خبریں قابل قبول ہوتی ہیں، لہذا ہر وہ راوی جس کا تذکرہ اس کتاب میں آگیا ہے کم از کم وہ قابل احتجاج ہے، مؤلف نے اس کی جانب یوں اشارہ کیا ہے ولا اذکر فی ھذا الکتاب الاول الا الثقات الذین یجوز الاحتجاج بخبرہ اذا تعری خبرہ عن خصال خمس

نیز اس میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جو دوسروں کے یہاں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان کے یہاں دلائل کی بنیاد پر قابل قبول ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: "انما اذکر فی ھذا الکتاب الشیخ بعد الشیخ وقد ضعفہ بعض ائمتنا ووثقہ بعضھم فمن صح عندی منھم انھم ثقات بالدلائل النیرۃ ادخلناہ فی ھذا الکتاب، ومن صح عندی انہ ضعیف لم اذکرہ فی ھذا الکتاب۔

ترتیب

بنیادی طور پر یہ کتاب طبقات پر مرتب ہے، جس میں کل چار طبقات کیے گئے ہیں۔

(۱) طبقۂ صحابہ

(۲) طبقۂ تابعین

(۳) طبقۂ تبع تابعین

(۴) طبقۂ تابع تبع تابعین

پھر ہر طبقہ کو حروف معجم پر مرتب کیا گیا ہے، تاکہ استفادہ میں آسانی ہو، البتہ اس ترتیب میں صرف حرف اول کا خیال کیا گیا ہے، اس لیے ہر حرف سے شروع ہونے والے تراجم یکجا مل جاتے ہیں، لیکن چوں کہ حرف میں داخلی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے اس لیے کسی نام کی تلاش کے لیے کبھی کبھی اس حرف کے جملہ تراجم پر نظر ڈالنی پڑسکتی ہے، ہر حرف کے آخر میں ان خواتین کا تذکرہ ہے، جن کا نام اس حرف سے شروع ہوتا ہے، اس طرح سے ایک طبقہ کے مکمل ہونے کے بعد دوسرے طبقہ کو مذکورہ ترتیب پر مرتب کیا ہے، اس طرح یہ کتاب طبقات اور حروف دونوں پر مرتب ہے۔

ہر طبقہ کے آخر میں اس طبقہ کے ان راویوں کا ذکر ہے جو کنیت سے مشہور ہیں طبقہ اولیٰ (طبقہ صحابہ) میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے احادیث مروی ہیں، ان میں عشرہ مبشرہ کو مقدم کیا گیا ہے، مؤلف کتاب اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "انا ذاکرون اسماء الصحابة وتقصد منهم من روی عنهم الاخبار ونقصد فی ذکر هؤلاء المعجم من اسمائهم لتکون اسهل

اس کتاب کی ابتدا سیرت نبوی سے کی گئی ہے، اس کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر خلفا کا ذکر (۵۳۳ھ) تک کیا ہے، پھر عشرہ مبشرہؓ کا ذکر ہے اس کے بعد کتاب طبقات پر مرتب ہے۔

طریقۂ استفادہ

لہذا کتاب سے استفادہ آسان ہے، اس کو مزید آسان بنانے کے لیے امام ہیثمی نے پوری کتاب کو حروف معجم پر مرتب کردیا ہے۔

اس کتاب کی ایک جدید فہرست "اتمام الانعام" کے نام سے تیار کی گئی ہے، جو الدارالسلفیہ ممبئی سے طبع ہوکر منظر عام پر آگئی ہے، لہذا اس کتاب کے سہارے استفادہ انتہائی سہل ہوگیا ہے۔

نوعیت تراجم

مترجم لہم راویوں کا نام ونسب، نسبت وکنیت، مشہور اساتذہ وتلامذہ کا ذکر کیا گیا ہے، کبھی کبھی سن وفات اور مقام وفات بھی بتایا گیا ہے، تراجم عموماً مختصر تین چار سطر پر مشتمل ہوتے ہیں، کبھی کبھی اس سے کم یا زیادہ ہوتے ہیں، جس کی وجہ مؤلف نے یہ بتائی ہے کہ تاکہ جو اس کتاب کو حفظ کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے آسانی ہو۔

صحابہ کرامؓ کے تراجم میں خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے کہ ان کا تعلق کس شہر سے تھا اور ان کی روایتیں کس مقام پر زیادہ مشہور ہوئیں۔

خصوصی اصطلاح

حافظ ابن حبان کے بارے میں علما کی مختلف آرا ہیں۔ ابن حبان کی طرف جو تساہل فی التوثیق کی نسبت کی جاتی ہے۔اس کی نفی حافظ سیوطی، حازمی، عماد ابن کثیر، علامہ لکھنوی، ظفر احمد تھانوی وغیرہ حضرات نے کی ہے۔ ابن حبان کے بارے میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی یہ رائے ہے کہ ابن حبان جرح کرنے میں متشدد تھے اور تعدیل میں متساہل تھے۔اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر وہ راوی جس سے جہالت عین ختم ہوجائے وہ ان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے تا آں کہ اس راوی کے بارے میں کسی کی طرف سے جرح ثابت ہوجائے۔ حافظ ابن حبان کا یہ ایسا مسلک ہے جس میں انھوں نے جمہور کی مخالفت کی ہے۔ علامہ کوثری نے مقالات الکوثری میں متعدد مقامات پر علمائے متقدمین ومتاخرین سے ابن حبان کے متساہل ہونے کو نقل کیا ہے اس لئے اگر کسی کتاب میں یہ جملہ ہو کہ ثقہ ابن حبان یا ذکرہ ابن حبان فی الثقات تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس راوی سے صرف جہالت عین منتفی ہوئی ہے۔ جہالت حال کی نفی نہیں ہوئی اور اس راوی کے بارے میں کسی جرح کا علم نہیں ہوا ہے۔(الرفع والتکمیل ص ۲۳)

اس لئے باحث کو چاہیے کہ وہ ابن حبان کی کسی راوی کی توثیق کرنے کی وجہ سے یا ابن حبان کے اپنی کتاب الثقات میں ذکر کردینے سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ اس راوی کی مزید تحقیق کے لئے اس راوی کے متعلق دیگر علمائے جرح وتعدیل کے اقوال کو تلاش کرے۔

امام ابن حبان کے متشدد اور متساہل ہونے کے بارے میں حقیقت جو بھی ہو یہ کتاب فن ثقات کی نادر ترین تصنیف ہے، چوں کہ فن جرح وتعدیل انتہائی نازک وحساس علم ہے اس لیے اس میں راویوں کے پرکھنے کا معیار مختلف ہونا ناگزیر ہے۔

علما نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور استفادہ کیا، فن جرح وتعدیل کی ہر کتاب میں آپ کے اقوال بطور استدلال موجود ہیں، جو اس کی اہمیت پر دال ہیں۔

(۹) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال

تالیف : ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن دمشقی حافظ مزی (م ۷۴۲ھ)

کتب ستہ کے راویوں کے حالات ذکر کرنے میں " الکمال " کے بعد تہذیب الکمال

دوسرے نمبر کی تصنیف ہے، جسے کتب ستہ کے علاوہ کتب ستہ کے مؤلفین کی دیگر تالیفات میں موجود راویوں کے حالات بیان کرنے میں شرف اولیت بھی حاصل ہے۔

یہ امام مزی کا وہ مایہ ناز علمی شاہکار ہے جس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے، کتب ستہ کے راویوں کے تعارف میں اس کتاب کو امام اور اصل کا درجہ حاصل ہے۔ امام مزی نے اس تالیف کے ذریعہ ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جس نے امتِ اسلامیہ کی جبین پر چار چاند لگا دیا ہے۔ امہات کتب حدیث (صحاح ستہ) جن پر اسلام کا دارومدار ہے ان کے راویوں کے مبنی بر حقیقت حالات کو جس فنی مہارت، ترتیب بدیع اور خوش اسلوبی سے جمع کیا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

وجہ تالیف و تسمیہ

جب امام مزیؒ نے امام مقدسی کی کتاب "الکمال فی اسماء الرجال " کا مطالعہ کیا تو اس میں بڑی کمی اور نقص محسوس کیا نیز کچھ غلطیاں و خامیاں بھی نظر آئیں، چناں چہ انھوں نے اس کتاب کی تکمیل، تہذیب اور تصحیح کا بیڑا اٹھایا اور ایسی عظیم الشان جامع تصنیف تیار کی کہ دونوں کتابوں میں کمیت وکیفیت میں کوئی تناسب باقی نہ رہا اور یہ فی نفسہ ایک منفرد کتاب بن گئی، اسی وجہ سے بہت سے علما اس کتاب کو الکمال کا اختصار تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے ایک مستقل تصنیف مانتے ہیں۔ حقیقت جو بھی ہو امام مزی نے انتہائی محنت و مشقت، عرق ریزی و جگر سوزی کرکے کتب ستہ اور اصحاب کتب ستہ کی دیگر مؤلفات کے راویوں کا جو حق امت کے ذمہ تھا اس کو ادا کر دیا اور ایک طویل مدت کے بعد اس کو مکمل کیا۔ کتاب کی تکمیل کے بعد نظر ثانی، مسودہ کی تبییض کرنے اور آخری شکل دینے میں تقریبا آٹھ سال کا وقفہ لگ گیا اور اس کتاب کا نام تہذیب الکمال فی اسماء الرجال " رکھا۔ (برائے تفصیل مقدمہ تہذیب الکمال۔ بشار عواد معروف)

اضافی کام

اس کتاب میں امام مزی نے جو اضافی کام کیا ہے وہ یہ ہے۔

(۱) کتب ستہ کے رجال میں سے جن کا نام اور ترجمہ امام مقدسی سے فوت ہو گیا تھا (جن کی تعداد تقریباً سترہ سو ہیں) ان کو تحریر کیا۔ البتہ کچھ ایسے رواۃ جو کتب ستہ کے نہیں تھے غلط فہمی کی وجہ سے "الکمال" میں ان کا ترجمہ درج ہو گیا تھا ان کو حذف کر دیا۔

(۲) علامہ مقدسی نے صرف کتب ستہ میں موجود راویوں کے حالات قلم بند کئے تھے، امام مزی نے اصحاب کتب ستہ کے دیگر مؤلفات کے راویوں کا بھی ذکر کیا اور ان کے حالات قلم بند کئے۔

(۳) بعض ایسے رواۃ کا اضافہ کیا جو کتب ستہ یا ان کے مؤلفین کی دیگر کتابوں کے راوی نہیں تھے، لیکن کتب ستہ کے رواۃ کے ہم نام تھے، تا کہ دونوں میں تمیز کی جا سکے ایسے راویوں کے نام پر لفظ "تمیز" لکھ دیا ہے۔

(۴) اکثر و بیشتر تراجم میں معلومات کا اضافہ کیا ہے، جس میں صاحب ترجمہ کے اساتذہ، تلامذہ اور ان کے بارے میں علمائے جرح و تعدیل کے اقوال، تاریخ پیدائش و وفات کا اضافہ کیا۔

(۵) بعض راویوں کے ترجمہ میں ان کے واسطے سے وارد شدہ حدیثوں میں سے بطور مثال ایک دو حدیثوں کو عالی سند سے ذکر کیا ہے۔

(۶) کتاب کے آخر میں چار فصلوں کا اضافہ کیا ہے، جو انتہائی مفید و نفع بخش ہیں، جن سے راویوں کی تلاش میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

پہلی فصل

ان راویوں کے بیان میں جو اپنے باپ، دادا، ماں اور چچا وغیرہ کی جانب منسوب ہیں اور اسی سے معروف بھی ہیں ایسے راویوں کو ہر فصل میں حروف معجم پر مرتب کر دیا ہے جیسے ابن جریج، ابن شہاب، ابن علیہ وغیرہ۔

دوسری فصل

ان راویوں کے بیان میں جو قبیلہ، شہر، گاؤں یا صنعت و حرفت کی جانب منسوب اور مشہور ہیں جیسے اوزاعی، شافعی وغیرہ

تیسری فصل

ان راویوں کے بیان میں جو لقب وغیرہ سے مشہور ہیں جیسے اعرج، اعمش، غندر وغیرہ۔

چوتھی فصل

ان راویوں کے بیان میں جن سے روایات مبہم طور سے وارد ہے، صراحت کے ساتھ نام موجود نہیں۔ ان میں جن کا نام معلوم ہوسکا ہے ان کی وضاحت کردی ہے، انھیں ناموں کی ترتیب پر اس کو مرتب کیا ہے۔

ترتیب و تنظیم

بنیادی طور سے یہ کتاب "الکمال" کی ترتیب پر مرتب ہے، البتہ اس کتاب میں صحابہؓ وصحابیاتؓ کو دیگر راویوں سے جدا کرکے الگ الگ فصل میں ذکر کیا تھا۔ اس ترتیب کو امام مزی نے بدل دیا۔ صحابہ کرامؓ کو قسم الرجال میں اسی جگہ ذکر کیا ہے جہاں وہ ترتیب میں مناسبت رکھتے تھے، اسی طرح صحابیات کو قسم النساء میں جہاں ان کا نام ترتیب میں پڑتا تھا ذکر کیا ہے۔

جس کی وجہ امام مزی نے یہ بتائی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے دوسرے سے روایت کیا ہے، جن لوگوں کو اس کی معرفت نہیں ہے وہ دوسرے صحابیؓ کو تابعی سمجھ بیٹھتے ہیں اور تابعی کی فہرست میں ان کو تلاش کرتے ہیں پھر وہ دریافت نہیں کرپاتے اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی تابعی مرسل روایت بیان کرتا ہے تو دیکھنے والا ان کو صحابیؓ سمجھ بیٹھتا ہے اور صحابہؓ کی فہرست میں تلاش کرتا

ہے، جب یہ نام ایک ترتیب پر آجانے سے اس خدشہ کا امکان نہیں رہ جاتا اور جب آدمی ان کے ترجمہ کو دیکھتا ہے تو وہاں صحابیت اور تابعیت معلوم ہوجاتی ہے۔ (تہذیب الکمال، جرح وتعدیل)

پوری کتاب ابتداء سے لے کر انتہا تک حروف تہجی پر بڑی دقت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے، جس میں راوی کے نام اس کے آباء واجداد نیز نسبت وغیرہ میں بھی اس ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے صرف حرف الف میں ان راویوں کو مقدم کردیا ہے جن کا نام "احمد" ہے اور حرف میم میں ان لوگوں کو مقدم کردیا ہے جن کا نام "محمد" ہے۔ جو راوی نسبت سے مشہور ہیں یا اصل نام کے علاوہ کسی اور چیز سے مشہور ہیں تو ان کے ناموں کو دونوں جگہوں پر ذکر کردیا ہے البتہ ترجمہ ایک جگہ ذکر کیا ہے اور دوسری جگہ اسی کا حوالہ دے دیا ہے اس لئے کسی بھی نام کے تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے بلکہ انتہائی سہولت اور سرعت کے ساتھ مطلوبہ نام دستیاب ہوجاتا ہے۔

مشتملات

خطبہ اور تمہیدی کلمات کے بعد "الکمال" کا تعارف اور اس پر تبصرہ کیا ہے، پھر "تہذیب الکمال" کا ذکر ہے، جس میں اس کی وجہ تالیف، ترتیب، اضافی عمل اور رموز کا ذکر کیا ہے۔ پھر علم جرح وتعدیل کے بارے میں علما کے خیالات اور ان کے اقوال کا ذکر، اس کے بعد کتب ستہ کے بارے میں علما کے اقوال بیان کئے ہیں۔ پھر اصل کتاب کو سیرت نبوی ﷺ سے شروع کیا ہے۔ سیرت کے بعد تراجم رجال کا سلسلہ ناموں کی ترتیب پر شروع ہوتا ہے، یہ سلسلہ آخر سے کچھ پہلے ختم ہوتا ہے، پھر کنیت کا ذکر ہے اس کے بعد چاروں اضافی فصلوں کا ذکر ہے، مردوں کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد خواتین راویات کو اسی ترتیب پر ذکر کیا ہے۔

کیفیت تراجم

ہر راوی کے ترجمہ میں اس کے مکمل نام ونسب اور نسبت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اس کے

جملہ اساتذہ اور شاگردوں کا ذکر ہے، جن کو حروف معجم پر مرتب کردیا ہے۔ ان میں راویوں کے نام کے ساتھ رموز لگادیے ہیں، جس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ صاحب ترجمہ سے کتب ستہ کے راویوں میں سے کس کس کی روایت ان سے پائی جاتی ہے۔ اساتذہ اور شاگردوں کے ذکر کے بعد علمائے جرح وتعدیل کے اقوال ذکر کئے ہیں، اس کے بعد کچھ دیگر احوال واخبار وصفات کا حسب موقع ذکر کیا ہے، پھر راوی کی تاریخ وفات کی نشان دہی کی گئی ہے، بہت سے راویوں کے تراجم کے آخر میں اپنی عالی سند کے ذریعہ ایک آدھ حدیث ذکر کی ہے۔

رموز

ہر راوی کے نام کے اوپر کچھ حروف لکھے ہوئے ہیں، یہ ایک طرح کہ رموز ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ راوی کی روایت کتب ستہ اور اس کے ملحقات میں سے کس کتاب میں پائی جاتی ہے، ان رموز کی جملہ تعداد ۲۷ ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) ع ۔ الجماعۃ کا مخفف ہے، جس راوی پر یہ اشارہ ہے، اس کی روایت کتب ستہ میں پائی جاتی ہے۔

(۲) ۴۔ یہ اربعہ کا مخفف ہے، اس سے اشارہ سنن اربعہ کی جانب ہے۔

(۳) خ ۔ صحیح بخاری

(۴) خت۔ صحیح بخاری میں معلق روایت

(۵) بخ۔ الادب المفرد

(۶) عخ۔ خلق افعال العباد

(۷) ز ۔ جزء القراءۃ خلف الامام

(۸) ی۔ جزء رفع الیدین

(۹) م۔ صحیح مسلم

(۱۰) مق۔ مقدمہ صحیح مسلم

(۱۱) د۔ سنن ابوداؤد

(۱۲) مد۔ کتاب المراسیل لأبی داؤد

(۱۳) قد۔ کتاب الرد علی اھل القدر لأبی داؤد

(۱۴) خد۔ الناسخ والمنسوخ لأبی داؤد

(۱۵) صد۔ فضائل الانصار لأبی داؤد

(۱۶) کد۔ مسند مالک بن انس لأبی داؤد

(۱۷) ف۔ کتاب التفرد لأبی داؤد

(۱۸) ل۔ المسائل لأبی داؤد

(۱۹) ت۔ سنن ترمذی

(۲۰) تم۔ شمائل ترمذی

(۲۱) س۔ سنن نسائی

(۲۲) سی۔ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی

(۲۳) عس۔ مسند علی بن ابی طالب للنسائی

(۲۴) کن۔ مسند مالک بن انس للنسائی

(۲۵) ص۔ خصائل علی بن ابی طالب للنسائی

(۲۶) ق۔ سنن ابن ماجہ

(۲۷) فق۔ کتاب التفسیر (تھذیب الکمال)

مصادر مؤلف

اس کتاب میں مؤلف نے بے شمار مصادر و مراجع سے استفادہ کیا ہے، عمومی طور سے اس فن میں تصنیف شدہ سابقہ کتابیں آپ کے مصادر ہیں، لیکن خصوصی طور سے چار کتابوں کو بنیاد بنایا ہے جو

متدرجہ ذیل ہیں۔

(۱) الجرح والتعدیل۔ ابن ابی حاتم (م: ۳۲۷)

(۲) الکامل فی ضعفاء الرجال۔ ابن عدی (م: ۳۶۵)

(۳) تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی (م: ۴۶۳)

(۴) تاریخ دمشق۔ ابن عساکر (م: ۵۷۱) (تہذیب الکمال)

کتاب علما کی نگاہ میں

علمائے امت نے اس کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس میں سے چند یہ

ہیں۔

علامہ صفدیؒ فرماتے ہے کہ اس کتاب نے سابقہ کتابوں پر گہن لگادیا اس کے حصول کے لئے لوگوں نے دور دراز کا سفر کیا۔

امام سبکیؒ فرماتے ہے کہ مصنف تہذیب الکمال المجمع علی انہ لم یصنف مثلہ یعنی علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس طرح کی کوئی دوسری کتاب تصنیف نہیں کی گئی ہے۔

علامہ مغلطائیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب عظیم فائدہ، کثرت منفعت سے بھر پور ہے، اس فن میں جو اختراعی ترتیب دی ہے اور جو طریقہ اختیار کیا ہے، سابقین میں اس کی نظیر نہیں ملتی، یہ کتاب فقہا ومحدثین کے درمیان فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ (مقدمہ بشار عواد معروف تہذیب الکمال ۱/۴۹، جرح وتعدیل)

مرکز توجہ

یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب اپنی عظمت، قدرو منزلت وافادیت کی وجہ سے مؤلف کے زمانہ ہی میں ہر چہار جانب مشہور ہو چکی تھی اور بعد میں آنے والے محدثین وعلما کی توجہ کا مرکز بنی رہی، چناں چہ

کچھ علما نے اس کی تہذیب وتنقیح کی تو کچھ نے اس کو مختصر کیا تو کچھ نے اس کی تکمیل کی جن لوگوں نے اس کی تہذیب کی ان میں امام ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ قابل ذکر ہیں۔ امام ذہبیؒ کی تصنیف کا نام "تذہیب التہذیب" اور حافظ ابن حجرؒ کی تصنیف کا نام "تہذیب التہذیب" ہے جس کا تذکرہ ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔

جن لوگوں نے اس کا اختصار کیا ہے، ان میں امام ذہبیؒ کی کتاب "الکاشف لمن لہ روایۃ فی الکتب الستہ" کافی مشہور ہے، ان کے علاوہ رافع سلامی، ابوالعباس اندرشی، ابن بردس بعلبکی نے بھی اس کا اختصار کیا ہے۔

جن حضرات نے دوسری کتابوں کے راویوں کا اضافہ کرکے اس کی تکمیل کی ہے، ان میں حافظ علاء الدین مغلطائی اور ابن ملقن کی "اکمال تہذیب الکمال" قابل ذکر ہے، ان کے علاوہ علامہ حسینیؒ، ابن کثیر، امام عراقی اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اس پر اکمالات تحریر کئے ہیں۔

یہ کتاب ڈاکٹر بشار عواد معروف حفظہ اللہ تعالی کی گراں قدر تحقیق سے ۳۵ جلدوں میں مطبوع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے، جس پر محقق کا ایک نفیس علمی مقدمہ بھی ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ محقق نے اس میں بہت سے ایسے راویوں کا اضافہ بھی کیا ہے، جو اس کتاب میں موجود راویوں کے ہم نام ہے، یہ اضافہ تمیز کے طور پر حاشیہ میں کیا گیا ہے۔

سنت نبوی ﷺ سے تعلق رکھنے والے علما وطلبا کے لئے یہ گراں قدر علمی سرمایہ، عظیم تحفہ اور نعمت بے بہا ہے۔

(۱۰) الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ

تالیف : حافظ ذہبی (م : ۷۴۸)

حافظ ذہبیؒ نے اس کتاب کو امام مزی کی کتاب تہذیب الکمال سے مختصر کیا ہے کتاب کے نام

ہی سے موضوع واضح ہے، یعنی اس کتاب میں صرف انہی راویوں کا تذکرہ ہے، جن کی روایتیں کتب ستہ میں پائی جاتی ہیں، دیگر ملحقات میں نہیں پائی جاتی، اصحاب کتب ستہ کی دیگر کتابوں کے راویوں کو، نیز ان راویوں کو جنھیں تمیز کے طور پر یا تنبیہ کے طور پر امام مزیؒ نے ذکر کیا تھا، ان کو حافظ ذہبیؒ نے حذف کر دیا۔

ترتیب وتنظیم اور رموز اصل کے مانند ہیں، تراجم کافی مختصر ہیں، عموماً سطر دو سطر سے زیادہ نہیں، اس کتاب کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ انما هي كالعنوان تتشوق النفوس الى الاطلاع على ماوراءه (تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۵)

(۱۱) ذیل الکاشف

تالیف : ابوزرعہ عراقی (م: ۸۲۶)

امام ذہبیؒ کی کتاب "الکاشف" پر اس کی اہمیت کے پیش نظر ابوزرعہ عراقی نے ذیل "ذیل الکاشف" کے نام سے تحریر کیا ہے، اس کتاب میں امام عراقیؒ نے ان راویوں کا ذکر کیا ہے جو مؤلفین کتب ستہ کی دیگر کتابوں کے راوی تھے، جن کو امام ذہبیؒ نے الکاشف سے حذف کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسند احمد بن حنبلؒ اور زیادات عبداللہ کے راویوں کا اضافہ کیا ہے۔ (ذیل الکاشف ص ۲)

الکاشف اور ذیل دونوں محقق ومطبوع ہیں، الکاشف میں ۷۸۰۰ اور ذیل الکاشف میں ۲۱۹۸ راویوں کا ذکر ہے۔

(۷) تہذیب التہذیب

تالیف۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲)

کتب ستہ کے رجال کی خدمت کرنے والی کتابوں کی ایک نہایت اہم اور معتبر کڑی تہذیب التہذیب یعنی تہذیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ہے۔

تعارف

اس کتاب کے مؤلف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ہیں، بنیادی طور سے یہ کتاب جیسا کہ نام سے واضح ہے، امام مزیؒ کی کتاب تہذیب الکمال سے متعلق ہے، اس میں مذکورہ کتاب کو مہذب اور مختصر کیا گیا ہے، اس لئے اس میں ان تمام راویوں کا تذکرہ ہے، جو کتب ستہ کے راوی ہیں، نیز اصحاب کتب ستہ کی کچھ دیگر تالیفات کے رواۃ بھی ہیں، اسی طرح ان کے ہم نام راویوں کو بھی برقرار رکھا ہے، جن کو امام مزیؒ نے بطور تمیز ذکر کیا تھا۔

حافظ ابن حجرؒ کی باکمال شخصیت، ان کے تحری وتثبت نیز فیصلوں پر بعد میں آنے والوں نے بہت زیادہ اعتماد کیا ہے، اس لئے یہ کتاب علما کے یہاں بے حد مقبول ومعتمد ہے۔علما نے کتب ستہ کے راویوں کے تراجم کے لئے حافظ ابن حجرؒ کی دونوں کتابوں "تہذیب التہذیب" اور "تقریب التہذیب" پر بڑی زیادہ اعتماد کیا ہے۔

یہ کتاب تہذیب الکمال کے مقابلہ میں مختصر اور جامع ہے، اس لئے کہ اس میں راویوں کے تعلق سے صرف ضروری معلومات ہی جمع کی گئی ہے، نیز تراجم رجال کا اصل مقصد جرح وتعدیل کی معرفت ہوتی ہے، جو اس کتاب میں دیگر کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

وجہ اختصار

حافظ ابن حجرؒ نے اس کتاب کے مہذب ومختصر کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ عموماً لوگ طویل کتابوں سے گھبراتے ہیں اور ان سے استفادہ کرنے میں کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔(چوں کہ امام مزیؒ کی کتاب انتہائی مفید ہونے کے باوجود کافی طویل تھی) لہذا لوگ امام ذہبیؒ کی کتاب "الکاشف" کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے، جس سے مقصد پورا نہیں ہوتا تھا۔ نیز بعض تراجم میں معلومات بالکل نہ ہونے کے برابر تھی، اس میں اضافہ کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے سوچا کہ اس کتاب کو مناسب

طریقہ سے مختصر کردیا جائے جو مفید ہو۔(تہذیب التہذیب:۱/۳۵، جرح وتعدیل)

اختصاری عمل

امام مزیؒ نے اپنی کتاب تہذیب الکمال کے مقدمہ میں تین فصلیں قائم کی تھی۔

(۱) شروط الائمة الستة (۲) الحث علی الروایة من الثقات (۳) السیرة النبویة ﷺ

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے ان فصلوں کو یکسر حذف کردیا، اس لئے کہ ان کا تعلق علوم حدیث اور سیرت کی کتابوں سے ہے۔

(۲) امام مزیؒ نے جن احادیث کو اپنی اسنادعالیہ کے واسطے سے ذکر کیا تھا ان کو بالجملہ مع سند ومتن کے حذف کردیا۔

(۳) وہ سارے اختلافات جن کا تعلق راوی کی تاریخ وفات سے تھا ان کو بھی حذف کردیا۔

(۴) اسی طرح ان واقعات واخبار کو بھی حذف کردیا جن کا تعلق جرح وتعدیل سے نہ تھا۔

(۵) امام مزیؒ نے ہر راوی کے جملہ اساتذہ وتلامذہ کو ذکر کرنے کی کوشش کی تھی، حافظ ابن حجرؒ نے ان سب کو حذف کردیا جو مشہور یا قریبی تھے صرف ان کو باقی رکھا، جس کی وجہ یہ بتائی کہ راویوں کے اساتذہ وتلامذہ کا حصر کرنا ناممکن ہے، اس طرح یہ کتاب مختصر ہوکر تہذیب الکمال کے بہ نسبت ایک تہائی رہ گئی ہے۔

اضافی عمل

حافظ ابن حجرؒ نے اس کتاب میں کچھ اہم اضافی کام کیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) بعض راویوں کا اضافہ کیا جو کتاب کی شرط پر تھے، لیکن امام مزیؒ سے فوت ہوگئے تھے۔

(۲) بعض ایسے راویوں کا اضافہ کیا جو ان کتب کے راویوں کے ہم نام تھے، یہ اضافہ اس لئے کیا تا کہ دونوں میں فرق کیا جاسکے۔اس لئے ان کے نام پر رمز کے بجائے لفظ تمیز لکھ دیا ہے۔

(۳) الکمال فی اسماء الرجال کے ان راویوں کو جن کی روایت امام مزیؒ کو کتب ستہ میں نہیں مل سکی تھی، انھوں نے ان کو حذف کر دیا تھا، حافظ ابن حجرؒ نے ان راویوں کو بھی اس کتاب میں شامل کرلیا کیوں کہ احتمال کے طور پر ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں اور حذف کے مقابلہ میں باقی رکھنا بہتر ہے۔

(۴) سب سے اہم اضافہ ائمہ نقد کے اقوال کا ہے، جو جرح وتعدیل سے متعلق ہیں، اس طرح کہ اضافہ کی جہاں گنجائش تھی اس کو ترجمہ کے بالکل آخر میں ذکر کیا ہے اور لفظ "قلت" سے اس کی ابتدا کی ہے۔ لہذا راوی کے ترجمہ میں جہاں لفظ "قلت" آیا ہے، اس کے بعد کی معلومات حافظ ابن حجرؒ کے زیادات ہیں۔

ترتیب ورموز

یہ کتاب بھی اپنی اصل یعنی تہذیب الکمال کی طرح نہایت ہی دقیق ترتیب پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے، صرف حرف الف میں "احمدین" اور حرف میم میں "محمدین" کو مقدم کیا گیا ہے، ناموں کے بعد کنیت سے مشہور راویوں کا ذکر ہے، پھر دیگر چار فصلوں میں منقسم راویوں کا ذکر ہے۔ جیسے کہ تہذیب الکمال میں ہے، آخر میں خواتین کا تذکرہ اسی دقیق ترتیب سے کیا گیا ہے، لہذا کتاب سے استفادہ بہت ہی آسان ہے اور ساری کتاب ایک فہرست جیسی ہے، دونوں کتابوں کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ تہذیب التہذیب' میں راوی کے مشائخ وتلامذہ کو شہرت اور قربت کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں وہ سارے رموز اسی طرح برقرار رکھے گئے ہیں، جس طرح تہذیب الکمال میں ہیں۔

مصادر

اس کتاب کے وہی مصادر ہیں جو تہذیب الکمال کے مصادر ہیں، البتہ اضافی معلومات کے لئے جو مصادر خصوصی طور سے استعمال کئے گئے ہیں ان میں علامہ مغلطائی کی تالیف " اکمال تہذیب

الکمال" ہے، اس سے مؤلف نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اختصار میں عموماً اسی کتاب کا طریقہ استعمال کیا ہے، نیز امام ذہبیؒ کی کتاب "تذہیب التہذیب" سے بھی مفید معلومات کو منتخب کیا ہے۔

مؤلف کتاب نے اپنی کتاب کی افادیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فرض کیجئے کہ اس کتاب میں کچھ نہیں ہے تو بھی کم از کم مناسب حجم میں دو کتابوں (مزی کی تہذیب الکمال اور مغلطائی کی اکمال تہذیب الکمال) کا مجموعہ ضرور ہے اور یہ بھی بہت بامقصد عمل ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱/۴۰)

(۱۳) تقریب التہذیب

تالیف : حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲)

تعارف اور وجہ تالیف

کتب ستہ اور اس کے ملحقات کے راویوں کی معلومات کے لئے یہ ایک مختصر، جامع ترین اور انتہائی مفید کتاب ہے۔ جو بقامت کہتر بقیمت بہتر کی مصداق ہے۔ اس کتاب کو حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب کے بعد تصنیف کیا ہے، تہذیب التہذیب جس میں تہذیب الکمال کو مختصر اور مہذب کیا گیا تھا، مختصر ہونے کے باوجود بھی کافی طویل تھی، (جو فی الحال بارہ جلدوں میں مطبوع ہے) اس لئے کچھ محبین علم نے ان سے یہ درخواست کی کہ اس کتاب کو بھی مختصر کر دیا جائے تو بہتر ہوگا، چناں چہ کچھ پس وپیش کے بعد انھوں نے اس کے اختصار کا بیڑا اٹھایا اور ایسے نرالے ڈھنگ سے تیار کیا جس کی نظیر نہیں ملتی، معمولی سے وقت میں چند کلمات کے ذریعہ راوی کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہوجاتی ہے، یہ کتاب اپنے اس قالب میں انتہائی مشہور اور متداول ہوئی، علما نے اس پر بھرپور اعتماد کیا، جس کو تفصیل وتحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، وہی دوسری کتابوں کی مراجعت کرتا ہے ورنہ اسی کو کافی سمجھتا ہے۔

ترتیب

یہ کتاب ہو بہو اپنی اصل تہذیب التہذیب کی طرح حروف معجم پر مرتب ہے۔ آخر میں کنیت اور دیگر چار فصلیں اس میں بھی اسی طرح ہیں، البتہ خواتین کے باب میں مبہمات کا اضافہ کیا گیا ہے جو تہذیب التہذیب میں نہیں ہے، ان مبہم خواتین کی ترتیب ان سے روایت کرنے والوں کے نام پر مرتب ہے۔

اہم خوبی

اس کتاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر راوی کی شخصیت اور اس کے بارے میں وارد شدہ اقوال کا بنظر غائر مطالعہ کر کے ایک جامع فیصلہ تیار کیا گیا ہے، جس میں جرح وتعدیل کے جو بارہ مرتبے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر راوی کے لئے جو مناسب کلمہ ومرتبہ ہوتا تھا، اس پر حکم لگا دیا گیا ہے، مثلاً ثقہ ثبت، ثقہ، صدوق، لاباس بہ، مقبول، ضعیف وغیرہ راوی کے بارے میں خاص طور سے متضاد اقوال کا یہی جامع خلاصہ وفیصلہ اس کتاب کے مقبول ومتداول ہونے کا سب سے اہم سبب ہے، اس لئے کہ راویوں کے حالات معلوم کرنے کا سب سے اہم مقصد یہی ہے۔

کیفیت

اس کتاب میں عموماً تراجم ایک یا دو سطر میں مکمل ہو گئے ہیں جس میں راوی اور اس کے باپ دادا کے نام کے ساتھ ساتھ اس کی مشہور نسبت، کنیت، لقب وغیرہ کا ذکر آ گیا ہے، مشکل اور متشابہ نام کا حروف کے ذریعہ ضبط کر دیا گیا ہے، راویوں کے اساتذہ وتلامذہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کی جگہ ان کو طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے اور جو راوی جس طبقہ کا ہے اس کا ذکر اس کے ترجمہ میں کر دیا گیا ہے۔ انھیں طبقات کے ذریعہ راوی کی تاریخ وفات کی تعیین بھی کی گئی ہے، ان طبقات کا سمجھنا اس کتاب میں تاریخ وفات کی تعیین کے لئے بہت ضروری ہے، اس کے بغیر تاریخ وفات سمجھنا ممکن نہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے ان بارہ طبقات کو تقریب التہذیب سے بعینہ نقل کر دیا جائے۔

پہلا طبقہ : صحابہ کرامؓ باختلاف مراتب۔

دوسرا طبقہ : کبار تابعینؒ، جن میں مخضرمین بھی شامل ہیں، مثلاً ابن المسیب۔

تیسرا طبقہ : تابعینؒ کا متوسط طبقہ جیسے حسن بصری، ابن سیرین۔

چوتھا طبقہ : تابعینؒ کے متوسط طبقہ سے قریب تر طبقہ، جن کی زیادہ تر روایتیں کبار تابعینؒ سے ہیں، جیسے زہری، قتادہ (یعنی تابعینؒ کے متوسط اور طبقہ صغری کے درمیان کا طبقہ)۔

پانچواں طبقہ : تابعینؒ کا طبقہ صغری، جنھوں نے ایک دو صحابہؓ کو دیکھا، لیکن صحابہؓ سے سماع ثابت نہیں جیسے اعمشؒ۔

چھٹا طبقہ : تابعینؒ کا وہ طبقہ جو طبقۂ خامسہ کا ہم عصر تھا لیکن کسی صحابیؓ کو نہیں دیکھا جیسے ابن جریج

ساتواں طبقہ : کبار اتباع تابعینؒ جیسے امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ

آٹھواں طبقہ : اتباع تابعینؒ کا طبقہ وسطی جیسے سفیان بن عیینہؒ، ابن علیہؒ۔

نواں طبقہ : اتباع تابعینؒ کا طبقہ صغری جیسے یزید بن ہارونؒ، امام شافعیؒ، ابوداؤد طیالسی۔

دسواں طبقہ : وہ بڑے بڑے اہل علم جنھوں نے تبع تابعین سے روایت کیا ہے، لیکن تابعینؒ سے ملاقات نہیں ہوئی جیسے امام احمد بن حنبلؒ (یعنی تابع اتباع تابعینؒ کا پہلا طبقہ)

گیارہواں طبقہ : تبع تابعینؒ سے روایت کرنے والا طبقہ وسطی جیسے امام بخاریؒ، امام ذہلیؒ (یعنی تابع اتباع تابعینؒ کا دوسرا طبقہ)

بارہواں طبقہ : تبع تابعینؒ روایت کرنے والا طبقہ صغری جیسے امام ترمذیؒ، ان میں اصحاب کتب ستہ کے وہ مشائخ بھی شامل ہیں جن کی وفات متاخر ہے۔

بذریعہ طبقات وفات کی تعیین

(۱) اگر راوی پہلے یا دوسرے طبقہ کا ہوگا تو اس کی سن وفات ایک سو ہجری سے پہلے کی ہوگی۔

(۲) اگر تیسرے طبقہ سے لے کر آٹھویں طبقہ کے آخر تک کا ہے تو اس کی سن وفات ایک سو ہجری کے بعد ہوگی۔

(۳) اور اگر نویں طبقہ سے لے کر بارہویں کے آخر تک کا ہے تو اس کی سن وفات دو سو کے بعد ہوگی، اگر کہیں اس کے برخلاف ہے تو اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

مزید وضاحت

مثال کے طور پر اس کتاب کے سب سے پہلے راوی "احمد بن ابراہیم" ہیں ان کا ترجمہ کتاب میں اس طرح ہے۔ احمد بن ابراهيم بن خالد الموصلي ابو علي نزيل بغداد صدوق من العاشر فمات سنة ست وثلاثين۔ د فق

احمد بن ابراہیم بن خالد جو اصلاً موصل کے رہنے والے تھے، لیکن بغداد کو اپنا وطن بنایا، یہ راوی صدوق ہیں یعنی یہ کہ مراتب تعدیل کے چوتھے درجہ کے راوی ہیں جن کی روایت قابل قبول ہوتی ہے، ان کا تعلق دسویں طبقہ سے ہے، ان کا انتقال سن ۳۶ھ میں ہوا ہے یعنی چوں کہ یہ دسویں طبقہ کے ہیں اس لئے ان کی وفات سن دو سو ہجری کے بعد کی ہے۔ لہذا اس ۳۶ھ پر دو سو کا اضافہ کریں، اس طرح سے ان کی وفات سن ۲۳۶ھ میں ہوئی ہے۔ د۔ فق یعنی یہ سنن ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ کی کتاب التفسیر کے راوی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ راوی کے ترجمہ میں جو تاریخ وفات موجود ہے اگر وہ راوی پہلے یا دوسرے طبقہ کا ہے تو اس کی تاریخ میں کسی قسم کا اضافہ نہ ہوگا وہی اس کی تاریخ وفات ہوگی، لیکن اگر تیسرے سے لے کر آٹھویں طبقہ تک کا ہے تو تاریخ وفات میں مذکور عدد پر ایک سو کا اضافہ کر دیا جائے گا اور اگر نویں سے بارہویں طبقہ تک کا ہے تو مذکورہ عدد پر دو سو کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

رموز

راوی کے ترجمہ میں وہ سارے رموز اسی طرح موجود ہیں جس طرح اس کی اصل تہذیب التہذیب اور اصل الاصل تہذیب الکمال میں موجود ہیں اگر کسی راوی پر یہ علامت نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ترجمہ یا تو گذر چکا یا آئندہ آئے گا، عموماً اس طرح کے تراجم کنیت اور اس کے بعد کی فصلوں میں پائے جاتے ہیں۔ انتہی

(اب یہاں سے بارہ مراتب تک کتاب "حدیث اور فہم حدیث" ص ۳۰۵ تالیف: مفتی عبداللہ صاحب معروفی (استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند) سے نقل کیا جاتا ہے۔)

یہ کتاب تمام کتب اسماء الرجال میں استفادہ کے لحاظ سے آسان ترین ہے، سب سے زیادہ مہیا اور عام ہے، روات کی ثقاہت وضعف کے اعتبار سے درجہ بندی میں سب کتب سے پختہ ترین اور جامع ترین ہے بلکہ کتب ستہ اور ان کے ملحقات کے رجال کے تعلق سے اس کی حیثیت سیکڑوں کتب رجال وفنون حدیث سے کشید کئے ہوئے عطر کی ہے، اس لئے کتب ستہ کے رجال کی تحقیق کے لئے اسی کتاب کو معیار بنایا جارہا ہے۔

دکتور ولید عانی نے تقریب میں حافظ کی جانب سے صادر کئے گئے احکام جرح وتعدیل اور ان کے مراتب کا بڑی باریکی سے مطالعہ کیا ہے، اور مختلف پہلوؤں سے پرکھ کر اس نتیجہ پر پہونچے کہ حافظ نے سچ مچ بڑی باریکی اور ژرف بینی سے کام لیتے ہوئے رواۃ کے متعلق مبسوط اور منتشر مواد کو انتہائی لطیف انداز میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے، اگر صحیح معنوں میں حافظ کے لائحہ عمل اور باریکیوں کو ہضم کرلیا جائے تو بے شک یہ ایک جلد کی کتاب دیگر مطولات سے بے نیاز کردینے والی ہے۔

ولید عانی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

وهكذا نرى ان التقريب هو خلاصة ماتوصل اليه ابن حجر من احكام على رواة الكتب الستة وما ألحق بها وعصارة فكر متواصل البحث والدراسة والتحقيق والتحرير مدة زادت على

الستين عامامن حياة عالم موسوعي ويقظ ذكي۔

ولهذا فاني ارى ان من تضييع الوقت وتحصيل الحاصل ان تتجاوز هذا العمل الى غيره ونتخطى عمل ابن حجر لترجع الى الوراء لنبحث من جديد عن احوال رواة اشبعوا كلاما وتحريرا۔(منهج دراسة الاسنادص ۲۳)

پھر دکتور عانی نے مراتب تقریب میں سے ایک ایک مرتبہ کے رجال کی احادیث کے درجات بھی متعین فرمادیے ہیں۔ یہ درجہ بندی انھوں نے حضرت امام احمدؒ، شیخینؒ، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، ابن حبان، ابن خزیمہ، ضیاء الدین مقدسی، منذری، ذہبی، نووی، ابن حجر اور سخاوی وغیرہم جیسے ائمہ فن کے طریقہ کار کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی ہے اور قدم قدم پر ان حضرات کی نصوص وعبارات کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے، نیز کسی راوی کی حدیث کا درجہ متعین کرتے وقت اس راوی کی حدیث سے متعلق خود حافظ ابن حجرؒ کی تصریحات کو بھی پیش کیا ہے اور متکلم کی تصریح اس کے کلام کی سب سے مضبوط تشریح ہوا کرتی ہے۔

مراتب جرح وتعدیل باعتبار تقریب

حافظ ابن حجرؒ نے جرح وتعدیل کے جو مراتب قائم کئے اور ان مراتب کے رواۃ کو جن الفاظ سے تعبیر کیا ہے، ان کی تفصیل مع ان کی احادیث کے احکام حسب ذیل ہے، واضح رہے کہ یہ تفصیل حافظ ابن حجرؒ کی عبارت کا بعینہ ترجمہ نہیں ہوگی بلکہ اس میں ولید عانی مرحوم کی تشریح یا اپنے تجربہ کی روشنی میں توضیحی جملوں کے اضافے بھی ہوں گے۔

(۱) پہلے مرتبہ کو تو حافظ نے صحابہ کرامؓ کے لئے مختص کیا ہے، ان کی فضیلت اور قدرومنزلت کے پیش نظر۔

(۲) دوسرا مرتبہ ان کے لئے خاص کیا ہے جو علمائے جرح وتعدیل اور ائمہ نقد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو حافظ اوثق الناس، ثقۃ ثقۃ یا ثقۃ متقن جیسے مبالغہ کے صیغے یا تاکیدی تعبیرات سے تعبیر کرتے

ہیں۔

حکم : ان لوگوں کی حدیث نمبر ایک کی صحیح لذاتہ ہوتی ہے۔

(۳) تیسرا مرتبہ ان لوگوں کا ہے، جنھیں ثقہ کہنے پر دوسرے مرتبہ کے لوگ یعنی ائمہ جرح وتعدیل متفق ہوں، چناں چہ ان لوگوں کو حافظ صاحب ثقہ، متقن، حجۃ، حافظ، ثبت وغیرہ بغیر تکرار کے صیغوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان ہی رجال کے حکم میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے صحابیؓ ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے، مگر ان کی صحبت متحقق نہیں ہوتی۔

حکم : اس مرتبہ والوں کی حدیث نمبر دو کی صحیح لذاتہ ہوتی ہے۔

(۴) چوتھا مرتبہ ان لوگوں کا ہے جن کی توثیق پر دوسرے مرتبہ والے ائمۂ جرح وتعدیل تقریباً متفق ہوتے ہیں، اکا دکا حضرات نے اختلاف کیا ہوتا ہے، عام ناقدین تو جمہور کی توثیق کے مقابلہ میں ایک آدھ اختلاف کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے، مگر حافظ صاحب اس اختلاف پیش نظر اس کا مرتبہ تھوڑا گھٹا دیتے ہیں اور اس کو تعبیر کرتے ہیں صدوق، لا باس بہ اور لیس بہ باس جیسے صیغوں سے۔

حکم : اس مرتبہ والوں کی حدیث نمبر تین کی صحیح لذاتہ ہوتی ہے۔

(۵) پانچواں مرتبہ ان رجال کا ہے جن کے متعلق ائمۂ جرح وتعدیل کے درمیان اختلاف ہوتا ہے، بعض تو ان کی توثیق کرتے ہیں اور بعض تضعیف کرتے ہیں اور تضعیف کی بھی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو حافظ صاحب صدوق یہم، صدوق یخطئ، صدوق لہ اوھام یا صدوق یخطئ کثیرا جیسے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ان ہی رجال کے درجہ میں ان لوگوں کو بھی حافظ صاحب نے رکھا ہے جن پر بعض ناقدین نے جرحیں کی ہوتی ہیں اور وہ کسی قسم کی بدعت سے متہم ہوتے ہیں، چناں چہ ان کو صدوق رمی بالتشیع وغیرہ تعبیرات سے ذکر کرتے ہیں۔

حکم : اس مرتبہ والوں کی حدیث نمبر ایک کی حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

(۶) چھٹا مرتبہ ان رجال کے لئے ہے جو قلیل الحدیث ہوتے ہیں (یعنی ان کی احادیث ایک سے دس تک کے درمیان ہوتی ہے) اور ان کے متعلق کوئی ایسی جرح بھی ثابت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کی حدیث چھوڑ دی جائے، چناں چہ ایسے رجال میں سے جن کی احادیث میں متابعت کی گئی ہوتی ہے ان کو حافظ صاحب مقبول سے تعبیر کرتے ہیں اور جن کی متابعت نہیں کی گئی ہوتی ان کو لین الحدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ان لوگوں پر جو کچھ کلام ہوتا ہے وہ عموماً جہالت عین کا ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی کسی امام معتبر کی توثیق بھی ہوتی ہے، خواہ یہ توثیق صریح ہو یا ضمنی ہو۔ ضمنی کا مطلب یہ کہ صحاح کے مصنفین اس کی حدیث کا اخراج کریں یا کلام جہالت حال کا ہوتا ہے اور اس میں امام معتبر کی توثیق ضمنی ہوتی ہے یا توثیق غیر متین (مثلاً صرف ابن حبان کی توثیق) جب کہ وہ طبقہ تابعین کا راوی ہو بلکہ بسا اوقات مضبوط درجہ کی توثیق بھی پائی جاتی ہے، الغرض یہ مرتبہ ابن حجرؒ کے نزدیک تعدیل کے مراتب میں سے ہے۔ جرح کے مراتب میں سے ہرگز نہیں۔

حکم : اس مرتبہ میں دو قسمیں ہیں، مقبول اور لین الحدیث۔ مقبول کی حدیث نمبر دو کی حسن لذاتہ ہوتی ہے اور لین الحدیث نمبر تین کی حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

(۷) ساتواں مرتبہ ان لوگوں کے لئے ہے جن سے روایت کرنے والے ایک سے زائد ہوتے ہیں مگر ان کی توثیق کسی نے نہیں کی ہوتی ایسے لوگوں کو حافظ صاحب مستور یا مجہول الحال یا لا یعرف حالہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس مرتبہ میں حافظ صاحب نے عموماً ان لوگوں کو شامل کیا ہے، جن کو امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" میں ذکر کر کے سکوت فرمایا ہوتا ہے، یا جن کو ابن

حبان نے اپنی کتاب ؁ کتاب الثقات ؁ میں ذکر کیا ہوتا ہے اور وہ تابعین سے نیچے طبقہ کے ہوتے ہیں یا ان لوگوں کو جن کے متعلق ابن ابی حاتم، ابن مدینی اور ابن القطان نے مجہول کہا ہوتا ہے کیوں کہ یہ لوگ مجہول العین اور مجہول الحال دونوں پر مجہول کا اطلاق کرتے ہیں، دونوں میں فرق نہیں کرتے۔

حکم : اس مرتبہ کے رجال کی احادیث میں توقف کیا جاتا ہے تا آں کہ ان کا کوئی حال واضح ہو جائے، حال کے واضح ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ مستور شخص کی روایت کا کوئی متابع یا شاہد مل جائے تو جانا جائے گا کہ آدمی قابل اعتبار ہے، لہذا اب اس کی حدیث حسن لغیرہ نمبر ایک شمار کی جاتی ہے۔

(۸) آٹھواں مرتبہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کے متعلق کسی معتبر امام کی توثیق نہیں پائی جاتی بلکہ ائمہ جرح وتعدیل کی جانب سے اس پر ضعیف ہونے کا اطلاق موجود ہوتا ہے۔ خواہ یہ تضعیف مبہم طور سے ہی کیوں نہ ہو، قطع نظر اس بات سے کہ کوئی غیر متین توثیق (جیسے ابن حبان کا اس کو کتاب الثقات میں ذکر کرنا) پائی جارہی ہے یا نہیں ان کو حافظ صاحب ضعیف یا لیس بالقوی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکم : اس مرتبہ والوں کی حدیث ضعیف کہلاتی ہے اور تعدد طرق کی صورت میں بلند ہو کر حسن لغیرہ تک پہونچ جاتی ہے، اس وقت یہ نمبر دو کی حسن لغیرہ ہوگی۔

(۹) نواں مرتبہ ان رجال کے لئے ہے جن سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہوتا ہے اور سرے سے ان کی کسی نے توثیق بھی نہیں کی ہوتی، دراصل یہ لوگ اصحاب حدیث ہوتے ہی نہیں بلکہ ایک آدھ حدیث روایت کرکے محدثین کے زمرے میں اپنا نام لکھواتے ہیں، ان لوگوں کو حافظ صاحب مجہول کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکم : اس مرتبہ والوں کی حدیث بھی ضعیف ہوتی ہے اور تعدد طرق کی صورت میں بلند ہو کر حسن لغیرہ تک پہونچ جاتی ہے مگر یہ نمبر تین کی حسن لغیرہ ہوگی۔

(۱۰) دسواں مرتبہ ان لوگوں کے لئے ہے جن پر ائمہ جرح وتعدیل نے سخت جرحیں کی ہوتی ہیں، یہاں

تک کہ ان کی حدیث لکھنے سے یا ان سے روایت کرنے سے بھی منع کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو حافظ صاحب متروک کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکم: ان لوگوں کی حدیث ضعیف جداً کہلاتی ہے۔

(۱۱) گیارہواں مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو کذب کے ساتھ متہم ہوتے ہیں، کذب سے متہم کئے جانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حدیث رسول میں تو ان کا کوئی جھوٹ نہیں پکڑا گیا البتہ عام بول چال میں دروغ گوئی کے مرتکب ہوتے ہیں، جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ حدیث رسول میں بھی جھوٹ بولنے کی جسارت کر سکتے ہیں، ان لوگوں کو حافظ صاحب متہم بالکذب سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکم: ان لوگوں کی حدیث متروک کہی جاتی ہے۔

(۱۲) بارہواں مرتبہ ایسے بدبختوں کا ہے جو حدیث رسول میں جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں، چناں چہ حافظ صاحب ان کو وضاع یا کذاب سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکم: ان کی روایات موضوعات و اباطیل کہلاتی ہیں ایسا شخص اگر توبہ بھی کر لے تب بھی اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ کتاب طالبان علوم نبوت کے لئے ایک بیش بہا خزانہ اور نادر تحفہ ہے، جس سے بے نیاز نہیں ہوا جا سکتا، اس سے بے نیازی کوتاہی اور کم علمی کی دلیل ہے۔ انتھی

نوٹ : نقشہ آخر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں

(۱۴) خلاصة تذهيب التهذيب

تالیف: احمد بن عبد اللہ خزرجی (م: بعد ۹۲۳)

علامہ صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجی نے امام ذہبی کی کتاب "تذہیب تہذیب الکمال" کا

اختصار کیا ہے، جس کا نام " خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال " رکھا ہے، جس کو عرف عام میں خلاصۃ الخزرجی کہا جاتا ہے۔

اس کتاب کی ترتیب وتنظیم بھی اپنی اصل کی طرح ہے اور موضوع بھی وہی ہے۔ (یعنی کتب ستہ اور ان کے ملحقات کے رجال کے حالات) نیز رموز بھی اسی طرح برقرار رکھے گئے ہیں۔

کتاب کو مختصر کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ خزرجی نے اپنی طرف سے کچھ اضافہ بھی کیا ہے اور ضبط اسماء پر خصوصی توجہ دی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ

فهذا مختصر في اسماء الرجال اختصرته من تذهيب تهذيب الكمال وضبطت ما يحتاج الى ضبط في غالب الاحوال وزدت فيه زيادات مفيدة ووفيات عديدة من الكتب المعتمدة والنقول المستند (خلاصة ۱/۵)

(۱۵) التذکرة برجال العشرة

تالیف : ابن حمزہ الحسینی ابو المحاسن شمس الدین محمد بن علی بن الحسن الدمشقی (م ۷۶۵ھ)

اس کتاب کی تالیف کے لئے ابو عبداللہ محمد بن علی بن حمزہ الحسینی نے امام مزی کی کتاب تہذیب الکمال کو بنیاد بنایا ہے، چناں چہ سب سے پہلے انھوں نے تہذیب الکمال کو مختصر کیا اور وہ سارے راوی جن کا تعلق کتب ستہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے ملحقات سے تھا یا تمیز کے طور پر ان کو ذکر کیا گیا تھا ان کو حذف کردیا باقی ماندہ راویوں کے حالات کو ویسے ہی مختصر کیا۔ جیسے کہ امام ذہبیؒ نے الکاشف میں کیا تھا۔ اب یہ کتاب بالکل الکاشف کے مانند ہوگئی۔ اس کے بعد مزید چار کتابوں کے راویوں کے حالات کا اضافہ کیا۔

(۱) مؤطا امام مالک (ک)　　　(۲) مسند امام شافعی (فع)

(۳) مسند امام احمد بن حنبل (أ)　　　(۴) مسند امام ابو حنیفہ (فہ)

نیز عبداللہ بن امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں جو اضافہ کیا ہے اس کے لئے (عب) کا رمز

متعین کیا ہے۔ کتب ستہ کے رموز کو اپنی شکل پر برقرار رکھا ہے۔ (تہذیب الکمال بشار عواد معروف ا/ ۹۳)

ان چاروں کتابوں کے اضافے کا سبب علامہ حسینی نے یہ بتایا ہے کہ ائمہ متبوعین کے استدلال کا دارومدار عموماً انھیں روایتوں پر ہے جن کو انھوں نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور سواد اعظم کے عمل کا دارومدار انھیں اقوال پر ہے، لہذا ان کی جو مستدل روایتیں ہیں، ان کے راویوں کے حالات کا جاننا بے حد ضروری تھا۔

اس طرح یہ کتاب دواوین اسلام (صحاح ستہ) اور ائمہ اربعہ کی مستدل روایتوں کے رجال کا مجموعہ ہے۔

(۱۲) تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ

تالیف : حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۲)

اس کتاب کا تعلق اساسی طور پر علامہ حسینی کی سابقہ کتاب "التذکرۃ برجال العشرۃ" سے ہے اور خصوصی طور سے ان راویوں کے حالات کا ترجمان ہے جن کے واسطے سے ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) نے روایت کیا ہے۔

جب حافظ ابن حجرؒ نے علامہ حسینیؒ کی کتاب کا مطالعہ کیا تو یہ کتاب ان کو بہت اہم نظر آئی، اس لئے کہ اس میں دس اہم کتابوں کے راویوں کا تذکرہ ہے، چوں کہ حافظ ابن حجرؒ نے کتب ستہ کے راویوں پر مختصر و مطول دونوں طرح سے کام کیا تھا اس لئے اب انھوں نے یہ مناسب سمجھا کہ ائمہ اربعہ سے متعلق کتابوں کے راویوں کے حالات کو بھی قلمبند کرنا چاہیے۔

چناں چہ حافظ صاحبؒ نے امام حسینیؒ کی کتاب کو بنیاد بنا کر کام شروع کیا اور اخذ کردہ ان راویوں کو حذف کر دیا جن کا تعلق کتب ستہ سے تھا، صرف انھیں راویوں کو باقی رکھا جو مؤطا مالکؒ، مسند

شافعیؒ، مسند احمدؒ اور مسند ابوحنیفہؒ کے راوی تھے اور جن کا ذکر کتب ستہ کے رجال میں نہیں آسکا تھا۔

ائمہ اربعہ کی مستدل روایتوں میں سے مذکورہ کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کے راویوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس اضافہ میں انھوں نے امام دارقطنی کی کتاب "غرائب مالک" امام بیہقی کی کتاب "معرفۃ السنن والآثار"، امام احمد کی کتاب "الزھد"، امام محمد کی کتاب "الآثار" کے راویوں کا اضافہ کیا، ان میں سے جن کا ذکر "تہذیب التہذیب" میں کیا جاچکا تھا ان کا صرف نام ذکر کرکے تہذیب کا حوالہ دے دیا ہے۔

علامہ حسینیؒ کی دوسری کتاب "الاکمال عمن فی مسند احمد من الرجال" سے کچھ دیگر فوائد واضافی معلومات کا ذکر کیا ہے، نیز ان سے جو غلطیاں ہوگئی تھیں ان کی اصلاح کردی ہے، علامہ ہیثمی نے "الاکمال عمن فی مسند احمد من الرجال" میں کچھ راویوں کا اضافہ کیا تھا، اس سے بھی حافظ صاحبؒ نے استفادہ کیا ہے۔ علامہ ہیثمی کی کتاب سے جن راویوں کا اضافہ کیا ہے ان کی جانب لفظ (ھب) سے اشارہ کیا ہے، بقیہ رموز اسی طرح سے ہیں، جس طرح سے "التذکرہ" میں گذرچکا ہے۔

التذکرہ کی معلومات نقل کرنے کے بعد اپنا جو بھی اضافہ کیا ہے اس کو لفظ "قلت" سے شروع کیا ہے۔

پوری کتاب حروف معجم پر بڑی دقیق ترتیب سے مرتب کی گئی ہے، سب سے پہلے راویوں کو ان کے ناموں کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، پھر کنیت سے مشہور افراد کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد لفظ "ابن فلاں" سے مشہور راویوں کا ذکر کیا ہے، پھر مبہمات اور اس کے بعد خواتین کے تراجم اسی ترتیب سے مرتب کئے گئے ہیں۔ (تخریج الحدیث: ص ۲۳۸، جرح وتعدیل: ص ۴۸۸، تعجیل المنفعۃ: ص ۳، ۸، ۹)

اس طرح یہ مختصر سی ایک جلد کی کتاب اپنے صفحات میں گراں قدر معلومات سمیٹے ہوئے ہے اور حقیقت یہی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کی دونوں مختصرات یعنی "تقریب التہذیب" اور "تعجیل المنفعۃ" ایسی

کتابیں ہیں جس میں قرون فاضلہ کے اکثر وبیشتر راویوں کے حالات کا اجمالی تعارف ہوجاتا ہے اور اس فن کی بڑی بڑی مطول کتابوں سے بے نیاز کردیتی ہیں۔

طالبان علوم نبوت جو اس فن کی امہات کتب تک پہونچنے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لئے یہ دونوں کتابیں مشعل راہ بن سکتی ہیں اور ان سے ان کا کام چل سکتا ہے۔

(۱۷) مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار

تالیف : بدرالدین عینی محمود بن احمد بن موسیٰ قاہری حنفی (م:۸۵۵ھ)

اس کتاب میں علامہ عینیؒ نے خاص طور سے امام طحاویؒ کی کتاب" شرح معانی الآثار" (طحاوی شریف) کے رجال کے احوال کو ذکر کیا ہے اور طریقہ وہی اختیار کیا ہے جو حافظ مزیؒ نے "تہذیب الکمال" میں اختیار کیا ہے۔

(۱۸) کشف الاستار عن رجال معانی الآثار

تالیف: ابوالتراب رشد اللہ شاہ سندھی

شرح معانی الآثار (جو امام طحاویؒ کی مشہور کتاب ہے) اس کے راویوں کے حالات علامہ عینیؒ نے ایک خاص تالیف (جس کا اوپر ذکر ہوا) میں جمع کیا تھا، جس کا نام مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار " رکھا تھا، شیخ ابوالتراب رشد اللہ نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام " کشف الستار عن رجال معانی الآثار" رکھا۔

(۱۹) تراجم الاحبار من شرح معانی الآثار

تالیف: مولانا محمد ایوب بن محمد یعقوب مظاہری سہارنپوری (م ۱۴۰۷ھ)

اس کتاب کے مؤلف نے شرح معانی الآثار (طحاوی شریف) کے رجال کے احوال کو جمع کیا

ہے، سب سے پہلے راوی کا نام لکھ کر اگر وہ کتب ستہ یا ان کے ملحقات کا ہے تو اس راوی کے اساتذہ وتلامذہ کو حافظ صاحب کی کتاب تہذیب سے نقل کئے ہیں۔اس کے بعد ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال اور تاریخ ولادت ووفات بھی اسی کتاب سے نقل کیا ہے، لیکن بعض اقوال اختصار کی غرض سے چھوڑ دیئے ہیں، البتہ بعض اساتذہ وتلامذہ کے ناموں کا دیگر کتب سے اضافہ کیا ہے اور وہ رواۃ جو صحاح ستہ یا ان کے ملحقات کے نہیں ہے ان کے حالات فن کی دوسری کتابوں سے تحریر کئے ہیں اور مزید اساتذہ وتلامذہ کا طحاوی شریف سے تلاش کرکے اضافہ کیا ہے، ہر راوی کو ذکر کرنے کے بعد کس امام نے ان کی حدیث تخریج کی ہے اس کی بھی نام کے ساتھ صراحت کی ہے، صرف رموز پر اکتفا نہیں کیا ہے، نیز راوی کے ترجمہ کو ذکر کرنے کے بعد طحاوی میں اس راوی کی کتنی مرویات ہے اس کی بھی نشان دہی کی ہے۔

(۲۰) میزان الاعتدال

تالیف: حافظ عبداللہ ذھبی (م: ۷۴۸ھ)

اس کتاب میں ان راویوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو ضعیف اور متکلم فیہ ہے، اس کتاب میں ان راویوں کے بارے میں تفصیلی معلومات کو حتی الامکان جمع کردیا گیا ہے، خاص طور سے اقوال جرح وتعدیل کے جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، پھر ان پر نقد اور دوسرے اقوال سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، راجح اور مرجوح کی وضاحت کردی گئی ہے، یہ کتاب کتب ضعفائے رجال میں اہم کتاب شمار کی جاتی ہے

اس کتاب کو ایک مختصر مقدمہ سے شروع کیا گیا ہے، جس میں تاریخ تدوین رجال حدیث، کتاب کی ترتیب وتصنیف نیز محتویات ومنہج کے متعلق وضاحت کی گئی ہے، آخر میں جرح وتعدیل کے کلمات اور ان کے مراتب کا ذکر کرتے ہوئے متقدمین اور متاخرین میں حد فاصل کی وضاحت کی ہے، اس کتاب میں کذابین، وضاعین، متہمین، ضعفا اور مجہولین کے ساتھ ساتھ ان ثقات کا بھی ذکر ہے جو بدعتی ہیں اور ایسے ثقات کا بھی ذکر ہیں جن پر کلام کیا گیا لیکن کلام قادح نہیں ہے، اور جن رواۃ کے بارے میں ائمہ کی

طرف سے محلہ الصدق اور لاباس بہ جیسا حکم لگایا گیا تھا ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

اس کتاب کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے :

(۱) پہلی قسم میں مردوں اور عورتوں کے تراجم بترتیب اسما ذکر کئے گئے ہیں۔

(۲) دوسری قسم میں ان رجال کا ذکر کیا ہے جو کنیت سے مشہور ہیں۔

(۳) تیسری قسم میں ان افراد کا ذکر ہے جو ابن فلاں سے مشہور ہیں۔

(۴) چوتھی قسم میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو نسبت سے مشہور ہیں۔

(۵) پانچویں قسم میں ایسے راویوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مجہول ہیں۔

(۶) چھٹی قسم میں ان راویات (خواتین) کا ذکر کیا گیا ہے جو مجہول ہیں۔

(۷) ساتویں قسم میں راویات کا ذکر باعتبار کنیت کیا گیا ہے۔

(۸) آٹھویں قسم میں ان خواتین کا ذکر ہے جو ام فلاں سے معروف ہیں۔

ترتیب:

ابتدا سے لے کر انتہا تک ساری قسمیں نہایت دقت کے ساتھ حروف تہجی پر مرتب ہیں، اس ترتیب میں راویوں کے نام اور ان کے آبا کے نام میں بھی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے، اس وجہ سے اس کتاب سے استفادہ انتہائی آسان ہے، جس راوی کی بھی تلاش ہو پہلے اس کے نام کے حروف کو دیکھیں پھر اس جگہ تلاش کریں جہاں وہ نام ہوسکتا ہے، چند لمحوں میں مطلوبہ ترجمہ مل جائے گا۔

ثقات کے ذکر کا مقصد

اس کتاب میں ہر اس راوی کا ذکر کیا گیا ہے جس پر کسی بھی قسم کا کلام کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سے صحیحین کے رجال اور بڑے بڑے اہل علم کا ذکر آ گیا ہے، لیکن ان کے ذکر کرنے کا مقصد ان پر عیب لگانا نہیں تھا، بلکہ ان کا دفاع کرنا اور اپنے اوپر تعقیب اور استدراک سے بچنا تھا، وہ فرماتے

ہیں کہ وفیہ من تکلم فیہ مع ثقتہ وجلالتہ بأدنی لین وبأقل تجریح فلولا ان ابن عدی او غیرہ من مولفی کتب الجرح ذکروا ذلک لما ذکرتہ لثقتہ ولم أر من الرای أن احذف اسم احد خوفا من أن یتعقب علی، لا أنی ذکرتہ لضعف فیہ عندی۔

نیز اس کتاب میں ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور اگر کسی کا ذکر آ بھی گیا ہے، تو انصاف کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کے لئے قابل حرج نہیں۔

اشارات

کتب ستہ کے جو رجال اس میں مذکور ہیں ان کے لئے مشہور اشارات استعمال کئے گئے ہیں جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مذکورہ راوی کتب ستہ میں سے کس کتاب کے یا کن کن کتابوں کے راویوں میں سے ہے وہ رموز یہ ہیں خ، م، د، س، ت، ق۔ اگر مذکور راوی کا نام تمام کتابوں میں ہے تو ایسی صورت میں حرف 'ع' سے اشارہ کیا گیا ہے اور اگر سنن اربعہ کا ہے تو اس کے لئے "۴" کا استعمال کیا گیا ہے، اور جن راویوں کا ذکر اس میں آ گیا ہے اور حقیقت میں ثقہ ہیں ان کے نام پر کلمہ "صح" لکھ کر ثقاہت کی جانب اشارہ کیا ہے۔

نوعیت تراجم

تراجم میں راوی کا نام ونسب، شیوخ، تلامذہ اور ائمہ کے اقوال کا ذکر کیا گیا ہے، کہیں کہیں راوی کے عام حالات اخبار واحادیث کا بھی ذکر ہے، تراجم عموما متوسط ہیں، کہیں کہیں مفصل اور کہیں کہیں مختصر بھی ہیں۔

خاص اصطلاح

حافظ ذہبی نے ابان بن حاتم کے ترجمہ میں صراحت کی ہے کہ جس راوی کو میں نے مجہول کہا ہے اور اس کی نسبت کسی امام کی طرف نہیں کی ہے، تو یہ امام ابو حاتم کا قول ہے، لیکن شیخ عبد الفتاح نے حاشیہ

الرفع (ص ۲۲۵ تا ۲۲۸) میں بہت سی ایسی مثالیں ذکر کی ہیں جن میں حافظ ذہبی نے لفظ مجہول کو کسی امام کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ قاعدہ کے مطابق وہ ابوحاتم کا قول ہونا چاہیے، لیکن وہ ابوحاتم کا قول نہیں ہے بلکہ خود حافظ ذہبی کا اجتہاد ہے، اس لئے باحث کو چاہیے کہ وہ میزان سے کسی راوی کے بارے میں لفظ مجہول نقل کرتے وقت اس کی مکمل تحقیق کرلے۔ اور اگر یہ کہا ہے کفیہ جہالۃ او نکرۃ او یجہل او لا یعرف وغیرہ اور قول کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی ہے تو وہ خود امام ذہبی کا فیصلہ ہے، اس طرح اگر صدوق، ثقہ، صالح یا لین وغیرہ کہا ہے تو وہ بھی امام ذہبی کا قول ہے۔ (مقدمہ میزان الاعتدال)

(۲۱) لسان المیزان

تالیف: حافظ حجر عسقلانی (م: ۸۵۲)

فن ضعفائے رجال میں یہ سب سے اہم کتاب ہے، جس کے بعد کوئی اہم کتاب وجود میں نہیں آئی، اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی گئی، یہ کتاب آپ کی ان تصانیف میں سے ہے جس کو آپ نے خود پسند کیا ہے، یہ کتاب امام ذہبی کی تصنیف 'میزان الاعتدال' کا تتمہ، اختصار اور تہذیب ہے، اس کتاب میں میزان الاعتدال کے ان راویوں کو حذف کر دیا گیا ہے جو تہذیب الکمال میں موجود ہیں، اس لئے کہ میزان اور تہذیب دونوں میں ان کا تذکرہ موجود تھا، اس کتاب میں بہت سے افراد کا اضافہ کیا ہے جو میزان الاعتدال میں موجود نہیں تھے، وہ اضافے جو اپنی طرف سے کئے ہیں ان پر حرف "ز" کی علامت لگادی ہے، بہت سے افراد کا اضافہ امام عراقی کی کتاب "ذیل المیزان" سے کیا ہے، ایسے ناموں پر حرف "ذ" کی علامت لگادی ہے جو ذیل کی طرف اشارہ ہے، میزان الاعتدال کے بعض رجال میں کچھ معلومات کا اضافہ کیا ہے جو امام ذہبی کے کلام کے خاتمہ کے بعد ہے، جس کو کلمہ "انتھی" کے بعد ذکر کیا ہے، میزان میں جو اوہام پائے ان کی تصحیح کی ہے، میزان کے وہ رجال جن کو لسان سے حذف کر دیا گیا تھا، ان کی فہرست آخر کتاب میں فصل فی تجرید الاسماء کے عنوان کے ماتحت ذکر کردی گئی ہے،

ان رجال پر وہ سارے رموز برقرار رکھے گئے ہیں جو رجال کتب ستہ کے لئے تہذیب میں استعمال کئے گئے ہیں، جن ناموں پر 'صح' لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بغیر دلیل کے کلام کیا گیا ہے، جو غیر مؤثر ہے اور وہ راوی ثقہ ہے اور کچھ راویوں پر 'ھ' کا رمز لگایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ راوی مختلف فیہ ہے، لیکن ثقاہت غالب ہے۔

ترتیب

کتاب کی ترتیب وتنظیم بالکل ویسے ہی ہے جس طرح 'میزان الاعتدال' کی ہے، یعنی پوری کتاب حروف تہجی پر بڑی دقت کے ساتھ راویوں کے نام اور ان کے آباء واجداد کے نام کی رعایت کرتے ہوئے مرتب کی گئی ہے، ناموں کے اختتام کے بعد کنیت اور پھر مبہمات کا ذکر کیا گیا ہے، پھر ان راویوں کے نام ہیں جو کسی بھی نسبت سے مشہور تھیں، اس کے بعد ان رواۃ کا ذکر ہیں جن کی کسی کی طرف اضافت کی گئی ہے، جیسے ابن فلان، اخو فلان یا خادم فلان وغیرہ، پھر القاب وصفات سے مشہور راویوں کا ذکر ہے، عورتوں کے ناموں کو کتاب میں مردوں کے ساتھ کردیا ہے، حالاں کہ امام ذہبی نے عورتوں کو الگ فصل میں ذکر کیا تھا، پھر ان رجال کی فہرست ہے جن کو ابتدا میں تہذیب الکمال میں ہونے کی وجہ سے لسان المیزان سے حذف کردیا تھا۔

رموز

(۱) ذ- ذیل المیزان للحافظ العراقی

(۲) ز- ان تراجم ورواۃ کے لئے جن کا حافظ صاحب نے استدراک کیا ہے، جو نہ میزان میں تھے اور نہ ذیل میں تھے۔

(۳) ک- مستدرک علی الصحیحین کے رواۃ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے۔

نوٹ: حافظ صاحب نے بعض رواۃ پر اس رمز کو لگانا چھوڑ دیا ہے حالاں کہ وہ رواۃ مستدرک کے ہیں۔

(۴) حب- صحیح ابن حبان کے رواۃ کے لئے۔

(۵) ص- اصل یعنی میزان الاعتدال کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس رمز کا استعمال کیا ہے، اکثر یہ رمز باب الکنی والمبہمات میں استعمال کیا ہے، اس لئے کہ اصل میزان الاعتدال میں باب الکنی والمبہمات کے ماتحت کم رواۃ کا ذکر کیا گیا ہے، حافظ صاحب نے اصل پر کچھ رواۃ کا اضافہ کیا ہے گویا یہ رمز تمیز کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

(۶) صح- جس راوی پر کچھ کلام ہوتا ہے، لیکن توثیق معتبر ہوتی ہے، تو صح کا رمز لگاتے ہیں، یہ رمز حافظ صاحب نے ذہبی کی متابعت میں استعمال کیا ہے، اکثر اس کا استعمال آخر کتاب فصل التجرید میں کیا گیا ہے۔

(۷) ھ- اس رمز کا استعمال فصل التجرید میں کیا ہے، اس رمز سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ مذکور راوی کے سلسلہ میں ائمۂ جرح وتعدیل نے توثیق وتجریح کے اعتبار سے اختلاف کیا ہے۔

نوٹ: یہ کتاب حلب کے مشہور عالم شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے، شیخ عبدالفتاح کی مساعدت کا شرف سورت کے مایۂ ناز محقق شیخ طلحہ بن بلال منیار کو حاصل ہوا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سارا کام شیخ طلحہ ہی نے انجام دیا ہے، موصوف متواضع، ملنسار اور محققانہ مزاج کے حامل ہے، ابتداء سے انتہا تک کی تعلیم مدینہ منورہ میں حاصل کی ہے، اور شیخ عبدالفتاح کی صحبت میں چار سال تک رہے، موصوف کا شمار شیخ عبدالفتاح کے خصوصی شاگردوں میں ہوتا ہے، شیخ عبدالفتاحؒ نے "لسان المیزان" کے مقدمہ میں موصوف کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے۔۔واذکر ھنا بالثناء والتقدیر مساعدۃ تلمیذی واخی النابہ المجد شیخ محمد طلحہ بلال فی خدمۃ ھذا الکتاب وقد بذل جھدہ بمحبۃ واخلاص فجزاہ اللہ خیرا ونفع بہ المسلمین۔

مذکورہ بالا کتابیں اس فن میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا۔

ان مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ اسماے رجال سے متعلق اور بھی بہت ساری کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، جن کی اجمالی فہرست حسب ذیل ہے۔

(الف) کتب ثقات : یعنی وہ کتابیں جو صرف ثقہ راویوں کے حالات سے بحث کرتی ہیں۔

(۱) الثقات: عجلی ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح کوفی (م۲۶۱) اس کتاب کا تفصیلی تعارف ماقبل میں ہو چکا ہے۔

(۲) الثقات: ابن حبان ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م: ۳۵۴)
اس کتاب کا تفصیلی تعارف ماقبل میں گزر گیا۔

(۳) مشاہیر علماء الامصار: ابن حبان (م: ۳۵۴)

(۴) تاریخ اسماء الثقات ممن نقل عنهم العلم: ابن شاہین ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بغدادی (م:۳۸۵)

(۵) المعجم المشتمل علی ذکر اسماء شیوخ الائمة النبل: ابن عساکر ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ دمشقی (م:۵۷۱)

(۶) صفة الصفوة: ابن الجوزی ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بغدادی (م:۵۹۷)

(۷) تذکرة الحفاظ: امام ذہبیؒ (م:۷۴۸)

(۸) طبقات الحفاظ: امام جلال الدین سیوطیؒ (م:۹۱۱)

(ب) کتب ضعفا: یعنی وہ کتابیں جو صرف ضعیف یا متکلم فیہ راویوں کے تراجم کو بیان کرتی ہیں۔

(۱) الضعفاء الصغیر: امام بخاریؒ (م:۲۵۶)

(۲) الضعفاء الکبیر: امام بخاریؒ (م:۲۵۶)

(۳) احوال الرجال: جوزجانی ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق (م:۲۵۹)

(۴) الضعفاء والمتروکون: ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم رازی (م:۲۶۴)

(۵) الضعفاء والمتروکون: امام نسائی (م: ۳۰۳)

(۶) الضعفاء الکبیر: عقیلی ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ (م: ۳۲۲) اس کتاب کا تفصیلی تعارف ماقبل میں ہو چکا ہے۔

(۷) الضعفاء والمتروکون: دارقطنی علی بن عمر (م: ۳۸۵)

(۸) معرفۃ المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین: ابن حبان (م: ۳۵۴) اس کتاب کا تفصیلی تعارف ماقبل میں ہو چکا ہے۔

(۹) الکامل فی ضعفاء الرجال: ابن عدی ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ الجرجانی (م: ۳۶۵) اس کتاب کا تفصیلی تعارف ماقبل میں ہو چکا ہے۔

(۱۰) المدخل الی الصحیح: حاکم (م: ۴۰۵)

(۱۱) الضعفاء والمتروکون: ابن الجوزی (م: ۵۹۷)

(۱۲) میزان الاعتدال: ذہبی (م: ۷۴۸) تفصیلی تعارف گذر چکا ہے۔

(۱۳) دیوان الضعفاء: ذہبیؒ (م: ۷۴۸)

(۱۴) المغنی فی الضعفاء: ذہبیؒ (م: ۷۴۸)

(۱۵) لسان المیزان: ابن حجر (م: ۸۵۲) تفصیلی تعارف گذر چکا ہے۔

(۱۶) کشف الاحوال فی نقد الرجال: عبدالوہاب بن مولوی محمد غوث ہندی

(ت) کتب مدلسین:

ان رواۃ کو جن پر تدلیس کا عیب لگا ہوا ہے، اہل علم نے منفرد کتابوں میں ان کے نام جمع کردیے ہیں، ان میں سے کچھ کتابیں:

(۱) التبیین فی اسماء المدلسین: سبط ابن العجمی ابراہیم بن محمد بن خلیل الحلبی (م: ۸۴۱)

(۲) تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

(م:۸۵۲)

(۳) اسماء المدلسین: جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)

(۴) اسماء المدلسین: جو جامع التحصیل فی احکام المراسیل کے ساتھ ملحق ہے، علائی (م:۷۶۱)

(۵) اتحاف ذوی الرسوخ بمن رمی بالتدلیس من الشیوخ: حماد بن محمد بن محمد بن حسنہ انصاری (م:۱۴۱۸)

(ج) کتب مختلطین

وہ رواۃ جو ابتدائی دور میں ثقہ تھے لیکن زندگی کے آخری دور میں یا کسی وقت کسی وجہ سے ان کا حافظہ کمزور یا خراب ہوگیا تھا، ایسے رواۃ کے اسما کو اہل علم نے متفرد کتابوں میں جمع کر دیا ہے، ان میں سے کچھ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) الاغتباط بمن رمی بالاختلاط: سبط ابن العجمی (م:۸۴۱)

(۲) الکواکب النیرات فیمن رمی بالاختلاط من الرواۃ الثقات: ابن کیال برکات ابن احمد ابن محمد بن یوسف دمشقی (م ۹۲۹ھ)

(د) مرسل روایت کرنے والوں پر کتابیں:

(۱) المراسیل: ابن ابی حاتم رازی (م:۳۲۷)

(۲) جامع التحصیل فی احکام المراسیل: حافظ صلاح الدین علائی (م ۷۶۱ھ)

مراسیل پر بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں صرف مرسل روایتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے "مراسیل امام ابوداؤد" لیکن وہ اس موضوع سے خارج ہے، یہاں وہ کتابیں موضوع بحث ہیں جن میں مرسل روایت کرنے والوں کے نام درج ہے، مذکورہ دونوں کتابیں مرسلین کے ساتھ ساتھ مختلطین پر بھی مشتمل ہیں۔

(د) کتب ثقات وضعفا

یعنی وہ کتابیں جو ثقہ یا ضعیف کی قید سے آزاد ہو کر مطلق رجال کے تراجم بیان کرتی ہیں، ان کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) کتب طبقات

ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں راویوں کو ان کے احوال وواقعات، روایتوں یا خاص صفات (جیسے سبقت الی الاسلام، سبقت الی الھجرہ یا غزوات میں حاضری) کے اعتبار سے طبقہ در طبقہ مؤلف کے زمانہ تک ذکر کیا جائے، اور صحابہ کے بعد والے رواۃ یعنی تابعین، اتباع تابعین وغیرہ کو ان کے تقارب سن یا اساتذہ حدیث کے اعتبار سے طبقہ در طبقہ ذکر کیا جائے۔

ان کتابوں کی وجہ سے حدیث کی سند میں موجود ارسال، انقطاع، عضل، تدلیس اور متشابہ اسما کے درمیان تمیز وغیرہ جیسے اہم امور کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

کچھ اہم کتابیں۔۔۔۔

(۱) الطبقات الکبری: محمد بن سعد بصری (م ۲۳۰)

اس کتاب کا تفصیلی تعارف ماقبل میں ہو چکا ہے۔

(۲) طبقات خلیفة بن خیاط: ابو عمرو بصری (م: ۲۴۰)

(۳) طبقات: مسلم بن الحجاج نیشاپوری (م: ۲۶۱)

(٤) المنتخب من ذیل المذیل من تاریخ الصحابة والتابعین۔ ابن جریر طبری (م ۳۱۰)

(۵) المنتقی من کتاب الطبقات: ابو عروبہ الحسین بن محمد حرانی (م: ۳۱۸)

(٦) مختصر فی طبقات علماء الحدیث: ابن عبد الہادی محمد بن احمد بن عبد الہادی مقدسی حنبلی (م: ۷۴۴)

(۷) سیر اعلام النبلاء : امام ذہبیؒ (م: ۷۴۸)

ان کتابوں کے علاوہ مخصوص صفات سے متصف لوگوں کو بھی کتب طبقات میں الگ الگ جمع کیا جانے لگا، مثلاً طبقات قرا، طبقات فقہا، طبقات صوفیہ، طبقات شعرا، طبقات اطبا، طبقات ادبا، طبقات نحاۃ وغیرہ

نیز فقہاء کو مذاہب کے اعتبار سے الگ الگ طبقات میں شامل کر کے کتابیں تالیف کی گئی مثلاً

(۱) طبقات الشافعیہ الکبری : امام سبکی (م: ۷۷۱)

(۲) طبقات الحنابلہ : قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلی (م: ۵۲۶)

(۳) الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ : ابومحمد عبدالقادر بن ابوالوفا محمد بن محمد بن نصر قریشی مصری

(٤) الدیباج المذھب فی معرفۃ اعیان علماء المذھب : (طبقات مالکیہ) ابن فرحون مالکی (م: ۷۹۹)

(۲) کتب تاریخ :

کتب رجال کے ابتدائی تالیفی دور ہی سے محدثین نے اپنی ان کتابوں کو خالص راویان حدیث کے حالات بیان کرنے کے لئے تالیف کی تھیں ان کا "التاریخ" سے موسوم کیا تھا، چناں چہ امام علی بن عبداللہ مدینی نے اپنی خالص رجال کی کتاب کو "التاریخ" کے نام سے موسوم کیا۔ اسی طرح یحیی بن معین کی کتاب کا نام "التاریخ" رکھا گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی تینوں کتابوں التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط اور التاریخ الصغیر کو تاریخ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

کتب تواریخ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ کتابیں جن میں صرف راویان حدیث کے بارے میں تفصیلی معلومات یا مختصر معلومات ہوتی ہے، دیگر حالات وواقعات عالم قطعاً نہیں پائے جاتے، چند اہم کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) التاریخ: ابوزکریا یحیی بن معین بغدادی (م ۲۳۳)

(۲) التاریخ: خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰)

(۳) التاریخ الکبیر: امام بخاریؒ (م ۲۵۶)

اس کتاب کا تفصیلی تعارف ماقبل میں ہوچکا ہے۔

(۴) التاریخ الاوسط: امام بخاریؒ (م ۲۵۶)

(۵) التاریخ الصغیر: امام بخاریؒ (م ۲۵۶)

(۶) التاریخ الکبیر: ابن ابوخیثمہ ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ (م: ۲۷۹)

(۷) التاریخ: ابوزرعہ عبدالرحمن بن عمرو (م: ۲۸۱)

(۲) دوسری قسم کی وہ کتابیں ہیں جن میں حالات وواقعات زمانہ اور علمائے محدثین دونوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن حادثات وواقعات کی جانب توجہ کم دی گئی ہے، راویان حدیث ومحدثین کے حالات بیان کرنے اور ان کے ذکر خیر پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، اس طرح کی کتابیں رجال حدیث کی معلومات کے لئے کافی مفید ہوتی ہیں، اس طرح کی کتابوں میں تین کتابیں کافی اہم ہیں۔

(۱) المنتظم فی تاریخ الملوک والامم: ابن جوزی (م: ۵۹۷)

(۲) البدایہ والنہایہ: ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴)

(۳) تاریخ الاسلام: امام ذہبیؒ (م: ۷۴۸)

(۳) تیسری قسم کی وہ کتابیں ہیں جن میں مختلف زمانہ کے حالات وواقعات اور حوادثات، ملوک وسلاطین، امراء، وزرا کا ذکر تفصیل سے ہوتا ہے، ان میں مشہور محدثین اور راویان حدیث کا تذکرہ شاذ ونادر اور ضمناً ہوتا ہے، جن میں ان کے بارے میں کوئی خاص معلومات فراہم نہیں کی جاتی، صرف سن وفات کی جانب اشارہ ہوتا ہے، لہذا اس طرح کی کتابوں سے راویان حدیث، ائمہ جرح وتعدیل، فقہا ومحدثین کی معرفت میں کوئی خاص مدد نہیں ملتی، اس طرح کی کتابوں میں دو کتابیں کافی مشہور

ومعروف اور متداول ہیں۔

(۱) تاریخ الامم والملوک: ابن جریر طبری (م ۳۱۰)

(۲) الکامل فی التاریخ: ابن اثیر جزری (م ۶۰۴)

(۳) تواریخ بلاد مخصوصہ

یعنی مخصوص شہر یا خطہ کے رجال علم کی تاریخ سے متعلق کتب۔

(۱) فتوح مصر واخبارھا: عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالحکم (م ۲۵۷)

(۲) تاریخ واسط: ابوالحسن اسلم بن سہل بحشل (م ۲۸۸)

(۳) مختصر طبقات علماء افریقیة وتونس: ابوالعرب محمد بن احمد بن تمیم قیراوانی (م: ۳۳۳) اور مختصر ابو عمر احمد بن محمد طلمنکی (م ۴۲۹) کی ہے۔

(۴) تاریخ الرقة: محمد بن سعید قشیری (م: ۳۳۴)

(۵) تاریخ مصر: ابو سعید عبدالرحمن بن احمد بن یونس مصری (م: ۳۴۷)

(۶) طبقات المحدثین باصبهان والواردین علیها: ابوالشیخ اصبہانی (م ۳۶۹)

(۷) تاریخ داریا: ابو عبداللہ عبدالجبار بن عبداللہ خولانی دارانی (م ۳۷۰)

(۸) تاریخ علماء اندلس: ابن الفرضی ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف (م: ۴۰۳)

(۹) تاریخ نیسابور: ابو عبداللہ حاکم (م: ۴۰۵)

(۱۰) تاریخ علماء مصر: ابن الطحان ابوالقاسم یحیی بن علی بن محمد حضرمی (م: ۴۱۶)

(۱۱) تاریخ جرجان: ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی (م: ۴۲۷)

(۱۲) ذکر اخبار اصبهان: ابو نعیم الاصبہانی (م: ۴۳۰)

(۱۳) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی (م: ۴۶۳)

(۱۴) تاریخ بیهقی: علی بن زید ظہیر الدین بیہقی (م ۵۶۵)

(۱۵) تاریخ دمشق: ابن عساکر(م:۵۷۱)

(۱۶) الصلة فی تاریخ ائمة الاندلس وعلمائهم ومحدثیهم وفقہائهم وادبائهم: ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن بشکوال (م:۵۷۸)

(۱۷) المقفی فی تراجم اهل مصر والواردین علیها۔ تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م:۸۵۲)

(۱۸) النجوم الزاهرة فی اخبار ملوک مصر والقاهرة: ابن تغری بردی ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی (م:۸۷۴)

(۱۹) حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاهرة: جلال الدین سیوطیؒ (م:۹۱۱)

(۴) کتب کنیٰ واسما

بہت سے راویان حدیث اپنی کنیت سے مشہور ہوتے ہیں، ان کی معرفت کے لئے محدثین نے مخصوص کتابیں تیار کی ہیں، انھیں کتابوں کو کتب الکنی یا کتب الاسماء والکنی کہا جاتا ہے، اس طرح کی کتابوں میں صرف ان ہی راویوں کا ذکر ہوتا ہے، جو صاحب کنیت ہوتے ہیں۔ کچھ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) الکنی: امام بخاریؒ (م:۲۵۶)

(۲) الکنی والاسماء: امام مسلمؒ (م:۲۶۱)

(۳) اسماء المحدثین وکناهم: ابوعبداللہ محمد بن احمد المقدمی (م:۳۰۱)

(۴) الکنی والاسماء: ابوبشر دولابی (م:۳۱۶)

(۵) اسامی من یعرف بالکنی: ابن حبان (م:۳۵۴)

(۶) من وافقت کنیته زوجه من الصحابة ﷺ: ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن زکریا بن حیویہ (م:۳۶۶)

(۷) تسمیة من وافق اسمه اسم ابیه من الصحابة والتابعین ومن بعدهم:

ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی (م:۳۶۷)

(۸) الکنی: ابواحمد حاکم الکبیر (م:۳۷۸)

(۹) فتح الباب فی الکنی والالقاب: ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیٰی بن مندہ اصبہانی (م:۳۹۵)

(۱۰) الاستغنا فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنی: ابن عبدالبر (م:۴۶۳)

(۱۱) الاسامی والکنی: امام احمد بن حنبل (م:۲۴۱)

(۱۲) الکنی: امام نسائی (م:۳۰۳)

(۱۳) کنی من یعرف بالاسماء: ابن حبان (م:۳۵۴)

(۱۴) اسماء من یعرف بکنیتہ من اصحاب رسول اللہ ﷺ ابن حبان (م:۳۵۴)

(۱۵) الکنی لمن لا یعرف لہ اسم من اصحاب رسول اللہ ﷺ ابن حبان (م:۳۵۴)

(۱۶) المقتنی فی سرد الکنی: امام ذہبیؒ (م:۷۴۸)

(۵) کتب القاب:

راویان حدیث کی معرفت، ان کی شخصیت کی تعیین نیز معرفت احوال کے لئے علما، محدثین ومؤرخین نے مختلف قسم کی جو کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں کتب القاب ایک نمایاں قسم ہے، ان کتابوں میں لقب سے مشہور راویان حدیث نیز دیگر علما ومحدثین کے ناموں کی وضاحت، شخصیت کے تعین اور حسب معلومات اسباب لقب کا ذکر ہوتا ہے، کتابوں میں بعض دیگر حالات زندگی اور بحیثیت جرح وتعدیل نقاد کے اقوال وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، جس سے ان راویان کی معرفت بآسانی ہوجاتی ہے، ان کے تراجم وحالات زندگی کتب رجال وکتب جرح وتعدیل میں تفصیل سے مذکور ہوتی ہے، پھر بھی صرف ان پر اکتفا نہ کرتے ہوئے بحیثیت فن ان کو جدا کتابوں میں جمع کر دیا گیا ہے، اس فن یعنی معرفت القاب کے چند اہم فائدے ہیں۔

(۱) اس کی معرفت سے افراد میں جو تشابہ ہونے کا امکان ہے اس سے محفوظ رہا جاتا ہے، اس لئے کہ ایک شخص کبھی لقب سے اور کبھی نام سے مشہور ہوتا ہے، اس کی معرفت سے دو اشخاص ہونے کا شبہ ختم ہوجاتا ہے۔

(۲) راوی کے اصل نام ولقب میں فرق معلوم ہوجاتا ہے، جو اس کو نہیں جانتا، وہ نام کو لقب اور لقب کو نام سمجھ سکتا ہے۔ (تدریب الراوی ۲/ ۲۵۳، مقدمہ ابن الصلاح: ص۳۳۶)

(۳) اگر اتفاق سے راوی کسی سند میں اپنے نام ولقب دونوں سے مذکور ہو تو پڑھنے والا یہ سمجھ بیٹھے گا کہ درمیان سے "عن" ساقط ہو گیا ہے۔

(۴) ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ القاب کی معرفت سے کبھی کبھی سبب لقب بھی معلوم ہوتا ہے، جس کے معلوم ہونے سے ملقب بہ کا غیر ظاہر مفہوم بھی واضح ہوجاتا ہے۔ مثلاً معاویہ بن عبدالکریم کا لقب "ضال" ہے، اس لقب کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ دینی اعتبار سے گمراہ تھے بلکہ یہ مکہ جاتے وقت راستہ بھٹک گئے تھے، اسی گم شدگی میں وفات ہوگئی، وہیں سے ضال ان کا لقب پڑ گیا، اسی طرح عبداللہ بن محمد بن یحیی طرسوی کا لقب "ضعیف" ہے، اس لقب کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث میں ضعیف تھے بلکہ یہ جسمانی اعتبار سے ضعیف تھے، انھیں دونوں کے بارے میں حافظ عبدالغنی بن سعید نے فرمایا تھا،

رجلان جليلان لزمهما لقبان قبيحان معاوية بن عبدالكريم الضال وانما ضل في طريق مكة وعبدالله بن محمد الضعيف كان ضعيفا في جسمه لا في حديثه (مقدمه ابن الصلاح :۳۳۶)

تالیفات

القاب کے سلسلہ میں محدثین نے بہت مفید کتابیں تالیف کی ہیں، کچھ کتابیں خالص القاب میں اور کچھ کنیت کے ساتھ اور کچھ اسما کے ساتھ مشترک ہیں، ان کتابوں میں سے جو القاب سے متعلق ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر کتابیں غیر مطبوع ہیں۔ بعض کے وجود کا پتہ بھی نہیں، صرف ان کا ذکر

کتابوں میں ملتا ہے، اس فن میں تالیف شدہ اہم کتابوں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) الالقاب والکنی: علامہ ابوبکر شیرازی احمد بن عبدالرحمن (الرسالہ) (م ۴۱۱)

(۲) مختصر القاب: حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی (م: ۵۰۷)

(۳) ذات النقاب فی الالقاب: احمد بن عثمان حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸)

(۴) نزھۃ الالباب فی الالقاب: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۲)

(۵) فتح الوھاب فی من اشتھر من المحدثین بالالقاب: حماد بن محمد انصاری (م: ۱۴۱۸) (مطبوع)

(۶) مجمع الآداب فی معجم الالقاب: عبدالرزاق احمد الفوطی (م: ۷۲۳)

(۷) فتح الباب فی الکنی والالقاب: امام ابوعبداللہ حاکم (م: ۴۰۵)

(۸) منتھی الکمال فی معرفۃ القاب الرجال: ابوالفضل ابن الفلکی علی بن الحسین (م: ۴۲۸)

(۹) کشف النقاب عن الاسماء والالقاب: حافظ ابن الجوزی (م: ۵۹۷)

(۱۰) کشف النقاب عن الالقاب: حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م: ۹۱۱)

(۶) کتب انساب

فن انساب اس فن کو کہتے ہیں جس میں قبیلوں کے بنیادی اور فروعی افراد نیز ان سے متفرع ہونے والے ذیلی قبائل کا بیان ہو، اسی طرح سے لفظی نسبتوں کی جمع و ترتیب، ضبط اور معنی کو بھی فن انساب کہا جاتا ہے۔ (الانساب مقدمہ)

محدثین کرام حسب ونسب کی معرفت کا بہت اہتمام کرتے تھے، اس سے راویوں کی تعیین میں آسانی ہوتی تھی، تصحیف وتحریف کی غلطیوں سے حفاظت ہوتی تھی اور محدثین اس فن کے ذریعہ لطائف اسناد کا استنباط کرتے تھے، مثلاً کسی سند کے بارے میں کہتے تھے کہ اس کے سب راوی ہاشمی ہیں یا قریشی

ہیں یا یہ روایت بصری ہے یا مدنی وغیرہ۔ (معرفۃ علوم الحدیث)

اہل عرب اپنے آپ کو قبیلوں کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس کی معرفت رکھتے تھے، ان کے برخلاف عجم میں حسب ونسب کی معرفت کا وہ رواج نہ تھا، لہذا یہ لوگ اپنے آپ کو قبیلہ کے بجائے ملک، وطن، محلہ، پیشہ، صنعت وحرفت، مذہب وغیرہ کی جانب منسوب کرتے تھے اور اس طرح انساب کی بڑی کثرت ہوگئی بلکہ اسی کا غلبہ ہوگیا۔ (جرح وتعدیل: ص ۵۲۷، بحوالہ کشف الظنون: ۱/ ۱۷۸)

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بہت سے حضرات قبیلہ، جد اعلی، جد ادنی، وطن، صنعت، مذہب وغیرہ کی جانب نسبت کرتے ہیں، جو خاص وعام ہر ایک کے لئے غیر معروف ہوتے تھے، جس کی بنا پر اس میں تصحیف وتحریف اور بے حد غلطیاں ہوتی تھیں، لہذا ایک تالیف کا خیال پیدا ہوا۔ (اللباب فی تہذیب الانساب ۱/ ۷)

چناں چہ محدثین نے تصحیف وتحریف سے بچنے کے لئے اس کو ایک مستقل فن کی حیثیت دے دی اور اس کی معرفت میں بڑی توجہ اور دلچسپی دکھائی، بڑے بڑے ماہرین انساب اور مؤلفین انساب پیدا ہوئے۔

اس فن کو بھی جرح وتعدیل سے گہرا تعلق ہے، اس لئے کہ اس فن کی کتابوں میں راویان حدیث کے مکمل تراجم بھی پائے جاتے ہیں، جن پر بحیثیت جرح وتعدیل حکم بھی رہتا ہے، نیز بعض راویان حدیث ایسے بھی ہیں جو نسبت سے زیادہ مشہور ہیں حتی کہ کبھی کبھی وہی نسبت نام کی جگہ لے لیتی ہے، لہذا ان کا جاننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اوزاعی، شافعی وغیرہ۔

کچھ اہم کتابیں حسب ذیل ہیں

(۱) الانساب: عبدالکریم بن محمد بن منصور سمعانی (م: ۵۶۲)

(۲) اللباب فی تہذیب الانساب: ابن اثیر جزری (م: ۶۳۰)

(۳) اقتباس الانوار والتماس الازہار فی انساب الصحابۃ ورواۃ الآثار:

ابومحمد عبداللہ بن علی بن عبداللہ رشاطی (م:۵۴۲)

(۴) قبس الانوار تلخیص اقتباس الانوار : ابوالفدا اسماعیل بن ابراہیم بن محمد البلبیسی ۔(م:۷۲۸)

(۵) لب اللباب فی تحریر الانساب جلال الدین سیوطیؒ (م:۹۱۱)

(۶) النسبۃ الی المواضع والبلدان ابومحمد عبداللہ الطیب بن عبداللہ بن احمد (م:۹۴۷)

(۷) کتب وفیات

معرفتِ وفیات کی اہمیت

راویانِ حدیث کی تاریخ پیدائش اور وفات کا جاننا ناقد حدیث کے لئے انتہائی ضروری ہے، اس ضرورت کے پیش نظر محدثین نے اس کو اصولِ حدیث کے علوم میں سے ایک علم شمار کیا ہے اور اس کی معرفت کی جانب توجہ دلائی ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہے کہ تاریخ پیدائش اور وفات کی معرفت انتہائی اہم فن ہے۔اس کی معرفت سے حدیث کے انقطاع واتصال کا پتہ چلتا ہے، بعض افراد نے کچھ ایسے لوگوں سے روایت کرنے کا دعوی کیا کہ جب ان کی تاریخ پیدائش ووفات دیکھی گئی تو پتہ چلا کہ یہ دعوی غلط ہے۔ (تدریب الراوی ۲/ ۳۰۴) یعنی اس کی معرفت سے دروغ گوئی کا پتہ بھی چل جاتا ہے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ آپ نے خالد بن معدان سے کس سن میں روایت کیا ہے، اس نے کہا ۱۱۳ھ میں، ابن عیاش نے فرمایا یعنی ان کی وفات کے سات سال بعد تم نے ان سے روایت کیا ہے؟؟؟ اس لئے کہ ان کی وفات ۱۰۶ھ میں ہوگئی ہے، ایسے ہی محمد بن حاتم الکشی نے عبد بن حمید سے روایت کا دعوی کیا تو امام حاکم نے ان سے سوال کیا کہ آپ کی پیدائش کس سن میں ہے؟ اس نے کہا ۲۶۰ھ میں، امام حاکم نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ان کی وفات کے ۱۲ سال بعد ان سے روایت کیا، اس لئے کہ ان کا انتقال ۲۴۹ھ میں ہی ہوگیا تھا۔

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب راویوں نے دروغ گوئی کی تو ہم نے ان کے لئے تاریخ

کا استعمال کیا۔ (تدریب الراوی : ۲ / ۳۰۴)

اس لئے رجال کی کتابوں میں تاریخ پیدائش اور خاص طور سے تاریخ وفات کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسی اہتمام کا نتیجہ ہے کہ علمانے راویوں کی تاریخ کی معرفت کے لئے مخصوص کتابیں تالیف کی ہیں، جن کو ” کتب وفیات “ کہا جاتا ہے۔ جو کتب رجال حدیث کی ایک قسم ہے۔ ان کتابوں میں تاریخ وفات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر معلومات بھی تحریر کردی جاتی ہے۔ ابتدا میں یہ کتابیں صرف راویان حدیث کے لئے تحریر کی گئی تھیں لیکن بعد میں ان میں وسعت دے دی گئی اور اس میں دیگر افراد مثلا علماء، ادباء، شعراء، امراء وغیرہ کو بھی شامل کیا گیا۔ بعد میں تحریر کی گئی کتابیں زیادہ تر اسی طرح کی ہیں۔

کچھ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں

(۱) الوفیات : ابوالحسین عبدالباقی بن قانع بن مرزوق (م: ۳۵۱)

(۲) تاریخ موالید الرواۃ ووفیاتھم : حافظ ابوسلیمان محمد بن عبداللہ بن احمد بن زبر الربعی دمشقی (م:۳۷۹)

(۳) الذیل علی کتاب ابن زبر : ابومحمد عبدالعزیز بن احمد بن محمد کتانی (م ۴۶۶)

(۴) وفیات المصریین : ابواسحاق ابراہیم بن سعید عبداللہ حبال (م:۴۸۲)

(۵) وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان : ابن خلکان احمد بن محمد بن ابراہیم (م: ۶۸۱)

(۶) دول الاسلام : امام ذہبیؒ :(م:۷۴۸)

(۷) العبر فی خبر من غبر : امام ذہبیؒ (م:۷۴۸)

(۸) فوات الوفیات : محمد بن شاکر بن احمد بن عبدالرحمن دمشقی (م: ۷۶۴)

(۹) الوافی بالوفیات : صفدی خلیل بن ایبک بن عبداللہ دمشقی (م:۷۶۴)

(۱۰) البدایۃ والنھایۃ : ابن کثیر (م: ۷۷۴)

(۱۱) التبیان بشرح بدیعۃ البیان عن موت الاعیان :

ابن ناصر الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن احمد (م: ۸۴۲)

(۱۲) درۃ الحجال فی اسماء الرجال ذیل وفیات الاعیان لابن خلکان:

احمد بن محمد بن محمد بن احمد بن علی بن عبد الرحمن بن ابی العافیہ المکناسی (م: ۱۰۲۵)

(۱۳) شذرات الذھب فی اخبار من ذھب : ابن العماد عبد الحی بن احمد بن محمد حنبلی (م: ۱۰۳۲)

(۱۴) جامع الوفیات: ابو محمد ھبۃ اللہ بن احمد کتانی (م: ۵۲۴)

(۱۵) الوفیات: ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم سرخسی ہروی (م ۴۲۹)

(۱۶) الوفیات: ابو القاسم عبد الرحمن بن مندہ (م: ۴۷۰)

(۱۷) در السحابۃ فی وفیات الصحابۃ: امام صاغانی (م: ۶۵۰)

(۱۸) وفیات النقلہ: ابو الحسن علی بن مفضل مقدسی (م ۶۱۱)

(۱۹) التکملہ لوفیات النقلہ: حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری (م ۶۵۶)

(۲۰) صلۃ التکملۃ لوفیات النقلہ: عز الدین احمد بن محمد بن عبد الرحمن حسینی (م ۶۹۵)

(۸) کتب بلدان

ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں ایک شہر یا مختلف شہروں کے مقامات، وہاں کی آب و ہوا، حدود اربعہ، مشہور صنعت، امراء، سلاطین، نہروں، پہاڑوں، راستوں وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس فن میں جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں، ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جن میں صرف بلدان ومقامات سے متعلق عام معلومات درج ہوئی ہیں، لیکن کچھ ایسی بھی ہیں، جن میں ان معلومات کے علاوہ وہاں کے مشہور ائمہ ومحدثین، اہل علم اور راویان حدیث کے متعلق بھی معلومات درج ہیں۔

چند اہم کتابیں حسب ذیل ہیں

(۱) المسالک والممالک: ابوعبید اللہ بکری (م: ۴۸۷)

(۲) معجم ما استعجم: ابوعبید اللہ بکری (م: ۴۸۷)

(۳) مسالک الابصار فی الاقطار والامصار: شہاب بن فضل (م ۷۴۹ھ)

(۴) فتوح البلدان: احمد بن یحییٰ بلاذری (م ۲۷۹ھ)

(۵) معجم البلدان: یاقوت حموی (م ۶۲۶)

آخر الذکر کتاب (معجم البلدان) میں راویان ومشہور اہل علم کے بارے میں بڑی اچھی معلومات موجود ہے، ایک محدث اور حدیث کے طالب علم کے لئے اس فن کی کتابوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور سے یہ کتاب راویوں کے مقامات اور ان کے صحیح تلفظ کے بارے میں کافی مفید اور جامع کتاب ہے، جس سے راویوں کی نسبت میں تصحیف کا امکان ختم ہو جاتا ہے اور وہاں کے مزاج، ماحول اور اسباب مروت کی واقفیت حاصل ہوتی ہے، جس سے وہاں کا باشندہ راوی متاثر رہتا ہے، لہذا راوی پر حکم لگانے اور اس کو سمجھنے کے لئے اس کتاب سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔

(۹) کتب سوالات

راویوں کے بارے میں بہت سی بنیادی معلومات سوال وجواب کے ذریعہ جمع کی گئی ہیں، اس فن سے دلچسپی رکھنے والے طالبان علوم نبوت بڑے بڑے ائمہ ونقادفن سے رواۃ کے بارے میں سوالات کرتے تھے وہ حضرات انھیں جواب دیتے تھے سوال کرنے والے حضرات ان جوابات کو یاد کر لیتے تھے اور جس کی مرضی ہوتی اسے تحریر کر لیتے تھے اور انھیں کتابی شکل میں ترتیب دیتے تھے یا بغیر ترتیب کے تحریر کر لیتے تھے یہ ترتیب سائل کے اپنے ذوق ومزاج کے مطابق ہوا کرتی تھی یا آسان تر کرنے کے لیے کسی خاص ترتیب پر مرتب کر لی جاتی تھی، انھیں کتابوں کو کتب الاسئلہ کہا جاتا ہے یہ کتابیں اس فن کی انتہائی بنیادی کتابیں ہیں اور ان کی معلومات انتہائی وقیع ہوا کرتی ہیں اس لیے ان

کتابوں کی بڑی اہمیت ہے اور یہ بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کی مصداق ہے۔

☆ چند اہم کتابیں

(۱) سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ لعلی بن المدینی فی الجرح والتعدیل

(۲) سوالات حمزہ بن یوسف السہمی للدارقطنی وغیرہ من الشائخ فی الجرح والتعدیل

(۳) سوالات البرقانی للدارقطنی فی الجرح والتعدیل

(۴) سوالات ابو عبید الآجری اباداؤد السجستانی فی الجرح والتعدیل

(۵) سوالات الحاکم للدارقطنی من مشائخ العراق

(۱۰) کتب تراجم صحابہؓ

سند و متن حدیث پر حکم لگانے کے لئے جن کتابوں کی مراجعت کی ضرورت درپیش ہوتی ہے ان میں کتب تراجم صحابہؓ کو بڑی اہمیت حاصل ہیں، اس لئے کہ صحابیت اور عدم صحابیت کا علم ہو جانے کے بعد حدیث پر مرسل یا موصول ہونے کا حکم بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ یوں تو صحابہ کرامؓ کی سیرت ان کے حالات وواقعات اور ان کے بارے میں مکمل معلومات عام طور سے ان ساری کتابوں میں دستیاب ہیں جو راویان حدیث کے حالات معلوم کرنے کے لئے تحریر کی گئی ہیں مثلاً کتب طبقات، کتب ثقات، کتب بلدان، کتب تواریخ، کتب القاب وانساب، کتب ضبط اسمائے رجال وغیرہ۔ لیکن صرف ان کتابوں پر اکتفانہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں مخصوص متنوع کتابیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔

چند اہم کتابیں:

(۱) تسمیۃ اولاد العشرۃ وغیرھم من الصحابۃ: علی بن مدینی (م:۲۳۴)

(۲) الآحاد والمثانی: ابن ابی عاصم (م:۲۸۷)

(۳) معجم الصحابۃ: ابن قانع (م: ۳۵۱)

(۴) اسماء الصحابۃ: ابن عدی (م: ۳۶۵)

(۵) معرفۃ الصحابۃ: ابن مندہ (م: ۳۹۵)

(۶) معرفۃ الصحابۃ: ابونعیم (م: ۴۳۰)

(۷) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابن عبدالبر (م: ۴۶۳)

(۸) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ابن الاثیر (م: ۶۳۰)

(۹) تجرید اسماء الصحابۃ: ذہبی (م: ۷۴۸)

(۱۰) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ابن حجر (م: ۸۵۲)

سند وحدیث پر حکم لگانے کے لئے باحث کو مذکورہ بالا جمیع اقسام کی کتابوں کی حسب ضرورت مراجعت کرنی چاہیے۔

باب چہارم
سندِ حدیث پر حکم لگانے کا طریقۂ کار

سندِ حدیث پر حکم لگانے کی حقیقت

سندِ حدیث پر حکم لگانے کا مطلب یہ ہے کہ سلسلۂ سند کے تمام رجال کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے بایں طور کہ کتب رجال کی مدد سے ہر ایک کے متعلق یہ معلوم کیا جائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف؟ پھر اس کے ضعیف یا ثقہ کہے جانے کی کیا بنیاد ہے؟ راوی کا اس شخص سے جس سے وہ حدیث روایت کر رہا ہے سماع یا لقا ثابت ہے یا نہیں جس کی بنا پر سند کے اتصال وانقطاع کا فیصلہ ہوتا ہے اور یہ اطمینان کر لیا جائے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی راوی مدلس ہو اور عنعنہ کے ساتھ روایت کر رہا ہے، یا سرے سے اس نے اپنے مروی عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں اور ڈھٹائی کی ساتھ صیغۂ سماع سے روایت کر رہا ہے، یہ بات راویوں کی تاریخ ولادت ووفات جاننے سے حاصل ہو سکتی ہے، یا علمائے جرح وتعدیل کی تصریحات سے کہ فلاں راوی نے فلاں راوی سے حدیث سنی ہے یا نہیں سنی ہے۔

اسی طرح نقادِ حدیث کے ماہرین جو اسانید ومتون کے علتوں سے واقف ہوتے ہیں (اور ان علتوں کا ادراک ہر محدث کے بس میں نہیں ہوتا) ان کی کتابوں کا وسعت وگہرائی سے مطالعہ کر کے یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ حدیث کسی باطنی علت یا شذوذ کا شکار نہیں ہے۔

نقدِ اسناد کی ضرورت کن احادیث میں ہے؟

نقدِ اسناد کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ بنیادی طور سے ذخیرۂ احادیث میں دو طرح کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) وہ احادیث جو نقد ونظر کے مرحلے سے گزر چکی ہیں اور ائمہ محدثین کی جانب سے ان کی صحت وثبوت یا

عدمِ ثبوت کا فیصلہ صراحتاً یا دلالۃً ہو چکا ہے۔

(۲) وہ احادیث جن کے متعلق ائمہ حدیث کی جانب سے کوئی تصریح، یا دلالت نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہو کہ صحت وضعف کے اعتبار سے ان کا کیا درجہ ہے؟

اس دوسری قسم کی اسانید یقیناً نقد ونظر کی محتاج ہیں، محدثین کے مسلمہ اصولوں پر ان کو پرکھنے کے بعد ہی ان کے ثبوت یا عدمِ ثبوت کی بات کہی جاسکتی ہے۔

جہاں تک پہلی قسم کی احادیث کا تعلق ہے تو ان میں فرقِ مراتب ہے، کچھ تو وہ ہیں جن پر نظرِ ثانی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، اور کچھ ایسی ہیں جن میں گنجائش موجود ہے، جن احادیث پر ائمہ سابقین کی جانب سے حکم لگ چکا ہے، بنیادی طور سے ان کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) کتبِ صحاح کی احادیث

جب حدیث کسی ایسی کتاب میں موجود ہو جس کے مصنف نے صحت کا التزام کیا ہو، تو اتنا یقینی ہو گیا کہ اس محدث کے نزدیک وہ شرائطِ صحت کی جامع ہے اور گمانِ غالب اس کا بھی ہے کہ دیگر حضرات محدثین کے نزدیک بھی وہ صحیح ہے الا یہ کہ اس میں کوئی علت ایسی ظاہر ہو جائے جو ان پر مخفی رہ گئی ہو چناں چہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور ایسا کم ہوتا ہے، اس طرح کی کتابوں میں فرقِ مراتب بھی ہے۔

(۱) صحیحین

یہ کتابیں بحیثیت مجموعی صحت کے اعلیٰ معیار پر ہیں اور باتفاق امت ان کی احادیث صحیح ہیں، چوں کہ بخاری ومسلم کی جلالتِ شان اور اس فن میں ان کی امامت مسلّم ہے، نیز ان کے نقطۂ نظر کا ثمرہ امت میں قبولیت کے ہاتھوں لیا جاچکا ہے، اس لیے اس پر نظرِ ثانی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

(۲) مؤطا امام مالک

اس کتاب کے متعلق بھی امت کا اتفاق ہے کہ اس میں جو کچھ مرفوع متصل ہے وہ صحیح ہے، بلکہ

اس کی بلاغات ومراسیل بھی دیگر ائمہ کے نزدیک سند متصل سے تخریج شدہ ہیں، اسی لیے امام شافعیؒ نے فرمایا ما بعد کتاب اللہ اصح من مؤطا مالک کہ قرآن کریم کے بعد مؤطا مالک صحیح ترین کتاب ہے، واضح رہے کہ امام شافعیؒ بخاری ومسلم سے متقدم ہیں، ان کے وقت میں صحیحین کا وجود نہ تھا۔

(۳) مستخرجات صحیحین

صحیحین پر جو کتابیں بطور مستخرج تیار کی گئی ہیں ان کی بھی احادیث صحت کے وصف سے متصف ہیں، کیوں کہ یہ احادیث عموماً صحیحین ہی کی ہیں، البتہ بعض احادیث میں کچھ اضافات وتتمات ہوتے ہیں وہ بھی صحیح کے ہی حکم میں ہوتے ہیں الا یہ کہ کسی خاص حدیث میں کوئی علت ہو، جس کی نشاندہی ائمہ کرام نے کردی ہو، یہ علتیں سند کے اس حصہ میں ہوسکتی ہیں، جو مستخرج کے مصنف اور شیخین کی سند کے ملتقی (جہاں مستخرج کی سند جاکر جڑتی ہے) کے مابین ہے۔

(۴) صحیح ابن خزیمہ

محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری (م ۳۱۱ھ) کی یہ کتاب ایک عرصہ تک اہل علم کے درمیان متداول رہی پھر اس کا کچھ حصہ تقریباً نصف آخر حوادث زمانہ کی نذر ہوگیا، شروع کا آدھا حصہ ڈاکٹر مصطفی اعظمی کی تحقیق سے طبع ہوا ہے۔

(۵) صحیح ابن حبان

کتاب کی اصل ترتیب تو انواع وتقاسیم پر تھی جس سے استفادہ دشوار تھا، اس لیے ابن بلبان فاسی نے اس کی فقہی ابواب پر ترتیب جدید کردی، عام طور سے ابن حبان تصحیح حدیث کے سلسلہ میں متساہل مانے جاتے ہیں، لیکن تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حبان کا مسلک متوازن اور مبنی برحقیقت ہے، ان کے متساہل کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ عموماً وہ ان رجال کی احادیث کا اپنی صحیح میں اخراج کرلیتے ہیں جو مستور ہوتے ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے ان کی توثیق نہیں کی ہوتی، ابن صلاح

نے ایسے رواۃ کی احادیث کو حجت قرار دینے کا مشورہ دیا ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ اس طرح کے رواۃ پر عموماً مقبول کا حکم لگاتے ہیں جن کی احادیث حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

اگرچہ ابن حبان اور ابن خزیمہ کا موضوع ان احادیث کا جمع کرنا ہے، جو ان کے نزدیک صحیح ہیں لیکن صحیح کے مفہوم میں ان کے نزدیک عموم ہے، چناں چہ ان کی احادیث کی سند اور رجال پر تحقیقی نظر ڈالنے کے بعد محدثین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کی سب حدیثیں اصطلاحی اعتبار سے صحیح کا مصداق نہیں ہیں بلکہ ان میں حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ کی تعداد بہت ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کے نزدیک صحیح سے مراد ما یصلح للاحتجاج ہے یعنی وہ جس سے استدلال کیا جا سکے عام اس بات سے کہ وہ صحیح لذاتہ ہو، یا صحیح لغیرہ ہو، یا حسن لذاتہ ہو یا لغیرہ ہو، اسی طرح ان دونوں حضرات نے صحت کا حکم لگانے میں حدیث کے شذوذ اور علت سے محفوظ ہونے کی شرط کو بھی ضروری خیال نہیں فرمایا ہے۔

(۶) صحیح ابن السکن

ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن بغدادی (م ۳۵۳ھ) کی تصنیف ہے، جس کا نام "الصحیح المنتقی" ہے، یہ صحیح احادیث کا انتخاب ہے، اگرچہ یہ کتاب مفقود ہے لیکن اس کے حوالے متعدد کتب میں حدیثیں ملتی ہیں۔

(۷) المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیساپوری یہ بھی صحیح احادیث کا مجموعہ ہے، مگر حاکم کا تساہل معروف ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے تنہا حاکم کی تصحیح کافی نہیں ہے، جب تک کہ دوسرے ناقدین حدیث کی موافقت حاصل نہ ہو، حاکم کی جن احادیث کی تائید دیگر محدثین سے حاصل نہ ہو وہ بے شک اس قابل ہیں کہ نقدِ اسناد کے اصول پر پرکھ کر ان کے صحیح یا حسن یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا جائے۔

(۸) المختارہ للحافظ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۴۳ھ): یہ کتاب صحیحین

میں موجود احادیث سے زائد صحیح احادیث کا ذخیرہ ہے، اور حافظ ضیا نے بہت سے ایسی احادیث پر صحت کا حکم لگایا، جن پر سابقین کی جانب سے کوئی حکم نہ تھا، اس کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں،

وهی الاحادیث التی تصلح ان یحتج بها سوی مافی الصحیحین

کہ احادیث صحیحین کے علاوہ یہ ایسی احادیث ہیں جو قابل استدلال ہیں۔

اور ابن تیمیہ، بدرالدین زرکشی، ابن عبدالہادی، اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے فرمایا کہ ضیا مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے زیادہ قوی ہے، اور زرکشی نے تو یہ بھی صراحت کی ہے کہ ان کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے بلند حیثیت رکھتی ہے اور امام ترمذی اور ابن حبان کی تصحیح کے قریب قریب ہے، اسی لیے علما نے المختارہ کی احادیث پر اعتماد کیا ہے، معدودے چند احادیث کے علاوہ جن میں بعض علما نے اختلاف کیا ہے۔ (دیکھئے منهج دراسة الاسانید للعانی ص ۵۹)

(ب) وہ احادیث جن پر ائمہ نقد نے حکم لگا دیا ہے

ان کے علاوہ احادیث کی ایک بھاری تعداد وہ ہے جس کو متعدد ائمہ حدیث، اور ناقدین عظام نے اصول روایت کی کسوٹی پر کس کر اس کے کھرے کھوٹے ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے، چناں چہ کسی پر صحیح کا حکم لگایا گیا ہے، تو کسی پر حسن کا، کسی پر ضعیف کا حکم لگا ہے تو کسی پر منکر کا، کسی پر انتہائی ضعیف کا حکم لگا ہے، تو کسی پر موضوع ہونے کا۔ (حدیث اور فہم حدیث ص ۲۹۳ تا ۲۹۴)

ان کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہیں جن میں احادیث کے بارے میں ائمہ سابقین کی تصریحات مل سکتی ہیں ان کتابوں میں کتب، سنن، کتب احکام، کتب زوائد، کتب تخاریج، کتب علل وغیرہ نیز کتب سنن میں ائمہ ثلاثہ ابوداؤد نسائی اور ترمذی کی سنن زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

چند اہم کتابیں

(۱) سنن ابوداؤد: سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی (متوفی: ۲۷۵)

اس کتاب کے بارے میں خود امام ابوداؤد سے یہ بات منقول ہے کہ میں اس کتاب میں ان احادیث کو ذکر کروں گا جو صحیح ہیں یا صحیح احادیث کے مشابہ یا صحیح احادیث کے قریب ہیں، جن احادیث میں بہت زیادہ ضعف ہوگا اسے بیان کردوں گا اور جس حدیث کے بارے میں کوئی تذکرہ نہ ہو اسے صالح یعنی قابل استدلال سمجھا جائے البتہ ان میں صحت کے اعتبار سے تفاوت ہے بعض بعض کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہیں۔ اب قابل استدلال ہونے میں دونوں ہی احتمال ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو حسن قرار دیا جائے۔

ویسے یہ مسئلہ نہایت ہی معرکۃ الآراء ہے کہ جن احادیث پر امام موصوف نے سکوت اختیار کیا ہے ان کی حیثیت کیا ہوگی؟ امام کی اس صراحت کے بعد بھی کتاب میں بہت سی احادیث ضعیفہ اور احادیث موضوعہ کا وجود ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ماسکت عنہ ابوداؤد احادیث کی نئے سرے سے تحقیق کرلی جائے۔

(۲) جامع الترمذی: محمد بن عیسیٰ بن سورۃ (متوفی ۲۷۹)

یہ ہر حدیث کے بعد اس حدیث کا درجہ بیان کردیتے ہیں۔

(۳) مسند البزار المعلل: بزار (متوفی ۲۹۲)

امام بزار کچھ احادیث کی صحت وعدم صحت پر کلام کردیتے ہیں اکثر راوی کے منفرد ہونے یا متابعت کا ذکر کرتے ہیں۔

(۴) المنتقی: ابن الجارود (متوفی ۳۰۶)

(۵) دار قطنی کی تمام مؤلفات خاص طور پر سنن دار قطنی اور العلل الکبری (متوفی ۳۸۵)

(۶) معالم السنن: خطابی (متوفی ۳۸۸) یہ کتاب سنن ابوداؤد کی شرح ہے۔

(۷) المحلی: ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵۶)

(۸) السنن الکبری: بیہقی (متوفی ۴۵۸)

(۹) معرفة السنن والآثار: (متوفی ۴۵۸)

(۱۰) ابن عبد البر کی تمام مؤلفات خاص طور پر الاستذکار اور التمہید (متوفی ۴۶۳)

(۱۱) شرح السنۃ: بغوی (متوفی ۵۱۶)

(۱۲) ابن العربی مالکی کی تمام مؤلفات خاص طور پر عارضۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی (م ۵۴۳)

(۱۳) قاضی عیاض کی تمام مؤلفات خاص طور پر الشفا بحقوق المصطفیٰ (متوفی ۵۴۴)

(۱۴) الاحکام الکبریٰ: عبد الحق اشبیلی (متوفی ۵۸۱)

(۱۵) ابن الجوزی کی تمام مؤلفات خاص طور پر التحقیق فی تخریج التعالیق اور الموضوعات الکبریٰ اور العلل المتناھیۃ

(۱۶) الترغیب والترھیب: حافظ منذری (متوفی ۶۵۶)

(۱۷) امام نووی کی مؤلفات خاص طور پر شرح مسلم، ریاض الصالحین، الاذکار النوویہ، اربعین نووی اور المجموع شرح المہذب

(۱۸) شرح البخاری: کرمانی (متوفی ۷۸۶)

(۱۹) ابن دقیق العید : (متوفی ۷۰۲) کی تمام مؤلفات خاص طور پر الامام فی احادیث الاحکام اور الامام باحادیث الاحکام

(۲۰) المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح: ابو محمد عبد المؤمن بن خلف دمیاطی (متوفی ۷۰۵)

(۲۱) مشکوۃ المصابیح: خطیب تبریزی (متوفی ۷۳۷ یا ۷۴۳)

(۲۲) تنقیح التحقیق: ابن عبد الہادی (متوفی ۷۴۴)

(۲۳) امام ذہبی (۷۴۸) کی تمام مؤلفات خاص طور پر میزان الاعتدال

(۲۴) الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی : ابن الترکمانی (م: ۷۵۰) یہ کتاب سنن کبریٰ کے

حاشیہ پر مطبوع ہے۔

(۲۵) ابن قیم جوزیہ (م : ۷۵۱) کی تمام مؤلفات خاص طور پہ المنار المنیف، زاد المعاد، تهذیب سنن ابی داؤد

(۲۶) امام زیلعی کی تخریج کردہ کتابیں (م: ۷۶۲) خاص طور پہ نصب الرایہ لتخریج احادیث الهدایہ

(۲۷) ابن رجب حنبلی (م: ۷۹۵) کی تمام مؤلفات خاص طور پہ جامع العلوم والحکم شرح الاربعین النوویہ اور شرح علل الترمذی

(۲۸) امام عراقی (م: ۸۰۲) کی تمام مؤلفات خاص طور پہ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار

(۲۹) امام ہیثمی (م: ۸۰۷) کی تمام مؤلفات خاص طور پہ مجمع الزوائد و منبع الفوائد (مگر یہ تصحیح میں متساہل ہیں)

(۳۰) شرح مسلم : ابی (م: ۸۲۷)

(۳۱) امام بوصیری کی تمام مؤلفات (م: ۸۴۰) خاص طور پہ مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ

(۳۲) ابن حجر کی تمام مؤلفات (م: ۸۵۲) خاص طور پہ فتح الباری، التلخیص الحبیر، الدرایۃ فی تخریج احادیث الهدایہ اور بلوغ المرام وغیرہ

(۳۳) بدرالدین عینی (م: ۸۵۵) کی تمام مؤلفات خاص طور پہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری

(۳۴) فتح القدیر شرح هدایہ: ابن ہمام (م: ۸۶۱)

(۳۵) امام سیوطی (م: ۹۱۱) کی اکثر مؤلفات خاص طور پہ جمع الجوامع، الجامع الصغیر، اللآلی المنثورہ فی الاحادیث الموضوعۃ وغیرہ

(۳۶) ارشادالساری شرح صحیح البخاری: قسطلانی (م۹۲۳ھ)

(۳۷) ملا علی قاری (م: ۱۰۱۴) کی تمام مؤلفات خاص طور پر مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح

(۳۸) علامہ مناوی کی تمام مؤلفات (م:۱۰۳۱) خاص طور پہ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر

(۳۹) دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین: ابن علان (م: ۱۰۵۷)

(۴۰) الفتوحات الربانیۃ فی شرح الاذکار النوویۃ: ابن علان (م: ۱۰۵۷)

(۴۱) مرتضی زبیدی (م:۱۲۰۵) کی تمام مؤلفات خاص طور پہ شرح احیاء علوم الدین للغزالی

(۴۲) امام شوکانی کی تمام مؤلفات (م: ۱۲۵۰) خاص طور پر نیل الاوطار شرح المنتقی لابن تیمیہ

(۴۳) عون المعبود: ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی (م:۱۳۲۹)

(۴۴) بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد: شیخ خلیل احمد سہارنپوری (م:۱۳۴۶)

(۴۵) المنهل العذب المورود: محمود خطاب سبکی (م: ۱۳۵۲) ابوداؤد کی شرح ہے۔

(۴۶) تحفۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی: شیخ مبارکپوری (م: ۱۳۵۳)

(۴۷) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: شیخ عبیداللہ مبارکپوری

(۴۸) منهل الواردین شرح ریاض الصالحین: دکتور صبحی صالح

(۴۹) نزھۃ المتقین شرح ریاض الصالحین: دکتور مصطفی الخن

(۵۰) احمد محمد شاکر کی مؤلفات وتحقیقات: جیسے مسند احمد کی تحقیق، تفسیر ابن جریر طبری کی تحقیق اور تفسیر ابن کثیر کی تحقیق

(۵۱) حدیث کی وہ تمام کتابیں جن کی تحقیق کی گئی ہیں اس لیے کہ محققین احادیث پہ حکم لگانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۵۲) تخریج کی وہ کتابیں جن میں مؤلفین نے کسی حدیث کی کتاب کی احادیث کی تخریج کی ہو۔ص ۱۳۲

(۵۳) زبان زد (مشہور علی الالسنہ) احادیث سے متعلق کتابیں۔ص ۹ ۔اہم علم حدیث

(۵۴) فقہ اور احکام سے متعلق وہ کتابیں۔ص ۱۳۱ ۔اہم علم حدیث

(۵۵) احادیث متواترہ سے متعلق کتابیں۔ص ۱۴۴ ۔اہم علم حدیث

(۵۶) احادیث قدسیہ سے متعلق کتابیں۔ص ۱۴۶ ۔اہم علم حدیث

(۵۷) احادیث ضعیفہ اور احادیث موضوعہ سے متعلق کتابیں۔ص ۱۴۶ ۔اہم علم حدیث

(۵۸) احادیث مرسلہ سے متعلق کتابیں۔ص ۱۴۳ ۔اہم علم حدیث

(۵۹) علل حدیث سے متعلق کتابیں۔ص ۱۴۵ ۔اہم علم حدیث

(۶۰) المنتقی شرح المؤطا: ابوالولید الباجی (م: ۴۷۴) (تخریج الحدیث نشاتہ ومنھجیتہ)

ان مذکورہ بالا کتابوں میں متعدد ائمہ حدیث اور ناقدین عظام نے اصول روایت کی کسوٹی پر کس کر احادیث کے کھرے کھوٹے ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لیے باحث کو چاہیے کہ وہ حدیث پر حکم لگانے سے پہلے ان کتابوں کی طرف بھی رجوع کرے۔

نقد احادیث میں حافظ ابن حجرؒ کا مقام امتیازی ہے اگر کہا جائے کہ علوم حدیث کی پوری لائبریری کے ورق ورق پر آپ کی نظر ہے تو غلط نہ ہوگا، حافظ صاحب اپنی کتب تخاریج اور شروح حدیث کے علاوہ کتب رجال میں بھی جگہ جگہ احادیث کے درجات اور ان کی علل کی وضاحت فرماتے ہیں اس لیے باحث کو ان کی شخصیت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا چاہیے، خوش خبری کی بات یہ ہے کہ اس طرح کی تمام احادیث پر جن پر حافظ صاحب نے کوئی حکم لگایا ہے یا کلام کیا ہے ان کا مجموعہ طبع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے جس کا نام "موسوعۃ الحافظ ابن حجر الحدیثیۃ" ہے، یہ موسوعہ باحثین کے لیے نعمت مترقبہ سے کم نہیں ہے اس سے بھر پور استفادہ کرنا چاہیے۔

بہر حال محفوظ ترین طریقہ یہی ہے کہ باحث اپنی طرف سے احادیث پر حکم لگانے کی کوشش نہ کرے جہاں تک ہوسکے ائمہ سابقین کی تصریحات تلاش کرے تاکہ اپنی ذمہ داری کے بوجھ سے سبک دوش رہے چناں چہ اگر مطلوبہ حدیث سے متعلق کسی ایسے امام کی تصریح مل جائے جس پر جمہور علما اعتماد کرتے آئے ہوں اور اکثریت نے اس کو تساہل وغیرہ سے منسوب نہ کیا ہو تو اس پر اکتفا کرے، نئے سرے سے نقد اسناد کا جال پھیلانا اپنی جان جوکھم میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

ہاں اگر کسی ایسے ناقد کی تصریح ہو جو علمی حلقوں میں ناقابل اعتماد یا سہل انگاری میں مشہور ہو اور اس کی موافقت دیگر حضرات ناقدین نے نہ کی ہو تو باحث کو چاہیے کہ معتمد و مشہور ناقدین کے طرز عمل کے مطابق اگر اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس کی موافقت کرے ورنہ مسلمہ اصولوں کا جو تقاضا ہو اسی کے مطابق اس پر حکم لگادے۔

الغرض نقد اسناد کی ضرورت ان ہی احادیث میں ہوتی ہے جن میں پیشرو ائمہ فن کی جانب سے یا تو بالکل ہی تصریح نہ ملے، یا ایسے ناقد کی تصریح ملے جو جمہور اہل علم کے نزدیک ناقابل اعتبار یا بے جا نرمی برتنے میں مشہور ہو یا ان احادیث میں ہوتی ہے جن میں تصریح تو کسی امام معتبر کی موجود ہو مگر اس میں کھلی ہوئی کوئی ایسی علت موجود ہو جو اس کی تصحیح یا تحسین سے مانع ہو اور باوثوق طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث پر حکم لگانے والے امام کو اس علت کا ہرگز علم نہیں تھا۔ (حدیث اور فہم حدیث ۲۹۴،۲۹۵)

سند اور حدیث پر حکم لگانے کے مراحل

سند پر باعتبار صحت، حسن، ضعف اور وضع کا حکم لگانے کے لیے مندرجہ ذیل مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔

(۱) حدیث کی مکمل تخریج (تخریج کا بیان ماقبل میں ہو چکا۔)

(۲) رجال سند کی تعیین

(۳) رجال سند کی عدالت اور ان کے ضابط ہونے کی تحقیق

(۴) سند کے متصل ہونے کی تحقیق

(۵) سند میں واقع شذوذ کی تحقیق

(۶) سند میں واقع علت کی تحقیق

متن حدیث پر باعتبار صحت، حسن، ضعف اور وضع کا حکم لگانے کے لیے مندرجہ ذیل مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔

(۱) متن میں پائی جانے والے شذوذ کی تحقیق کرنا

(۲) متن میں پائی جانے والی علت کی تحقیق کرنا

نوٹ : سب سے پہلے مطلوبہ حدیث کی سند اور متن پر حکم لگایا جاتا ہے پھر مطلوبہ حدیث کی متابعات وشواہد پر حکم لگایا جاتا ہے اور پھر مجموعی اعتبار سے حکم لگایا جاتا ہے۔

اب ان تمام مراحل کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) رجال اسناد کی تعیین

نقد اسناد کے لئے جو سند پیش نظر ہو سب سے پہلے باحث کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کے جملہ رجال کو تشخص کے ساتھ ممتاز و متعین کرلے، کیوں کہ بعض دفعہ ایک ہی طبقہ میں ایک نام، ایک کنیت یا ایک نسبت کے ایک سے زائد رجال معروف ہوتے ہیں، جن کی حیثیتیں جرح وتعدیل کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔

اس عملی اقدام کے لئے پہلا کام یہ کریں کہ سند کا بغور مطالعہ کریں اور یہ معلوم کریں کہ اس میں وارد شدہ نام متعیّن ہے، جس سے شخصیت کی تعیین ہوجاتی ہے یا مبہم ہے جس سے تعیین نہیں ہو پاتی۔ اگر شخصیت معین ہے تو بہت خوب، عمل آسان ہو گیا اور اگر شخصیت مبہم ہے تو یہ معلوم کریں کہ یہ حدیث کسی اور کتاب میں پائی جاتی ہے کہ نہیں؟! اگر ہے تو اس کی سند میں متعیّن ہے یا مبہم، اگر معین ہے تو بہتر ہے

ورنہ اس کتاب کو اٹھائیں، جس میں اس راوی کی سیرت وسوانح تحریر شدہ ہے، اس نام کا اگر دوسرا راوی اس کتاب میں نہیں ہے تو یوں سمجھئے کہ اس کی تعیین ہو گئی کہ سامنے موجود راوی ہی مطلوبہ شخصیت ہے اور اگر اس نام کے دو یا اس سے زیادہ راوی ہوں تو سند حدیث پر ایک نظر پھر سے ڈالیں اور یہ دیکھیں کہ اس راوی کا استاذ اور شاگرد کون ہے؟ استاد اور شاگرد کا نام معلوم ہو جانے پر پھر اس کتاب کو دیکھیں جس میں اس کا ترجمہ موجود ہے۔ اور یہ دیکھئے کہ وہاں اس کے استاذ اور شاگرد کس راوی کے ترجمہ میں ہے، جس ترجمہ میں بحیثیت استاذ وشاگرد وہ نام تحریر ہو تو اب اس کی تعیین ہو گئی۔ یاد رہے کہ کتب رجال میں اساتذہ کی طرف نشاندہی کے لئے "روی عن" اور شاگردوں کی طرف نشاندہی کے لئے "روی عنہ" کا عنوان قائم کیا جاتا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو ہم نام راوی استاذ وشاگرد میں مشترک ہوتے ہیں، اس صورت میں اگر دونوں ثقہ ہیں تو مسئلہ آسان ہے اور اگر ان میں کوئی ضعیف ہے تو مسئلہ بڑا مشکل اور پیچیدہ ہو جاتا ہے، اس کی تعیین کے لئے بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے، اس کے لئے کتب معاجم وکتب مشیخات سے جس میں اس کی روایتیں ہوتی ہیں مدد مل سکتی ہے، نیز کتب ضعفا وغیرہ سے مدد لی جا سکتی ہے، جس میں ضعیف راویوں کی روایتوں کو ان کے ترجمہ میں ذکر کیا جاتا ہے، جس کتاب کی حدیث آپ تلاش کر رہے ہیں اگر اس کی کوئی شرح ہے تو ممکن ہے کہ اس میں راوی کی تعیین شارح نے کسی ذریعہ سے معلوم کر کے کر دی ہو وہاں سے بھی مدد مل سکتی ہے۔

مزید وضاحت

عام طور پر کتب حدیث میں سند میں مندرجہ ذیل دس طرح رجال سند کو ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) راوی کا صرف نام ذکر کیا گیا ہو کوئی نسبت یا مابہ الامتیاز وصف مذکور نہ ہو۔ جیسے حدثنا محمد بن یوسف حدثنا سفیان حدثنا منصور عن ابی حازم عن ابی ہریرۃ ﷺ اس سند میں دو راوی سفیان اور منصور کا صرف نام ذکر کیا گیا، مابہ الامتیاز وصف ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) صرف کنیت ذکر کی جاتی ہے اور کوئی نام یا وصف ذکر نہیں کیا جاتا۔ جیسے مذکورہ بالا مثال میں "ابوحازم" صرف کنیت ذکر کی گئی ہے۔

(۳) راوی کو قبیلہ، شہر یا پیشہ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے حدثنا محمود حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن الزھری عن عروۃ عن المسور ﷺ اس سند میں معمر کے شیخ زہری کو قبیلہ کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیا گیا، نام اور نسبت ذکر نہیں کی گئی ہے۔

(۴) راوی کو باپ کی طرف یا دادا کی طرف یا پردادا یا ماں اور نانی، پرنانی کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے حدثنا یونس عن ابن شھاب اخبرنی محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت ﷺ اس سند میں یونس کے شیخ ابن شہاب کو سکڑ دادا کی طرف منسوب کر کے بیان کیا گیا ہے، ابن شہاب وہی زہری ہے جن کا مکمل نام یہ ہے محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری

(۵) راوی کو کسی اچھے یا برے لقب (جس سے وہ معروف ہوتا ہے) کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے اعمش، اعرج، افطس وغیرہ

(۶) راوی کو چچا یا پھوپھی کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے ابن اخی فلان یا ابن اخی فلانۃ

(۷) راوی کو ماں کی کنیت کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے ابن ام فلان، ابن ام مکتوم

(۸) راوی کا نام اس کے دادا کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا جاتا ہے اور والد کا نام حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے مسلم شریف کی ایک سند عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن ابی فروہ عن یزید بن خصیفہ عن بسر بن سعید عن ابی ھریرۃ ﷺ اس سند میں عبداللہ بن محمد بن عبداللہ کے شیخ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ میں والد عبداللہ کا نام حذف کر دیا گیا۔

حدیث کی کتابوں میں ان آٹھ طریقوں سے راویان کا ذکر ہوتا ہے یہ مشہور طریقے ہیں، ان

کے علاوہ اور بھی طرق ہوسکتے ہیں۔

راوی کی شخصیت کو متعین کرنے کے پانچ طریقے ہیں

(۱) کتب رجال میں اس راوی کے شیخ یا شاگرد کا ترجمہ دیکھا جائے۔ شیخ کے ترجمہ میں ہوسکتا ہے روی عنہ (یعنی شاگردوں سے) اس کے نام کی تعیین ہوجائے یا شاگرد کے ترجمہ میں ہوسکتا ہے کہ روی عن (یعنی اساتذہ) سے اس کے نام کی تعیین ہوجائے۔ مثال کے طور پر اگر سند اس طرح ہو سلیمان بن مہران عن شقیق عن حذیفة بن الیمان ﷺ اب حذیفہ سے روایت کرنے والے شقیق کی شخصیت کو متعین کرنا ہو تو "تہذیب الکمال" میں حضرت حذیفہ کا ترجمہ نکالا جائے، جب ہم نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کرنے والوں کی فہرست دیکھی تو اس میں شقیق نام کے صرف ایک راوی شقیق بن سلمہ الاسدی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ سند میں شقیق سے مراد شقیق بن سلمہ ہیں۔ مزید پختگی کے لیے سلیمان بن مہران کا ترجمہ نکالا جائے، ہم نے سلیمان بن مہران کا ترجمہ نکال کر ان کے شیوخ کی فہرست کو دیکھا تو اس میں شقیق بن سلمہ کا نام موجود تھا، اس سے معلوم ہو گیا کہ شقیق سے مراد شقیق بن سلمہ الاسدی ہی ہیں۔

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تلامذہ اور اساتذہ دونوں کے ذریعہ سے راوی کی تعیین نہیں ہوتی بلکہ صرف اساتذہ یا تلامذہ کی فہرست سے تعیین ہوتی ہے تو اس طرح کی تعیین کا بھی اعتبار کرلیا جائے خاص طور پر جب کہ قرائن سے تقویت بھی ملتی ہوں۔

(۲) اگر سند میں راوی کا صرف لقب ذکر کیا گیا ہو یا کنیت بیان کی گئی یا نسبت بیان کی گئی ہو تو ان کتابوں سے ان کے مکمل نام کی تعیین کی جاسکتی ہے جو اس بارے میں لکھی گئی ہوں جیسے کتب القاب، کتب کنی، کتب انساب وغیرہ، جیسے اعمش کو ہم نے ابن الجوزی کی کتاب کشف النقاب عن الاسماء والالقاب میں دیکھا تو اس طرح مذکور تھا؛ الاعمش : اسمه سلیمان بن مهران و یکنی ابا محمد رأى انس بن مالک

(۳) کتب اسمائے رجال میں باب الیاء کے بعد ذکر کی گئی ان فصلوں کی طرف مراجعت کی

جائے جو القاب، کنی اور نسب وغیرہ سے مشہور رجال کے تعارف کے لیے قائم کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم کتاب حافظ ابن حجر کی "تقریب التہذیب" ہے جس میں القاب، کنی اور نسب سے مشہور رواۃ کی تعیین کے لیے مفید فصلیں قائم کی گئی ہیں، جیسے حافظ ابن حجر نے اس طرح عنوان قائم کیے ہیں۔

(۱) باب فی کنی الرجال علی ترتیب حروف المعجم لما بعد أداۃ الکنیۃ

(۲) باب فیمن نسب الی ابیہ او امہ او عمہ او جدہ ونحو ذلک

اس باب کے ضمن میں دو فصلیں قائم کی ہیں۔ (۱) فیمن قیل فیہ ابن اخی فلان (۲) فیمن قیل فیہ ابن ام فلان

(۳) باب فی الانساب الی القبائل والبلاد والصنائع وغیر ذلک

(۴) باب فی الالقاب وما اشبہھا ومنھا من نسب الی علۃ فیہ او عاھۃ

(۵) باب فی الکنی من الالقاب کأبی قلابۃ وابی الجوزاء وابی الملیح

(۶) باب فی الانساب من الالقاب کالشاذ کونی والوکیعی

حافظ ابن حجرؒ نے عورتوں کے تراجم بیان کرنے کے بعد اسی مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عورتوں کی کنیتیں، القاب اور انساب وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

حافظ صاحب کی یہ ترتیب "تہذیب الکمال" اور "تہذیب التہذیب" کی ترتیب کے عین مطابق ہے، لیکن "تقریب التہذیب" سے فائدہ اٹھانا ان دو بڑی اور طویل کتابوں سے فائدہ اٹھانے کے مقابلہ میں آسان ہے لیکن کبھی "تقریب التہذیب" سے ضرورت مکمل نہیں ہوتی تو ان دو بڑی کتابوں یا دیگر متعلقہ کتابوں کی طرف مراجعت ضروری ہو جاتی ہے۔

اور یہی ترتیب اسماء الرجال کی دیگر کتابوں جیسے کتب ضعفاء، کتب ثقات، میزان الاعتدال، لسان المیزان اور تعجیل المنفعۃ میں اختیار کی گئی ہے۔

(۴) راوی کی شخصیت کی تعیین کے لیے "کتب الاطراف" اور کتب تخاریج کی مراجعت کی

جائے۔اس لیے کہ ان کتابوں میں بسا اوقات راوی کی شخصیت کی تعیین کردی جاتی ہے، خاص طور پر جب کہ راوی مشہور نہ ہو یا اس میں کسی طرح کی جہالت ہو یا اس کے نام میں کسی طرح کا التباس پایا جاتا ہو، اس سلسلہ میں باحث کو خاص طور پر کتب ستہ کے رجال کے لیے "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" کی مراجعت کرنی چاہیے۔اس لیے کہ حافظ مزی اکثر مبہم ومہمل راوی کی تعیین کردیتے ہیں اسی طرح جو راوی کنیت یا لقب سے مذکور ہوتا ہے اس کے نام کی بھی صراحت کردیتے ہیں۔

(۵) راوی کی تعیین کے لیے مطلوبہ حدیث کی مکمل تخریج کی جائے، اس کے نتیجہ میں راوی کی کسی نہ کسی سند میں تعیین ہوجانے کا امکان ہوتا ہے۔

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک راوی کے شیوخ وتلامذہ اور دوسرے راوی کے شیوخ وتلامذہ دونوں ایک ہی ہوتے ہیں اور یہ راوی نام میں ایک دوسرے سے متحد ہوتے ہیں ایسی صورت میں باحث کو راوی کی تعیین کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے جیسے بخاری کی ایک سند اس طرح ہے حدثنا سلیمان بن حرب حدثنا حماد عن ثابت عن انس ؓ

اس سند میں مذکور حماد کے شیخ ثابت بنانی ہیں اور شاگرد سلیمان بن حرب ہیں، لیکن اسی شیخ وتلمیذ میں دو حماد شریک ہیں، (۱) حماد بن زید (۲) حماد بن سلمہ

اب پریشانی ہورہی تھی کہ دونوں میں سے یہاں کون مراد ہے لیکن تتبع طرق کے بعد بخاری ہی میں ایک دوسری روایت اس طرح مل گئی حدثنا مسدد حدثنا حماد بن زید عن ثابت اس سند سے ثابت ہوگیا ہے حماد سے مراد "حماد بن زید" ہیں۔(تیسیر دراسۃ الاسانید ص ۱۰)

رواۃ کے اسما کی تعیین کے بعض قواعد

(۱) حمادین (حماد بن سلمہ اور حماد بن زید) کے درمیان فرق

حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ حماد بن زید اور حماد بن

سلمہ سے روایت کرنے میں ایک جماعت شریک ہیں اور دونوں سے روایت کرنے میں ایک جماعت منفرد بھی ہے۔ اب قاعدہ یہ ہے کہ عفان، حجاج بن منھال اور ہدبہ بن خالد اپنے شیخ کے نام کے طور پر صرف حماد کہے تو اس سے مراد حماد بن سلمہ ہوتے ہیں، اگر یہ لوگ حماد بن زید سے روایت کرتے ہیں تو مکمل نام حماد بن زید ذکر کردیتے ہیں۔

اس کے برخلاف سلیمان بن حرب اور عارم جب مطلقاً حماد سے روایت کرے تو حماد بن زید مراد ہوتے ہیں اس لیے کہ جب وہ حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں تو مکمل نام ذکر کرتے ہیں۔

صرف حماد بن زید سے روایت کرنے والے یہ لوگ ہیں۔ احمد بن عبدۃ الضبی، ابوالربیع الزہرانی قتیبہ بن سعید، مسدد اور وہ لوگ جن کا ذکر صرف حماد بن زید کے ترجمہ میں کیا گیا ہے اور حماد بن سلمہ کے ترجمہ میں نہیں کیا گیا ہے، اب مذکورہ لوگ اگر صرف حماد ذکر کریں تو اس سے مراد حماد بن زید ہوں گے۔

اور حماد بن سلمہ سے روایت کرنے میں یہ لوگ منفرد ہے (یعنی یہ لوگ حماد بن زید سے روایت نہیں کرتے ہیں) بہز بن اسد، موسیٰ بن اسماعیل اور وہ رواۃ جن کا ذکر صرف حماد بن سلمہ کے ترجمہ میں کیا گیا ہے اور حماد بن زید کے ترجمہ میں نہیں کیا گیا ہے، مذکورہ لوگ اگر صرف حماد کا ذکر کریں تو اس سے مراد حماد بن سلمہ ہوں گے۔

(۲) سفیانین (سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ) کے درمیان فرق

سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ سے روایت کرنے میں ایک جماعت مشترک ہے، لیکن دونوں کے درمیان فرق اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اکثر سفیان ثوری سے روایت کرنے والے کبار اور قدما ہیں جب کہ سفیان بن عیینہ سے روایت کرنے والے ایسے صغار ہیں جنھوں نے سفیان ثوری کو نہیں پایا، اس طرح تعیین ہوجاتی ہے۔ اب اگر کوئی قدیم مطلقاً سفیان سے نقل کرے تو اس سے مراد ثوری ہوتے ہیں جیسے وکیع، ابن مہدی، فریابی، ابونعیم وغیرہ سفیان سے روایت کریں تو سفیان ثوری مراد ہوتے ہیں، اگر ان میں سے کوئی سفیان بن عیینہ سے نقل کرتا ہے تو نام کے ساتھ نسب اور مابہ الامتیاز وصف بھی

بیان کر دیتا ہے۔

جن رواۃ نے سفیان ثوری کو پایا ہی نہیں ہے وہ اگر مطلقاً سفیان کا ذکر کریں تو اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہوں گے یہ ایک بدیہی بات ہے۔

(۳) ہشام کے متعلق قاعدہ

عام طور پر اسانید میں جب مطلقاً بغیر نسبت کے ہشام کا ذکر ہوتا ہے تو تین آدمی مراد ہوتے ہیں۔(۱) ہشام بن عروہ (۲) ہشام بن حسان (۳) ہشام بن ابی عبداللہ دستوائی

ان لوگوں کے درمیان تمیز کرنا کچھ مشکل نہیں ہے اس لیے کہ ان کے شیوخ میں اتفاق نہیں ہے یعنی سب کے شیوخ ایک ہی نہیں ہیں، بلکہ الگ الگ ہیں۔صرف دو شیخ میں اتفاق ہے۔

(۱) یحییٰ بن ابی کثیر ان سے ہشام دستوائی اور ہشام بن حسان روایت کرتے ہیں۔

جب سند میں اس طرح مطلقاً منقول ہو ہشام عن یحییٰ تو ہشام سے مراد ہشام دستوائی مراد ہوتے ہے اور جب ہشام بن حسان، یحییٰ سے نقل کرتے ہیں تو سند میں ہشام بن حسان کا مکمل نام ہشام بن حسان مذکور ہوتا ہے اور ہشام (بن حسان) کی روایت عن یحییٰ صرف ابن ماجہ میں ہے۔

(۲) ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس ان سے ہشام دستوائی اور ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں۔

جب سند میں ہشام عن ابی الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس واقع ہو تو ہشام سے مراد دستوائی ہوتے ہیں۔ ہشام بن عروہ جب ابی الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس سے روایت کرتے ہیں تو ہشام بن عروہ عن ابی الزبیر مکمل نام کی صراحت ہوتی ہے اس طرح دونوں ہشام کی آسانی سے تعیین ہو جاتی ہے اور ہشام بن عروہ عن ابی الزبیر محمد بن مسلم کی روایت صرف مسلم شریف میں ہے۔

(۴) جب کسی سند میں عطاء کا نام مہمل واقع ہو تو اس سے عطاء ابن ابی رباح مراد ہوتے ہیں۔

(۵) جب کسی سند میں "زائدہ" مہمل واقع ہو تو اس سے زائدہ بن قدامہ مراد ہوتے ہیں۔

(۶) مسلم شریف یا کسی مصری کی سند میں لیث کا نام مہمل واقع ہو تو اس سے لیث بن سعد مراد ہوتے ہیں۔

(۷) مروزی اگر مہمل عبداللہ سے روایت کرے تو عبداللہ ابن المبارک مراد ہوتے ہیں۔

(۸) عمرو عن سفیان بن عیینہ سند میں واقع ہو تو عمرو بن دینار مراد ہوتے ہیں۔

(۹) اگر کسی سند میں شعبہ عن عمرو واقع ہو تو عمرو سے مراد عمرو بن مرۃ ہوتے ہیں۔

(۱۰) عبدالرحمن عن سفیان اگر سند میں واقع ہو تو عبدالرحمن سے ابن مھدی اور سفیان سے ثوری مراد ہوتے ہیں۔

(۱۱) اگر سند میں سعید عن ابی ہریرۃ واقع ہو تو سعید سے سعید بن المسیب مراد ہوتے ہیں۔

تعیین رواۃ کا کام بڑا اہم ہے اس کی باحث کو اشد ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ عام طور پہ سند میں رجال مہمل یا مبہم واقع ہوتے ہیں اور جب تک راوی کی تعیین نہ ہو تو وہاں تک جرح وتعدیل کے اعتبار سے اس کا درجہ متعین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ماقبل میں تعیین رواۃ کے سلسلہ میں کچھ قواعد کا ذکر کیا گیا۔ باحث جب اس کوچہ میں قدم رکھے گا اور رواۃ کی تعیین کے لیے بحث وتحقیق کرے گا تو خود ہی اسے بہت سے تجربات حاصل ہوں گے۔ (تیسیر دراسۃ الاسانید بحذف واضافہ ص ۱۰۷ تا ۱۱۱)

اب سند پر حکم لگانے کے دوسرے مرحلے سے متعلق باتیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۲) رجال سند کی عدالت اور ان کے ضابط ہونے کی تحقیق

راوی کی تعیین کے بعد اس کے ترجمہ وحالات کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور جرح وتعدیل کے اعتبار سے علما کے اقوال کا جائزہ لیا جائے اگر وہ راوی ایسا ہے کہ جس کی توثیق یا تضعیف پہ تمام علما متفق ہیں تو معاملہ آسان ہوگا، اگر توثیق پر اتفاق ہے تو اسے ثقہ قرار دیا جائے گا اور اسی کے مطابق اس سند پر حکم لگایا جائے گا اور اگر تضعیف پر اتفاق ہے تو اسے ضعیف قرار دیا جائے گا اور سند پہ ضعف کا حکم لگایا جائے گا۔

اور اگر جرح وتعدیل کے اعتبار سے علما کے اقوال مختلف ہیں تو پھر افضل طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ راوی صحاح ستہ اور صحاح ستہ کے مؤلفین کی دیگر کتابوں کا ہے تو حافظ ابن حجر کی کتاب "تقریب التھذیب" امام ذہبی کی "الکاشف" اور امام خزرجی کی "الخلاصہ" کی مراجعت کی جائے اور وہیں سے راوی کے متعلق مذکور نتیجہ نقل کرلیا جائے۔اس لیے حافظ صاحب، امام ذہبی اور امام خزرجی نے اپنی ان کتابوں میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کا خلاصہ نقل کردیا ہے۔

اور اگر وہ راوی مسند امام ابوحنیفہ، مسند شافعی، مسند احمد اور مؤطا امام مالک کا ہو تو تعجیل المنفعۃ کی طرف مراجعت کی جائے اس لیے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی اس کتاب میں اکثر رواۃ کے متعلق ثقاہت وضعف کے اعتبار سے کوئی نہ کوئی نتیجہ ذکر کردیا ہے،لیکن وہ راوی اگر صحاح ستہ، صحاح ستہ کے مؤلفین کی دیگر کتابوں اور ائمہ اربعہ کی کتابوں (مسند امام ابوحنیفہ، مسند شافعی، مسند احمد اور مؤطا امام مالک) کے علاوہ کسی کتاب کا ہو تو پھر باحث کو چاہیے کہ وہ حافظ ابن حجرؒ کے اس طرز کا غائرانہ مطالعہ کرے جو انھوں نے مختلف فیہ راویوں کے متعلق نتیجہ نکالنے کے لیے اختیار کیا ہے۔پھر انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مطلوب راوی کے متعلق نتیجہ نکال کر وہ راوی جس مرتبہ کا مستحق ہے اس کے مناسب اس کا درجہ متعین کردے۔(تخریج الحدیث اضافہ کے ساتھ)

نوٹ : حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "تقریب التھذیب" سے خلاصہ نقل کرنے کی بات ان لوگوں کے نزدیک ہے جو حافظ صاحب کے نکالے ہوئے خلاصہ پر اعتماد کرلینے کے قائل ہیں ورنہ بعض لوگوں کے نزدیک مختلف فیہ راوی کے متعلق حافظ صاحب کا خلاصہ معتبر نہیں ہے، ایسی صورت میں یا راوی کے تقریب التھذیب اور تعجیل المنفعۃ کا نہ ہونے کی صورت میں تعارض جرح وتعدیل سے متعلق جو بحث ذکر کی گئی ہے اس کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور راوی کے حالات کے لئے ان کتابوں کی مراجعت کی جائے جن کا مفصل ذکر "باب سوم علم اسماء الرجال" میں کیا گیا ہے۔اگر تطبیق کی کوئی شکل نکلتی ہو تو اس کے مطابق حکم لگایا جائے ورنہ جرح مبہم، جرح مفسر، جرح، اسباب جرح کے مقبول وغیر مقبول اور ائمۂ جرح

وتعدیل کے مزاج (تشدد، تساہل اور اعتدال) سے متعلق جو باتیں ــ باب دوم علم جرح وتعدیل ــ کے عنوان کے ماتحت ذکر کی گئی ہیں اس کے مطابق راوی کے متعلق کوئی نتیجہ نکال کر مناسب حکم لگادے۔

راوی کے ترجمہ کا مطالعہ کرتے وقت جرح وتعدیل کے عام الفاظ وکلمات، مخصوص کلمات، نادر کلمات، حرکات، ائمہ جرح وتعدیل کی توثیق وتضعیف کے سلسلہ کی خاص اصطلاحات وغیرہ کو ذہن میں رکھے، اسی طرح راوی کے خاص شیوخ سے نقل کرنے میں، خاص شہر والوں سے نقل کرنے میں اور خاص اوقات (جیسے اختلاط کے بعد) میں کی گئی تضعیف کو بھی ملحوظ خاطر رکھے (ان سب باتوں کی وضاحت ماقبل میں ہوچکی ہے۔

باحث کو چاہیے کہ ان سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے راوی کے متعلق آخری فیصلہ صادر کرے۔

مختلف فیہ راویوں کے بارے میں صحیح نتیجہ پر پہونچنے کا طریقہ

اب مختلف فیہ راویوں کے بارے میں درست نتیجہ پر کیسے پہنچا جاسکتا ہے اسے دو مثالوں کے ذریعہ واضح کیا جاتا ہے۔

(۱) مسلم بن خالد الزنجی

مسلم بن خالد کی تعدیل سے متعلق اقوال

قال ابن عدی حسن الحدیث وار جوانہ لا بأس بہ

وقال ابن معین ثقة وزاد فی روایة، صالح الحدیث

وحکی ابن القطان عن الدار قطنی انہ قال ثقة

وذکرہ ابن حبان فی الثقات

مسلم بن خالد کی تجریح سے متعلق اقوال

قال الامام احمد: مسلم بن خالد کذا و کذا

وقال ابن المدینی: لیس بشیء

وقال البخاری: منکر الحدیث یکتب حدیثه ولا یحتج به یعرف وینکر

وقال ابن سعد: کان کثیرا الغلط فی حدیثه

وقال ابن حبان: یخطیء احیانا

وقال عثمان الدارمی: یقال انه لیس بذاک فی الحدیث

وقال الساجی: صدوق کان کثیر الغلط

وقال یعقوب بن سفیان: کان یطلب ویسمع ولا یکتب فلما احتیج الیه وحدث کان

یاخذ سماعه الذی غاب عنه یعنی فضعف

ونسبه ابن البرقی الی الضعف ممن یکتب حدیثه

وذکر له ابن معین عدة احادیث انکرت علیه

اقوال کے درمیان ترجیح

ائمہ جرح وتعدیل کے سابقہ اقوال کی روشنی میں مندرجہ ذیل خلاصہ نکالا جاسکتا ہے۔

(۱) مسلم بن خالد کے بارے میں جو کلام کیا گیا ہے وہ ان کے حافظہ پر کیا گیا ہے۔

(۲) بعض جرحیں مبہم ہیں جیسے لیس بشیء وغیرہ اور بعض جرحیں مفسر ہیں جو مختلف وجوہات کی بنا پر کی گئی ہیں۔

(۳) مسلم بن خالد کے ضعیف ہونے کی علت کثرت غلط اور ان کا اپنے حافظہ سے نقل کرنا اور اپنی مرویات کے لکھنے کا اہتمام نہ کرنا ہے اور یہی چیز عام طور پر راوی کو روایت کرنے میں خطا اور وہم تک لے جاتی ہے۔

(۴) ابن معین نے مسلم بن خالد کی توثیق کی ہے اس سے مراد عدالت ہے اسی وجہ سے ثقہ کے بعد صالح الحدیث کہا ہے۔ اس لیے کہ ابن معین کسی راوی کے متعلق ثقہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے عدالت

مراد لیتے ہیں۔ صالح الحدیث کا اضافہ اسی لیے کیا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابن معین نے مسلم بن خالد کو ضابط بھی قرار دیا ہے۔ صالح الحدیث یہ صدوق سے کم درجہ پر دلالت کرتا ہے صدوق کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے اور صالح الحدیث کی حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی بلکہ اعتبار کے لائق ہوتی ہے یعنی اگر ثقات اس کی روایت کی موافقت کریں تو وہ حدیث صحیح ہوگی ورنہ منکر اور مردود ہوگی یعنی متابعات وشواہد کے طور پر پیش کی جاسکے گی۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ابن معین نے مسلم بن خالد پر یہ حکم لگایا ہے پھر بھی ان کی احادیث کو روایت کیا ہے۔

جہاں تک دارقطنی کی توثیق کی بات ہے تو دارقطنی توثیق میں متساہل واقع ہوئے ہیں، اسی طرح ابن حبان اور ابن عدی متساہل ہیں، مگر ابن حبان ان لوگوں میں کچھ زیادہ متساہل ہیں، پھر جرح مفسر کے مقابلہ میں تعدیل مبہم کا کوئی اعتبار بھی نہ ہوگا۔

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں مسلم بن خالد حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہیں ان کی احادیث قابل اعتبار ہیں، قابل حجت واستدلال نہیں ہے۔ واللہ اعلم (تیسیر علوم الحدیث ص ۱۹۳، ۱۹۴)

(۲) سعید بن جمہان

سعید بن جمہان کی تعدیل سے متعلق اقوال

قال ابن معین: ثقة

وقال ابوداؤد: ثقة وفی موضع آخر وھو ثقة ان شاء اللّٰہ وقوم یضعفون انما یخاف ممن فوقه

وقال ابن عدی: روی احادیث عن سفینة لا یرویها غیرہ وارجوانه لا بأس به فان حدیثه اقل من ذلک

وقال النسائي: ليس به بأس

وقال المروزي عن الامام احمد: ثقة

قلت يروى عن يحيى بن سعيد انه سئل عنه (عن سعيد) فلم يرضه فقال باطل ۔

وغضب وقال ماقال هذا احد غير علي بن المديني، ماسمعت يحيى يتكلم فيه بشئ

وذكره ابن حبان في الثقات

سعید بن جمہان کی تجریح سے متعلق اقوال

قال البخاري في حديثه عجائب وقال ابو حاتم يكتب حديثه ولا يحتج به

وقال الساجي لا يتابع على حديثه

اقوال کے درمیان ترجیح

ائمۂ جرح وتعدیل کے سابقہ اقوال کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں

(۱) امام نسائی (جن کا شمار متشددین میں ہوتا ہے) نے سعید بن جمہان کی توثیق کی ہے لہذا ان کی توثیق قابل اعتبار ہوگی۔

(۲) امام احمد بن حنبل اور ان کے شاگرد امام ابوداؤد نے بھی سعید کی توثیق کی ہے اور ان دونوں کا شمار ائمۂ معتدلین میں ہوتا ہے۔

(۳) امام احمد کے سامنے سعید کی جرح سے متعلق یحیی بن سعید سے مروی قول ذکر کیا گیا تو امام احمد نے شدت سے اس کی تردید کردی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک سعید کے بارے میں جرح ثابت نہیں ہے۔ امام ابوداؤد کا طرز بھی اسی بات کی غمازی کرتا ہے اس لیے کہ انھوں نے توثیق نقل کرنے کے بعد لکھا کہ ایک قوم سعید کی تضعیف کرتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد کے نزدیک بھی جرح ثابت نہیں ہے۔

(۴) جہاں تک ابوحاتم کی جرح کی بات ہے تو ان کا شمار متشددین میں ہوتا ہے، سعید

کے بارے میں ان کی جرح ائمہ معتدلین کی ایک جماعت سے متعارض ہو رہی ہے اس لیے تعدیل کو مقدم کیا جائے گا، تعدیل کو مقدم کیے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جرح مبہم ہے مفسر نہیں ہے۔

(۵) جہاں تک امام بخاری کے اس قول "فی حدیثہ عجائب" کی بات ہے تو یہ لفظ کسی بھی حال میں جرح پر دلالت نہیں کرتا ہے، بلکہ یہ لفظ جرح سے کم درجہ کا ہے، پھر امام بخاری نے سعید کا ذکر اپنی کتاب "کتاب الضعفاء" میں نہیں کیا ہے، اسی طرح امام بخاری نے "التاریخ الکبیر" میں بھی سعید پر کوئی جرح نہیں کی ہے۔

(۶) جہاں تک ساجی کے اس قول "لا یتابع علی حدیثہ" کی بات ہے تو یہ بات بالکل درست ہے کہ سعید کی مرویات کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے اور وہ سفینہ کی روایتوں کے روایت کرنے میں متفرد ہیں، لیکن یہ کوئی قابل جرح سبب نہیں ہے، امام احمد بن حنبل نے سعید عن سفینہ کے طریق سے منقول حدیث کی تصحیح کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید کا حدیث کی روایت میں متفرد ہونا مقبول ہے۔

تہذیب الکمال میں مذکور ہے کہ حشرج بن نباتہ سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن جمہان سے دریافت کیا کہ سفینہ سے آپ کی ملاقات کہاں ہوئی؟ سعید نے کہا کہ حجاج کے زمانہ میں مقام بطن نخلہ میں میری سفینہ سے ملاقات ہوئی اور میں ان کے ساتھ آٹھ دن تک رہا اور ان سے اللہ کے رسول ﷺ احادیث سنا کرتا تھا۔

اس وجہ سے وہ سفینہ سے روایت کرنے میں متفرد ہیں کوئی دوسرا ان روایتوں کو سفینہ سے نقل نہیں کرتا ہے اس وجہ سے روایتوں میں یہ تفرد قابل جرح نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام

ماقبل کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سعید بن جمہان کے بارے میں جو کلام کیا گیا ہے وہ ان کے سفینہ سے روایت کرنے میں متفرد ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے، لیکن جب ان کے سفینہ سے روایت کرنے میں متفرد ہونے کی معقول وجہ موجود ہے تو اس طرح کی جرح قابل اعتبار نہ ہوگی۔

اسی وجہ سے امام احمد نے سعید کی بعض منفرد روایتوں کی تصحیح کی ہے اور ان لوگوں پر اعتراض کیا ہے جنھوں نے سعید کی تلیین کی ہے، ان باتوں کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ سعید ان شاء اللہ تعالیٰ ثقہ ہیں۔ (تیسیر علوم الحدیث ص ۲۰۲، ۲۰۳)

مذکورہ بالا طریقے کے مطابق مختلف فیہ راویوں کے بارے میں خلاصہ نکال کر اس کی روشنی میں سند پر حکم لگانا چاہیے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ سند کی حیثیت ایک جسم کے مانند ہے اگر سند کے تمام رواۃ امیر المومنین فی الحدیث، اوثق الناس ہوں لیکن صرف ایک راوی کذاب ہو تو سند پر موضوع ہونے کا حکم لگادیا جائے گا، گویا نتیجہ ارذل کے تابع ہوگا۔

(۳) سند کے متصل ہونے کی تحقیق

تیسرا مرحلہ صحت حدیث کی تیسری شرط اتصال کی تحقیق کا ہے۔

اتصال سند کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سند کے ہر راوی کا اس کے شیخ سے سماع ثابت ہو سماع اخص ہے ادراک یعنی معاصرت سے جیسا کہ وہ اخص ہے رویت اور لقاء سے، چناں چہ بعض دفعہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت ہوتی ہے مگر رویت کا تحقق نہیں ہوتا بعض دفعہ رویت ہوتی ہے مگر ملاقات نہیں ہوتی اور کبھی ملاقات بھی ہوتی ہے مگر سماع حدیث کا تحقق نہیں ہوتا۔

اتصال سند کی شرط کے تحقق کے لیے امام بخاری اور ان کے شیخ علی بن المدینی کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان سماع کا ثبوت ہو اور محققین نے اسی کو راجح قرار دیا ہے جب کہ امام مسلم اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک معاصرت اور امکان لقا بھی اتصال پر محمول کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے بشرطیکہ راوی مدلس نہ ہو۔

سند کے متصل ہونے کا علم ان الفاظ ادا کے ذریعہ ہوتا ہے جسے راوی استعمال کرتا ہے، اگر راوی ایسے الفاظ استعمال کرے جو صراحۃً سماع پر دلالت کرنے والے ہیں (جیسے سمعت، سمعنا،

حدثنی، حدثنا، اخبرنی، اخبرنا، انبأنی، انبأنا، قرأت علی فلان، قرئ علی فلان وانا اسمع وغیرہ) تو ظاہراً یہی فیصلہ کیا جائے گا کہ سند متصل ہے، لیکن حقیقت میں اتصال ہے کہ نہیں اس کی تحقیق کے لیے راوی کے ترجمہ کا مطالعہ کرنا چاہیے کیوں کہ ائمۂ جرح وتعدیل جرح وتعدیل کے اقوال کے ضمن میں راوی کے سماع کو بھی بیان کر دیا جاتا ہے۔

اور اگر راوی ایسے الفاظ استعمال کرے جو صراحۃً سماع پر دلالت نہیں کرتے (جیسے عن فلان، قال فلان، ان فلاناقال وغیرہ) تو دیکھا جائے گا کہ ان الفاظ کو استعمال کرنے والے راوی کی کیا حیثیت ہے اگر وہ راوی ثقہ اور تدلیس کرنے میں مشہور نہیں ہے تو ان الفاظ کو بھی سماع پر محمول کیا جائے گا، لیکن اس کے بارے میں بھی ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کا جائزہ لے لیا جائے تو بہتر ہوتا ہے اور اگر وہ راوی تدلیس میں مشہور ہے تو پھر اس راوی کے ان الفاظ کو سماع پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ راوی مدلس ہے کہ نہیں اس کا علم بھی اقوال جرح وتعدیل سے ہوگا اس سلسلہ میں ان کتابوں کی مراجعت مفید ہوتی ہے جو خاص طور پر مدلسین سے متعلق تالیف کی گئی ہیں، جن کا ذکر ما قبل صفحہ۔۔۔۔۔ پر گذر چکا۔

اتصال سند کی تحقیق راوی اور مروی عنہ کے زمانہ اور سنین ولادت ووفات وغیرہ قرائن کے ذریعہ بھی کی جا سکتی ہے کہ راوی نے مروی عنہ کو پایا ہے یا نہیں۔ چناں چہ امام مسلم کے مذہب کے مطابق امکان لقا کو کافی سمجھتے ہوئے اتصال کا حکم لگایا جاسکتا ہے، نیز کتب رجال کی مراجعت سے دونوں کے مابین سماع کا ثبوت معلوم ہوسکتا ہے خاص طور سے حافظ مزی کی کتاب "تہذیب الکمال" اس سلسلہ میں اہم رول ادا کرتی ہے چناں چہ انھوں نے راوی کے ان شیوخ کی وضاحت کا اہتمام کیا ہے جن سے اس کو سماع حاصل ہے اور ان تلامذہ کی وضاحت کا بھی اہتمام کیا ہے جن کو اس سے سماع حاصل ہے، شیوخ وتلامذہ کی فہرست میں حافظ مزی نے ممکنہ حد تک استیعاب کی کوشش کی ہے چناں چہ انھیں حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ حافظ مزی نے سماع کے تعلق سے یہ فرق بھی اہتمام سے ظاہر کیا ہے کہ راوی نے اس شیخ سے روایت بھی کیا ہے اور اسے سماع بھی حاصل ہے یا روایت تو کی ہے مگر سماع حاصل نہیں ہے۔

(۴) سند میں واقع شذوذ کی تحقیق

شذوذ کا مطلب یہ ہے کہ ثقہ راوی چند ثقات یا اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرے، سند میں واقع شذوذ کا علم حدیث کے متعدد طرق کو جمع کرنے کے ذریعہ ہوتا ہے جب پیش نظر سند ان اسانید کے موافق ہو تو اس سند کے شذوذ سے صحیح وسالم ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور اگر پیش نظر سند الا سانید کے مخالف ہو بایں طور کہ کوئی راوی زیادہ ہو یا کم ہو تو پیش نظر سند کی مزید تحقیق کے بعد اس پر شاذ کا حکم لگایا جاسکتا ہے اور دوسری اسانید پر محفوظ کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ شذوذ کا علم ان کتابوں کی مراجعت سے بھی ہوسکتا ہے جو علل سے متعلق تالیف کی گئی ہوں جن کا ذکر علت کی تحقیق کے عنوان تحت کیا جائے گا۔

اگر پیش نظر حدیث و سند ان میں موجود ہے اور کسی شذوذ کا ذکر کیا گیا ہے تو باحث وہاں سے شذوذ کو نقل کرسکتا ہے۔

(۵) سند میں واقع علت کی تحقیق

علت اس سبب خفی کو کہا جاتا ہے جو سند کو مخدوش کردے جیسے راوی سے وہم، غلطی، نسیان، انقطاع وغیرہ ہونا۔ سند میں واقع علت کی تحقیق اس حدیث کی تمام اسانید کا مقارنہ کرنے اور کتب علل کی مراجعت سے ہوتی ہے۔

معلل کی معرفت کیسے ہو؟

علم علل کے ان ماہرین نے اپنی جودت طبع، حذاقت اور نبض شناسی کی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جو کچھ کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، تاریخ نے اپنے سینوں میں انھیں محفوظ اور باقی رکھا ہے۔ علل احادیث پر کلام کرنے والے علما اگرچہ کم ہیں مگر جو کچھ بھی انھوں نے علمی ورثہ چھوڑا ہے وہ انتہائی بیش قیمت ہے۔ علمائے جرح وتعدیل نے اگر ہمارے لئے ضعیف رجال کی معرفت کو آسان بنایا ہے تو ان حضرات نے ہمارے سامنے ثقہ رواۃ کی ان احادیث کو چھانٹ کر رکھ دیا ہے، جن میں انھوں نے غلطی کی ہے دونوں کا فرق واضح ہے، چناں چہ جب آپ سے کہا جائے کا فلاں راوی

ضعیف ہے تو آپ اس کی تمام احادیث پر ضعف کا حکم لگا دیں گے چاہے وہ جتنی بھی ہوں اسی طرح جب آپ کو بتایا گیا کہ یہ راوی ثقہ ہے تو اس کی تمام مرویات پر آپ صحت کا حکم لگا دیں گے ان کی تعداد چاہے جتنی ہو علاوہ ان احادیث کے جن کا ماہرین علم علل نے استثنا کر دیا ہو ان ہی استثناءات کو جاننے کی ضرورت ہے اور خدا کا شکر ہے وہ مخطوط اور مدون شکل میں موجود ہیں۔

اس طرح کی احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ نجوبہ روزگار امام دار قطنی کی کتاب "العلل الواردة فی الاحادیث النبویة" ہے، ہمارے علم کے مطابق اب تک اس کی گیارہ جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو گئی ہیں۔ ترتیب مسانید صحابہؓ پر ہے، صحابیؓ کے نام کی مدد سے اس میں روایت کو دیکھا جا سکتا ہے، اگر موجود ہو تو جو بھی علت دار قطنی نے بیان کی ہو گی باحث اسے نقل کر سکتا ہے۔

اگر مطبوعہ حصہ میں اس صحابیؓ کا مسند نہ ملے تو چوں کہ کتاب مکمل موجود نہیں ہے اس لئے دوسری کتب علل کی جانب مراجعت کی جائے، اس فن کی دوسری اہم ترین کتاب ابن ابی حاتم کی "علل الحدیث" ہے، جس میں فقہی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور ابن ابی حاتم نے اپنے والد ابو حاتم رازی سے پوچھ کر احادیث کی علتوں کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

تیسری بہت اہم کتاب امام ترمذیؒ کی کتاب "العلل الکبیر" ہے جس کی اصل ترتیب تو معلوم نہیں، کیا تھی؟ قاضی ابو طالب نے اس کو جامع ترمذیؒ کے ابواب پر مرتب کر دیا ہے جس کی وجہ سے استفادہ آسان ہو گیا ہے، اس میں ترمذیؒ نے خود بھی علتوں پر کلام فرمایا ہے اور عموماً امام بخاریؒ، امام دارمیؒ وغیرہ ماہرین علل کے حوالے سے علتیں نقل بھی فرمائی ہے۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں کی بھی مراجعت کرنی چاہیے۔

(۴) العلل ومعرفة الرجال: امام یحییٰ بن معین (م:۲۳۳)

(۵) علل الحدیث: امام علی بن المدینی (م: ۲۳۴)

(۶) العلل ومعرفة الرجال: امام احمد بن حنبل (م:۲۴۱)

(۷) المسند المعلل : امام یعقوب بن شیبہ (م: ۲۶۲)

(۸) العلل الصغیر : امام ترمذی (م: ۲۷۹)

(۹) تھذیب الاثار : ابن جریر طبری (م : ۳۱۰)

(۱۰) العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیۃ : ابن جوزی (م : ۵۹۷)

(۱۱) التاریخ الکبیر : امام بخاری (م : ۲۵۶)

(۱۲) المسند المعلل : ابوبکر بزار (م :)

(۱۳) المعجم الاوسط : امام طبرانی (م : ۳۶۳)

چوں کہ کتب تخاریج کا اصل موضوع ہی احادیث کے درجات کو بیان کرنا اور ان کی علتوں کو تلاش کر کے ذکر کرنا ہے اس لئے نصب الرایہ للزیلعی، تلخیص الحبیر لابن حجرؒ" بلکہ ابن حجر کی حدیثی تحقیقات کا مجموعہ "موسوعۃ الحافظ ابن حجر الحدیثیہ" کی بھی ضرور مراجعت کرنی چاہیے، اگر ان مصادر میں زیر بحث حدیث کی کوئی علت مل گئی تو ذکر کر دی جائے ورنہ گمان غالب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی علت نہیں ہے۔ (حدیث اور فہم حدیث مع اضافہ)

سند پر حکم لگانے کا طریقہ

ان پانچ مراحل سے گزرنے کے بعد باحث اس پوزیشن میں آجائے گا کہ حدیث کی صرف سند پر حکم لگاسکے، چناں چہ تیسری شرط اتصال کے تحقق پر اطمینان حاصل ہونے کے ساتھ اگر اس نے "تقریب" کی مدد سے راوی کے مرتبہ کی بحیثیت جرح وتعدیل کے بھی شناخت حاصل کرلی تو اسے درج ذیل ترتیب سے حکم لگانا آسان ہوجائیگا۔

(۱) اگر سند کے تمام رواۃ دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبہ سے تعلق رکھتے ہو آپ کہہ سکتے ہیں "اسنادہ صحیح" اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) اگر سند میں کوئی راوی پانچویں یا چھٹے مرتبہ کا ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں "اسنادہ حسن" اس کی سند

حسن ہے۔

(۳) اگر سند میں کوئی راوی ساتویں یا آٹھویں یا نویں مرتبہ کا ہے تو آپ کہیں گے "اسنادہ ضعیف" اس کی سند ضعیف ہے۔

(۴) اگر سند میں کوئی راوی دسویں مرتبہ کا ہے تو آپ کہیں گے "اسنادہ ضعیف جدا"، اس کی سند بہت ضعیف ہے۔

(۵) اگر سند میں کوئی راوی گیارہویں مرتبہ کا ہے تو آپ کہیں گے "اسنادہ متروک"، اس کی سند متروک ہے۔

(۶) اگر سند میں کوئی راوی بارہویں مرتبہ کا ہو تو آپ کہیں گے "اسنادہ موضوع"، اس کی سند موضوع ہے۔

واضح رہے کہ نتیجہ ہمیشہ ارزل کے تابع ہوتا ہے لہذا اگر کسی سند میں چار ثقہ رجال ہوں اور ایک راوی ضعیف ہو تو حکم ضعیف ہی ہونے کا لگے گا اور ان ثقہ لوگوں کا کوئی اثر نہ ہوگا کیوں کہ اس کو چہ میں ادنی اعلی پر حاکم ہوتا ہے۔

سندوں کے تعلق سے یہ چھ احکام ہوئے ان ہی میں معاملہ دائرو سائر رہتا ہے پھر اگر پانچویں یا چھٹے مرتبہ والے راویوں کو ان ہی جیسے یا ان سے اچھے رواۃ سے متابعت حاصل ہو جائے تو ان کی سند پر صحیح کا حکم لگ جائے گا یہ صحیح لغیرہ ہوگی اور اس میں بھی وہی فرق مراتب ہوگا جو حسن لذاتہ میں تھا۔

ساتویں، آٹھویں اور نویں مرتبہ والوں کو اگر متابعت حاصل ہو جائے تو ان کی سند ضعیف سے اٹھ کر حسب مراتب حسن لغیرہ تک پہونچ جائے گی لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسنادہ حسن۔

دسویں سے لے کر بارہویں مرتبہ تک کے رجال کو تعدد طرق سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا یعنی ان کی سند میں کوئی قوت نہیں آتی۔ رہا متن تو دسویں مرتبہ والوں کی حدیث جب کہ شواہد و متابعات متعدد ہوں تو اس پر حسن لغیرہ کا حکم لگ سکتا ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اس طرح کے کئی رجال کی احادیث

پر تعدد طرق کی وجہ سے حسن کا حکم لگایا ہے، البتہ گیارہویں اور بارہویں مرتبہ کے لوگوں کی حدیث کو تعدد طرق سے بالکل فائدہ نہ پہونچےگا۔ (حدیث اور فہم حدیث)

اگر حافظ ابن حجر کی کتاب تقریب پر اعتماد نہیں کیا گیا یا حدیث صحاح ستہ و ملحقات صحاح ستہ کے علاوہ کی کتاب کی تھی جس کی وجہ سے مطول کتابوں کی مراجعت کی گئی ہو تو رواۃ کے بارے میں ائمۂ جرح وتعدیل کے جس طرح کے اقوال ہوں اس کے مطابق حکم لگادیا جائے جس کا اندازہ موجود نقشہ سے ہوگا۔ (نقشہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

مثال

مبتدی باحث کی آسانی کے پیش نظر ایک آسان مثال پیش کی جاتی ہے۔

اسناد کے دراسہ کو واضح کرنے کی غرض سے ایک سند کے دراسہ کو عملاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

قال هناد بن السدی حدثنا ابو معاویه عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریره ﷺ قال قال رسول الله ﷺ یقول الله تعالی اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر قال ابو هریرة ﷺ ومن بله مااطلعکم علیه فلاتعلم نفس مااخفی لهم من قرة اعین جزاءبما کانوا یعملون

اس سند کے دراسہ کے مراحل

(۱) رواۃ کی تعیین

(۱) هناد بن السری

هناد بن السری کی تعیین کے لیے ہم نے "تہذیب الکمال" کے حرف الھاء کی مراجعت کی تو ۳۰/ ۳۱۲: ۶۶۰۳ میں هناد بن السری کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات مذکور تھی۔

عخ م ۴ : هناد بن السری بن مصعب ـــــ التمیمی الدارمی ابو السری الکوفی

روی عن ۔۔۔۔۔وابی معاویة الضریر ۔۔۔۔۔۔ومات سنة ۲۴۳ھ

واخرج له البخاری فی خلق افعال العباد ومسلم واصحاب السنن الاربعة

(۲) ابومعاویه

یہ کنیت ہے، ھناد بن السری کے ترجمہ سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک شیخ ابومعاویہ الضریر ہے، ابومعاویہ الضریر کے نام کو جاننے کے لیے ہم تہذیب الکمال میں باب الکنی کی مراجعت کریں گے مراجعت کے بعد (۳۴ / ۳۰۳) معلوم ہوا کہ ابومعاویہ الضریر کا نام محمد بن خازم ہے اور وہاں لکھا ہے کہ ان کے حالات ناموں میں گذر گئے ہیں، پھر ہم نے فصل المحمدین کی مراجعت کی، اس لیے کہ حافظ مزی نے حرف المیم میں ان لوگوں کو مقدم کیا ہے جن کا نام محمد ہیں۔ ہم نے ۲۴ / ۱۲۳: ۵۱۷۳ پر محمد بن خازم کا ترجمہ مندرجہ ذیل طریقہ پر پایا۔

ع۔محمد بن خازم التمیمی السعدی ابومعاویة الضریر الکوفی روی عن ۔۔۔۔سلیمان الاعمش وروی عنه ۔۔۔ھناد بن السری ۔۔۔ مات سنة ۱۹۵ واخرج له الجماعة (یعنی ان کی احادیث صحاح ستہ میں ہیں۔)

(۳) الاعمش

اعمش یہ لقب ہے، ہمیں اعمش کے شاگرد محمد بن خازم ابومعاویہ کے ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ ان کے شیوخ میں سلیمان الاعمش ہیں معلوم ہوا کہ اعمش کا نام سلیمان ہے، مکمل نام معلوم کرنے کے لیے ہم تہذیب الکمال میں "فصل فیمن اشتھر بلقب اونحوہ" کی مراجعت کریں گے مراجعت کے بعد ۳۵ / ۳۵ میں ہم نے اس طرح پایا الاعمش : سلیمان بن مھران پھر ہم نے حرف السین میں سلیمان بن مہران کا نام تلاش کیا تو ہم نے ۱۲ / ۷۶: ۲۵۷۰ پر سلیمان بن مہران کے بارے میں مندرجہ ذیل وضاحت پائی۔

ع۔سلیمان بن مهران الاسدی الکاهلی مولاهم ابو محمد الکوفی الاعمش روی عن ۔۔۔ذکوان ابی صالح السمان وابی صالح مولی ام هانی ۔۔۔۔وروی عنه۔۔۔ ابو معاویه الضریر۔۔۔۔مات ۱۴۸ روی له الجماعة (یعنی اعمش صحاح ستہ کے راوی ہیں)

(۴) ابو صالح

یہ کنیت ہے۔ ابو صالح سے مراد کون ہیں اس کی تعیین میں تھوڑی دشواری ہوگی اس لیے کہ ابو صالح کے شاگرد سلیمان اعمش کے ترجمہ میں دو ایسے ان کے شیوخ ہیں جن کی کنیت ابو صالح ہے، جیسا کہ ہم نے اعمش کے ترجمہ میں دیکھا وہ دو یہ ہیں (۱) ذکوان السمان (۲) ابو صالح مولی ام ہانی۔ اب ہم حضرت ابوہریرہؓ کا ترجمہ دیکھیں گے، ہوسکتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں دونوں میں سے کوئی ایک ہو جس سے وہ متعین ہوجائے۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کے ترجمہ (۳۴/۳۶۶: ۷۶۸۱) کی مراجعت کے بعد پریشانی میں اضافہ ہو گیا اس لیے کہ ان کے شاگردوں میں چند ایسے اشخاص ہیں جن کی کنیت ابو صالح ہے اور وہ یہ ہیں (۱) ابو صالح اشعری (۲) ابو صالح حنفی (۳) ابو صالح خوزی (۴) ابو صالح سمان (۵) ابو صالح مولی ضباعہ۔ ابوہریرہؓ کے شاگردوں میں ابو صالح مولی ام ہانی کا ذکر نہیں ہے حالاں کہ ابو صالح کے اساتذہ میں ابوہریرہؓ بھی شامل ہیں جیسا کہ ابو صالح مولی ام ہانی (۴/۶:۶۳۲) کے ترجمہ میں روی عن کی فہرست میں ابوہریرہؓ کا نام بھی موجود ہیں۔

شیوخ وتلامذہ کے طریق سے ابو صالح کی تعیین میں ناکام ہونے کے بعد ہم دوسرے طریقہ سے تعیین کی کوشش کریں گے اور وہ دوسرا طریقہ تخریج حدیث کا طریقہ ہے۔ ہم نے جب اس حدیث کی تخریج کی تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث بخاری ومسلم میں اعمش عن ابی صالح کے طریق سے موجود ہے، پھر ہم نے تہذیب الکمال میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی کنیت ابو صالح ہے ان میں سے صرف ابو صالح ذکوان سمان ہی بخاری ومسلم کے راوی ہیں۔ چناں چہ معلوم ہوا کہ مذکورہ سند میں ابو صالح سے مراد ابو صالح ذکوان سمان ہیں۔ اب ہم نے تہذیب الکمال کے حرف الذال کی مراجعت کی

تو وہاں ابوصالح ذکوان کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات تھیں۔

ع ذکوان ابوصالح السمان الزیات المدنی۔۔۔۔ کان یجلب السمن والزیت الی الکوفۃ۔۔ روی عن ۔۔۔ ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ وروی عنہ۔۔۔ سلیمان الاعمش مات سنۃ ۱۰۱ وبالمدینۃ

(۵) ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ

صحابی مشہور، ان کا ترجمہ تہذیب الکمال ۳۴/۳۶۶: ۷۶۸۱ پر موجود ہیں۔

(۲) رواۃ کے عادل وضابط ہونے کی تحقیق

تعیین رواۃ کے بعد رواۃ کی عدالت وضبط کے اعتبار سے تحقیق کا مرحلہ آتا ہے۔

مذکورہ سند میں واقع رجال کی تحقیق کے لیے ہم آسان طریقہ کے مطابق امام ذہبی کی "الکاشف" خزرجی کی "الخلاصہ" اور حافظ ابن حجر کی "تقریب التھذیب" کی مراجعت کرتے ہیں۔

(۱) ھناد بن السری

قال الذھبی فی الکاشف (۳/۲۲۶ رقم ۶۰۸۰) الحافظ الزاھد

وقال الخزرجی فی الخلاصۃ (۳/۱۲۵ رقم ۷۷۶۰) الحافظ الصالح وثقہ النسائی

وقال ابن حجر فی التقریب (ص ۵۷۴ رقم ۷۳۲۰) ثقۃ

تینوں ائمہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ھناد بن السری ثقہ ہیں۔

(۲) ابو معاویۃ محمد بن خازم

قال الذھبی فی الکاشف (۳/۳۷ رقم ۱۸۸۵) الحافظ ثبت فی الاعمش وکان مرجئاً

قال الخزرجی فی الخلاصۃ (۲/۳۹۷ رقم ۲۱۷۴) احد الاعلام قال احمد کان فی

غیر الاعمش مضطربا

وقال العجلی ثقة یری الارجاء وقال یعقوب بن شیبة ربما دلس

قال ابن حجر فی التقریب (ص ۴۷۵ رقم ۵۸۴۱) ثقة احفظ الناس لحدیث الاعمش وقد یھم فی حدیث غیرہ وقد رمی بالارجاء

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب تعریف اھل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس میں محمد بن خازم کو دوسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ دوسرے طبقہ والوں کی تدلیس ان کی امامت اور قلت تدلیس کی وجہ سے ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک قابل برداشت ہے اور دوسرے طبقہ والے اکثر ثقہ ہی سے تدلیس کرتے ہیں۔

ان اقوال سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ محمد بن خازم ہماری اس روایت میں ثقہ ہیں اس لیے ان کی یہ روایت اعمش سے ہے اور اعمش سے نقل کرنے میں بقول ابن حجر وہ احفظ الناس ہیں، جہاں تک ارجاء کی تہمت کی بات ہے تو یہ بھی نقصان دہ نہیں ہے اس لیے کہ حدیث کا مضمون ارجاء کی دعوت پر مشتمل نہیں ہے اور جہاں تک تدلیس کے حکم کی بات ہے تو محمد بن خازم کی تدلیس قابل برداشت ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے لکھا ہے۔

(۳) سلیمان بن مہران اعمش

قال الذھبی فی الکاشف (۱/۳۰۱ رقم ۲۱۵۳) الحافظ احد الاعلام

قال الخزرجی فی الخلاصة (۱/۴۱۹ رقم ۲۷۴۸) احد الاعلام الحفاظ القراء قال ابن عیینة کان اقرأھم واحفظھم واعلمھم وقال عمرو بن علی کان یسمی المصحف لصدقه وقال العجلی، ثقة ثبت وقال النسائی ثقة ثبت وعدہ فی المدلسین

قال ابن حجر ؒ فی التقریب (ص ۲۵۴ رقم ۲۶۱۵) ثقة حافظ عارف بالقراءات ورع لکنه یدلس

حافظ ابن حجرؒ تعریف اھل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس (ص ۶۷) دوسرے طبقہ میں اعمش کا ذکر کیا ہے جن کی تدلیس قابل برداشت ہے۔

ان اقوال کی روشنی میں یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اعمش ثقہ ہے اور تدلیس کا حکم ان کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔

(۴) ابو صالح ذکوان السمان الزیات

قال الذھبی فی الکاشف (۱/۲۹۷ رقم ۱۵۰۲) من الائمۃ الثقات

قال الخزرجی فی الخلاصۃ (۱/۳۱۱ رقم ۱۹۷) قال احمد ثقۃ ثقۃ

قال ابن حجر فی التقریب (ص ۲۰۳ رقم ۱۸۴۱) ثقۃ ثبت

ان اقوال کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ابو صالح ثقہ ہیں

(۵) ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ

قال الذھبی فی الکاشف (۳/۳۸۵ رقم ۳۳۳) کان حافظا مفتیا ذکیا متقیا صاحب صیام وقیام ولی إمرۃ المدینۃ توفی سنۃ ۵۷ وقال جماعۃ سنۃ ۵۹ وروی لہ الجماعۃ

وقال الخزرجی فی الخلاصۃ (۳/۲۵۲ رقم ۵۲۹) الحافظ لہ خمسۃ الاف وثلاثمأۃ واربعۃ وسبعون حدیثا (۵۳۷۴)

وقال ابن حجر فی التقریب (ص ۶۸۰ رقم ۸۴۲۶) الصحابی الجلیل حافظ الصحابۃ

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ اس سند کے تمام رجال عادل وضابط ہیں۔

(۳) سند کے متصل ہونے کی تحقیق

سند کے متصل ہونے کی تحقیق کے لیے ان الفاظ وکلمات کو دیکھا جائے گا۔ جنھیں مذکورہ سند کے

رواۃ نے استعمال کیے ہیں۔ اسی طرح اس سند کے راویوں کے ایک دوسرے سے سماع سے متعلق ائمۂ جرح وتعدیل کے اقوال کی طرف بھی مراجعت کی جائے گی۔ اس سند میں ھناد نے اپنے شیخ ابومعاویہ سے نقل کرتے وقت "حدثنا" کا لفظ استعمال کیا ہے یہ صراحۃً سماع پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے رواۃ (ابومعاویہ الضریر، اعمش، ابوصالح) نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو سماع اور غیر سماع دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ یہ الفاظ بھی سماع پر ہی محمول کیے جاتے ہیں جب کہ استعمال کرنے والے تدلیس میں مشہور نہ ہو اور اگر ان الفاظ وکلمات کو استعمال کرنے والے تدلیس میں مشہور ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ وہ مدلسین کے پہلے اور دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کی تدلیس ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک قابل برداشت ہوتی ہے یا ان کا تعلق تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقے سے ہیں جن کی معنعن روایت مقبول نہیں ہوتی۔ کتب تراجم دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ابومعاویہ الضریر اور سلیمان اعمش دونوں کبھی کبھی ثقات سے تدلیس کرتے ہیں اور یہ دونوں مدلسین کے دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی معنعن روایت معتبر ہوگی اور اس عنعنہ کو بھی اتصال پر ہی محمول کیا جائے گا۔ جہاں تک ان رواۃ کے ایک دوسرے سے سماع کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کے اقوال کی بات ہے تو وہ اقوال کافی مقدار میں موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مذکورہ سند متصل ہے۔

(۴_۵) سند کا شذوذ وعلت سے صحیح وسالم ہونا

اس مذکورہ حدیث کی تخریج اور کتب حدیث اور کتب علل سے متعدد طرق کو جمع کرنے کے بعد ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوگئی اس روایت میں موجود رواۃ نے نہ ثقات کی مخالفت کی ہے نہ اوثق کی مخالفت کی ہے اور نہ ضعفا کی مخالفت کی ہے معلوم ہوا کہ یہ سند شذوذ وعلت سے صحیح سالم ہے۔

خلاصہ

مذکورہ بالا تمام تصریحات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس سند کے تمام رواۃ ثقات ہیں۔ سند

متصل ہے اور سند شذوذ وعلت سے صحیح وسالم ہے اس لیے ہم اس سند پر صحیح الاسناد ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں۔ انتھی (تخریج الحدیث نشأته ومنهجيته)

نوٹ : مذکورہ بالا سند کے دراسہ کے مراحل سے گذرنے کے بعد باحث اس درجہ پر آجائے گا کہ وہ سند پر کوئی حکم لگا سکے اور وہ سند پر حکم لگاتے وقت یہ تعبیرات اختیار کرے گا هذا حديث صحيح الاسناد یا اسناده صحيح یا هذا حديث حسن الاسناد یا اسناده حسن یا هذا حديث ضعيف الاسناد یا اسناده ضعيف

ان مراحل کو طے کرنے کے بعد حدیث پر حکم لگاتے ہوئے اس طرح نہ کہے کہ هذا حديث صحيح یا هذا حديث حسن یا هذا حديث ضعيف کیوں کہ ”حدیث صحیح ہے“ یا ”حدیث حسن ہے“ کہنے کی صورت میں کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث جس کی سند اس سے زیادہ قوی ہو وہ اس کے معارض پیش آجائے چناں چہ جس حدیث پر صحت کا حکم لگ چکا ہے اب وہ شاذ ہو جائے گی یا ممکن ہے کہ بعد میں کوئی علت ظاہر ہو جائے جو اس کی صحت کے منافی ہو جس پر باحث مطلع نہیں ہو سکا تھا۔ اسی طرح هذا حديث ضعيف کہنے کی صورت میں ممکن ہے کہ اسے بعد میں کوئی متابع یا شاہد مل جائے جس سے قوت پا کر وہ سند حسن لغیرہ تک پہونچ جائے تو ان سب صورتوں میں باحث کو اپنے سابقہ حکم میں تبدیلی کرنی پڑے گی جس سے اس کا علمی وقار مجروح ہوگا۔ (حدیث اور فہم حدیث)

متن کی تحقیق کا طریقۂ کار اور اس کے مراحل

متن کی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی تحقیق کرنا کہ یہ متن اسباب ضعف سے صحیح وسالم ہے یا نہیں ہے؟ علما کے اقوال کے مطابق متن حدیث میں ضعف پیدا کرنے والے اسباب شذوذ اور علت میں منحصر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ متن کے دراسہ میں اس بات کی تحقیق کرلی جائے کہ یہ حدیث شذوذ وعلت سے صحیح وسالم ہے یا نہیں ہے؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کی سند کے رجال ثقات میں سے ہوتو حدیث بھی صحیح ہوتی ہے اور سند

کے رجال ضعفا میں سے ہو تو حدیث بھی ضعیف ہوتی ہے اور سند کے رجال کذاب ہو تو حدیث بھی موضوع ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سند کے رجال تو ثقات ہوتے ہیں لیکن متن حدیث میں کوئی ایسی خامی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث ضعیف، متروک ومردود یا موضوع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کبھی سند کے رجال میں کوئی کذاب ہوتا ہے لیکن وہی حدیث کسی ایسی سند سے سے مروی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث تو صحیح ہوتی ہے لیکن کذاب والی سند پر وضع کا حکم لگتا ہے اس لیے کہ باحث کو چاہیے کہ سند کے دراسہ وتحقیق کے بعد متن حدیث کو بھی دراسہ کے مراحل سے گذار کر اس کے صحیح، ضعیف اور موضوع ہونے کا فیصلہ کرے یعنی اس بات کی تحقیق کرے کہ یہ متن شذوذ وعلت سے صحیح وسالم ہے یا نہیں ہے؟

وہ اسباب جو متن کے ضعف کو واجب کرنے والے ہیں۔

(۱) متن میں شذوذ کا واقع ہونا

شذوذ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ثقہ چند ثقات کی مخالفت کرے یا ثقہ اپنے سے زیادہ اوثق کی مخالفت کرے یہ مخالفت چند اعتبار سے ہوتی ہے (۱) متن میں ایسی زیادتی کر دینا جس کی وجہ سے حکم بدل جائے (۲) متن میں قلب (الٹ پھیر) کا واقع ہو جانا (۳) متن میں اضطراب یعنی رواۃ الگ الگ نقل کریں (۴) متن میں ادراج کر دینا (۵) تصحیف وتحریف

یہ تمام عیوب کا علم دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ (۱) حدیث کے مختلف طرق واسانید کو جمع کیا جائے اور ان کا باہم مقارنہ کیا جائے یہاں تک کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ راوی دوسرے ثقات یا اوثق کی مخالفت کر رہا ہے یا موافقت کر رہا ہے۔ (۲) اس حدیث کے متن کے بارے میں کتب علل حدیث اور شروحات میں اقوال علما کو دیکھا جائے۔

اب مخالفت کی مذکورہ بالا اقسام کو مع امثلہ واضح کیا جاتا ہے۔

(۱) متن میں ایسی زیادتی کی مثال جس زیادتی کی وجہ سے حکم بدل جائے

رواہ مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ فرض زکوۃ الفطر من رمضان علی الناس صاعامن تمر او صاعامن شعیر علی کل حر او عبد ذکر او انثی من المسلمین

امام ترمذی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام مالک نے نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ کے طریق سے اس حدیث کو نقل کیا اور اس میں من المسلمین کا اضافہ کردیا ہے جب کہ اسی روایت کو عبیداللہ، عمر، ایوب اور دیگر لوگوں نے نافع عن عمر عن النبی ﷺ سے اس زیادتی کے بغیر نقل کیا ہے۔

"من المسلمین" کی اس زیادتی کی وجہ سے صدقۂ فطر کا حکم بدل جاتا ہے اگر من المسلمین کی زیادتی نہ ہو تو صدقۂ فطر کا حکم عام ہوگا یعنی آدمی کی ملکیت میں چاہے مسلمان غلام ہو یا کافر غلام ہو، سب کی طرف سے آقا کو صدقۂ فطر ادا کرنا ہوگا، یہی احناف اور دیگر لوگوں کا مسلک ہے اور من المسلمین کی زیادتی کی صورت میں مسلمان غلام کی طرف سے آقا پر صدقۂ فطر واجب ہوگا اور کفار غلام کی طرف سے صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا، یہ جمہور اہل علم کا قول ہے، اس بات کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔

گویا امام مالک نے چند آدمیوں (عبیداللہ، ایوب اور دیگر لوگوں) کی مخالفت کی ہے اس لیے من المسلمین کی زیادتی والا متن شاذ ہے جو ضعف کا ایک سبب ہے۔

(۲) متن حدیث میں قلب واقع ہونے کی مثال

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سبعۃ یظلھم اللہ فی ظل عرشہ یوم لا ظل الا ظلہ ــــــ ورجل تصدق بصدقۃ فأخفاھا حتی لا تعلم یمینہ ما انفقت شمالہ اس حدیث کے متن میں امام مسلم کے شیخ یحییٰ بن سعید القطان سے قلب ہوگیا اور انھوں نے "حتی لا تعلم شمالہ" کے بجائے "لا تعلم یمینہ" روایت کردیا۔ اس بات کی تائید بخاری شریف کی روایت سے ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے ورجل تصدق بصدقۃ فأخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ نیز معروف طریقہ کے مطابق دایاں ہاتھ ہی خرچ کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت اور معروف طریقہ کی وجہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں یحیی بن سعید القطان سے روایت میں قلب واقع ہو گیا۔ مقلوب ہونا روایت کے شاذ ہونے کا ایک سبب ہے۔ اس لیے کہ یحیی بن سعید نے ثقات کی مخالفت کی ہے اور شذوذ کی وجہ سے روایت میں ضعف پیدا ہوتا ہے مسلم شریف کی یہ روایت سند کے اعتبار سے تو صحیح الاسناد ہے اس لیے کہ تمام رواۃ ثقات ہیں لیکن متن کے اعتبار سے شاذ ہے۔

(۳) متن حدیث میں اضطراب کی مثال

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان امی ماتت وعلیھا صوم افاصوم عنھا؟ فقال ارأیت لو کان علیھا دین اکنت تقضیہ؟ قال نعم قال فدین اللہ احق ان یقضی (التمھید لابن عبدالبر)

اس حدیث میں مندرجہ ذیل طریقہ سے اختلاف واضطراب ہوا ہے

(۲) ایک جماعت نے اعمش کے طریق سے اس طرح روایت کیا ہے کہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال جاءت امرأۃ الی النبی ﷺ فقالت ان اختی ماتت وعلیھا صیام

(۳) اور بعض نے اس طرح روایت کی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان امرأۃ جاءت الی النبی ﷺ فقالت انہ کان علی امھا صوم شھر افاقضیہ عنھا؟

(۴) روی مالک عن ابن شھاب عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان سعد بن عبادۃ استفتی رسول اللہ ﷺ ان امی ماتت وعلیھا نذر ولم تقضہ فقال رسول اللہ ﷺ اقضہ عنھا

(۵) امام مالک کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان سعدا قال یا رسول اللہ ﷺ اینفع امی ان اتصدق عنھا وقد ماتت؟ قال نعم قال فما تأمرنی؟ قال اسق الماء

پانچوں روایتیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہیں اور تمام روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اختلاف کی صورتیں کچھ اس طرح ہیں۔

پہلی روایت میں سائل ایک آدمی ہے جس نے اپنی فوت شدہ اس والدہ کے متعلق سوال کیا جس کے ذمہ روزے باقی تھے۔

دوسری روایت میں سائل ایک عورت ہے جس نے اپنی اس فوت شدہ بہن کے متعلق سوال کیا جس کے ذمہ روزے باقی تھے۔

تیسری روایت میں سائل عورت ہے جس نے اپنی اس فوت شدہ والدہ کے متعلق سوال کیا جس کے ذمہ روزے باقی تھے۔

چوتھی روایت میں سائل حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے اپنی اس فوت شدہ والدہ کے متعلق سوال کیا جن کے ذمہ نذر تھی۔

پانچویں روایت میں سائل حضرت سعدؓ ہیں جنھوں نے اپنی فوت شدہ والدہ کی طرف سے صدقہ کرنے کے متعلق دریافت کیا۔

متن حدیث میں ان اختلافات کی وجہ سے حافظ ابن عبدالبر نے اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں راوی تو ثقات ہیں جس کی وجہ سے سند صحیح الاسناد ہے لیکن متن میں اضطراب کی وجہ سے شذوذ پیدا ہو گیا۔

(۳) متن حدیث میں ادراج کی مثال

قال ابوداؤد روایۃ عن شیخه عبیداللّٰه بن محمد النفیلی حدثنا زهیر حدثنا الحسن بن الحر عن القاسم بن مخیمرة قال اخذ علقمة بیدی وحدثنی ان عبداللّٰه بن مسعود اخذ بیده وان رسول لله ﷺ اخذ بید عبداللّٰه فعلمه التشهد فی الصلاة ـــــ وفی اٰخره اذا قلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد

اس حدیث کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اذاقلت ھذا۔۔ الی اخرہ والی زیادتی مدرج ہے اس لیے کہ شبابہ بن سوار نے زہیر سے اس روایت کو جب نقل کیا تو آپ ﷺ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے درمیان فصل کر دیا اور اس طرح روایت کیا قال عبداللہ اذاقلت ذلک۔۔۔۔ الی اخرہ

شبابہ بن سوار کے طریق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عبیداللہ بن محمد النفیلی نے متن حدیث کے ساتھ عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کا ادراج کر دیا۔ اس مخالفت کی وجہ سے یہ روایت شاذ ہو گئی۔

(۵) متن حدیث میں تصحیف و تحریف کی مثال

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نھی رسول اللہ ﷺ عن الحلق قبل الصلوۃ یوم الجمعۃ (رواہ احمد فی مسندہ)

حلق حاء کے کسرہ اور لام کے زبر کے ساتھ حلقہ کے معنی میں ہے یعنی آپ ﷺ نے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے قبل حلقہ لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

امام خطابی فرماتے ہیں بہت سے محدثین اسے عن الحلق (حاء کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ) روایت کرتے تھے اور اس کے معنی بیان کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے قبل سر مونڈانے سے منع فرمایا ہے۔ امام خطابی آگے فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک استاد نے بیان کیا کہ اس حدیث کی وجہ سے میں نے چالیس سال سے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے کبھی سر نہیں مونڈایا۔

یہ تصحیف و تحریف فی المتن کی مثال ہے، ثقات کی مخالفت کرتے ہوئے اس طرح (حلْق) روایت کرنے کی وجہ سے متن میں شذوذ پیدا ہو جائے گا جو سبب ضعف ہے اگرچہ سند درست ہو۔

☆ شذوذ سے متعلق بات مکمل ہوئی، اب متن میں ضعف پیدا کرنے والے دوسرے سبب سے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جاتی ہے۔

(۲) متن کا معلول ہونا

علت وہ سبب خفی ہے جو متن حدیث میں عیب پیدا کردے۔ مندرجہ ذیل اسباب کے پائے جانے کی وجہ سے متن معلول ہوجاتا ہے۔ (۱) متن حدیث میں کسی ایسی بات کا ذکر ہو جو قرآن مجید کے مخالف ہو۔ (۲) متن حدیث میں کوئی ایسی بات ذکر کی گئی ہو جو شریعت کے مقاصد کے خلاف ہو۔ (۳) متن حدیث میں ایسی کسی بات کا ذکر ہو جو تاریخی صحیح واقعہ کے خلاف ہو (۴) متن حدیث میں ایسی کوئی بات ہو جو عقل سلیم کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو (۵) متن حدیث میں کوئی ایسی بات ہو جو حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو (۶) حدیث میں کوئی ایسی بات ہو کہ اس کے معنی کی رکاکت وقار نبوی ﷺ کے خلاف ہو (۷) حدیث مجازفت پر محمول ہو یعنی اس میں کسی معمولی نیکی پر غیر معمولی اور مبالغہ کے ساتھ ثواب بتلایا گیا ہو یا کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہو جو محیر العقول ہو۔

اب ہر سبب کو مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

(۱) حدیث کا قرآن کے مخالف ہونا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اخذ رسول اللہ ﷺ بیدی فقال خلق اللہ التربۃ یوم السبت وخلق فیھا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیھا الدواب یوم الخمیس وخلق آدم علیہ السلام بعد العصر من یوم الجمعۃ فی آخر ساعۃ من ساعات الجمعۃ فیما بین العصر الی اللیل۔ (رواہ مسلم کتاب صفات المنافقین باب ابتداء الخلق: ۲۱۴۹)

مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ تخلیق کی مدت سات دن ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت میں (اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش) ذکر کیا گیا کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کی تخلیق میں چھ دن لگے۔ اس وجہ سے مذکورہ بالا مسلم شریف کی حدیث صراحۃً قرآن کے خلاف ہے اس بنا پر ابن القیم نے لکھا ہے کہ اس

حدیث کا مرفوع ہونا غلط ہے دراصل یہ کعب احبار کا کلام ہے۔ یہی بات امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں ذکر کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ: اس حدیث پر ان لوگوں نے طعن کیا ہے جو امام مسلمؒ سے زیادہ علم والے تھے جیسے یحییٰ بن معین، امام بخاریؒ وغیرہ بلکہ امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ کلام کعب احبار کا کلام ہے۔

لیکن ۔۔۔ حضرت ابوہریرہؓ کا قول "اخذ رسول اللہ ﷺ بیدی فقال" امام بخاری کے قول کو رد کر دیتا ہے اس لیے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول ابوہریرہؓ کے آپ ﷺ سے اس حدیث کی سماع پر دلالت کرتا ہے۔

ابن کثیر نے ایک دوسری وجہ سے اس حدیث کی تضعیف کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں آسمانوں کی تخلیق کا کوئی تذکرہ نہیں ہے صرف زمین اور مافیہا کی تخلیق کا ذکر ہے حالاں کہ قرآن کی آیت میں آسمانوں کی تخلیق کا بھی ذکر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں مسلم شریف کی یہ حدیث متناً معلول ہو جائے گی۔ سنداً گرچہ صحیح ہے۔

(۲) حدیث کا مقاصد شریعت کے خلاف ہونا

حدیث لو حسن احد کم ظنه بحجر لنفعه الله به

امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور ان کے شاگرد ابن القیم فرماتے ہیں کہ یہ ان بت پرستوں کا کلام ہے جو پتھروں کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں۔

ابن الجوزی نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب الموضوعات الکبری میں ذکر کیا ہے۔

ان لوگوں نے اس حدیث کے موضوع ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک وضاع راوی ہے۔ میں (ابو اللیث خیر آبادی) کہتا ہوں کہ اگر اس حدیث کی سند مقبول ہو تو بھی

یہ حدیث موضوع ہے اس لیے کہ اس حدیث میں شریعت کے اہم مقصد توحید کی مخالفت اور شرک باللہ کی تائید ہے۔

(۳) تاریخ سے ثابت شدہ حقیقت کے مخالف ہونا

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان المسلمون لاینظرون الی ابی سفیان ولا یقاعدونہ فقال للنبی ﷺ یا نبی اللہ ! ثلاث اعطنیھن ؟ قال نعم قال عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبۃ بن ابی سفیان ازوجکھا قال نعم۔۔۔الحدیث

یہ حدیث تاریخ سے ثابت شدہ حقائق کے بالکل مخالف ہے، اس لیے کہ حضرت ابوسفیانؓ فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ سے ۶ھ میں نکاح فرمایا تھا، جب کہ حضرت ام حبیبہؓ حبشہ میں تھیں اور نجاشی نے آپ ﷺ کی طرف سے مہر ادا کیا تھا۔ پھر کیسے یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کہ ۸ھ کے بعد یا ۸ھ میں آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کی دلداری کے طور پر ان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے ام حبیبہؓ سے نکاح فرمایا ہو۔

اسی وجہ سے ابن حزم نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے موضوع لاشک فی وضعہ (تخریج الحدیث ص ۲۸۵)

اگرچہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن متن معلول ہے۔

(۴) حدیث کا عقل سلیم کے مخالف ہونا

ذکر ابن الجوزی من طریق عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ مرفوعا ان سفینۃ نوح طافت بالبیت سبعا وصلت عندالمقام رکعتین۔ (تدریب الراوی ۱/ ۲۳۵)

اس حدیث میں ایک ایسی بات کہی گئی ہے جو عقل سلیم کے مخالف ہے۔

(۵) متن حدیث کا حس اور مشاہدہ کے خلاف ہونا

عن ابی ھریرۃ ؓ مرفوعا من حدث حدیثا فعطس عندہ فھو حق کہ جو آدمی کوئی بات

بیان کرے اور اس وقت اسے چھینک آجائے تو وہ بات درست ہوگی۔

اس حدیث کی امام نوویؒ نے تحسین کی ہے اور امام بیہقی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اگرچہ اس کی سند سورج کی طرح روشن ہو۔

ابن القیم نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند کو اگرچہ بعض لوگوں نے صحیح قرار دیا ہے لیکن حس اس حدیث کے موضوع ہونے کی گواہی دیتی ہے اس لیے کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں آدمی چھینک کھا کر بھی جھوٹ بولتا ہے اور اگر حدیث نبوی ﷺ بیان کرتے وقت ایک لاکھ لوگوں کو بھی چھینک آجائے تو محض چھینک کی وجہ سے ہم اس حدیث کی صحت کا فیصلہ نہیں کر سکتے اور جھوٹی گواہی دیتے وقت شاہدین کو چھینک آجائے تو ان کی تصدیق نہیں کی جاتی ہے۔

(۶) متن حدیث کا مجازفت (بے تکی باتوں) پر مشتمل ہونا

یعنی حدیث میں کسی معمولی نیکی پر غیر معمولی اور مبالغہ کے ساتھ ثواب بتلایا گیا ہو یا معمولی گناہ پر بہت بڑی وعید بیان کی گئی ہو یا کوئی محیر العقول بات بیان کی گئی ہو۔

جیسے ایک حدیث میں بیان کیا گیا من قال لاالہ الا اللہ خلق اللہ من تلک الکلمۃ طائرا لہ سبعون الف لسان لکل لسان سبعون الف لغۃ یستغفرون اللہ (المنار المنیف)

اس حدیث میں ایک بے تکی بات بیان کی گئی ہے جو حدیث موضوع ہونے کی ایک علامت ہے۔ اور جیسے من طول شاربہ فی دار الدنیا طول ندامتہ یوم القیامۃ وسلط علیہ بکل شعرۃ علی شاربہ سبعین شیطانا فان مات علی ذلک الحال لاتستجاب لہ دعوۃ ولا تنزل علیہ رحمۃ (الموضوعات الکبری)

یہ حدیث بے تکی باتوں پر مشتمل ہے۔

(۷) حدیث کا رکیک المعنی ہونا

جو حدیث ایسی ہو کہ اس کے معنی کی رکاکت وقار نبوی ﷺ کے خلاف ہو وہ قابل قبول نہیں۔

رکاکت کا تعلق صرف معنی سے ہے اور اسی کو حدیث کے موضوع یا معلل ہونے کا سبب قرار دیا گیا ہے اگرچہ الفاظ میں رکاکت موجود نہ ہو اس لئے کہ دین محاسن پر مشتمل ہے اور معنوی رکاکت اس کے خلاف ہے اور اگر صرف الفاظ ہی میں رکاکت موجود ہو تو محض اس کو وضع حدیث کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہو اور فصیح الفاظ کو غیر فصیح میں تبدیل کر دیا ہو لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ اس کے الفاظ حضور ﷺ کے الفاظ ہیں تو پھر اس کو کاذب قرار دیا جائیگا۔

اس قاعدہ کے مطابق کتب موضوعات میں بہت سی حدیثیں ہیں جو سند کے اعتبار سے بھی موضوع ہیں۔

چند مثالیں

(۱) اذا بعثتم الی بریدا فابعثوا حسن الوجه حسن الاسم۔

(۲) اربع لا تشبع من اربع: انثی من ذکر وارض من مطر وعین من نظر واذن من خبر

(۳) الباذنجان لما اکل له

(۴) الباذنجان شفاء من کل داء

(۵) علیکم بالعدس فانه مبارک یرقق القلب ویکثر الدمعة قدس فیه سبعون نبیا۔

متن کے دراسہ کی مثال

متن کے دراسہ کی مثال کے طور پر ہم اسی حدیث کو اختیار کریں جس حدیث کو ہم نے دراسة السند کی مثال کے طور پر ذکر کیا تھا۔ یعنی هناد بن سری کے طریق سے منقول حدیث اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر

جیسا کہ ماقبل میں گذرا کہ جب ہم اس حدیث کی سند کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اب متن کا دراسہ کرنے کے لیے اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنا ہوگا اور شذوذ وعلت کی

تحقیق کے لیے اس حدیث کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو تلاش کرنا ہوگا۔

جب ہم نے حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا تو معلوم ہوا کہ اس حدیث کے الفاظ میں کسی طریق میں نہ کوئی زیادتی واقع ہوئی ہے اور نہ کمی واقع ہوئی ہے اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے اس حدیث کے بارے میں کوئی ایسا کلام بھی نہیں کیا ہے جو موجب ضعف ہو اور یہ حدیث نہ قرآن کے مخالف ہے نہ شریعت کے مقاصد کے مخالف ہے اور نہ تاریخ کے مخالف ہے نہ عقل وحس کے مخالف ہے اور نہ مجازفت پر مشتمل ہے اور نہ رکاکت پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے اس حدیث کا متن شذوذ وعلت سے صحیح وسالم ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ یہ حدیث سند اور متن دونوں اعتبار سے صحیح ہے۔ یہ مطلوبہ حدیث کا دراسہ ہوا پھر حدیث کے متابعات وشواہد کا دراسہ کیا جائے، اور پھر مجموعی اعتبار سے حکم لگایا جائے۔

ایک مثال

عن طلق بن حبیب قال جاء رجل الی ابی الدرداء ﷺ فقال یا ابا الدرداء! قد احترق بیتك قال مااحترق لم یکن الله عزوجل لیفعل ذلك بکلمات سمعتهن من رسول الله ﷺ من قالهن اول نهاره لم تصبیه مصیبة حتی یمسی ومن قالهن آخر النهار لم تصبیه مصیبة حتی یصبح۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.

واقعہ کی تخریج

عمل الیوم واللیلة لابن السني (ص: 54) حدیث 57، الدعاء للطبراني (ص:

128) حديث 343، دلائل النبوة للبيهقي (7/ 121)، الأسماء والصفات للبيهقي (1/ 423) حديث 344، مكارم الأخلاق للخرائطي (ص: 283) حديث 868، الترغيب والترهيب لقوام السنة (1/ 233) حديث 340، العلل المتناهية في الأحاديث الواهية (2/ 351) حديث 1400۔

حدیث کا حال: شدید الضعف

مذکورہ بالا کتب احادیث میں اس واقعہ کی اسانید کا مدار یہ ہے:

هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، عن أَغْلَبَ بن تَمِيمٍ الشَّعُوذِيِّ، عن الْحَجَّاجِ بْنِ فُرَافِصَةَ، عَنْ طَلْقِ بن حَبِيبٍ

اس حدیث کی علت (أَغْلَبُ بن تَمِيمٍ الشَّعُوذِي) ہے، جو بہت زیادہ مجروح راوی ہے، امام بخاری نے کہا منكر الحديث، ابن معین کہتے ہیں: لیس بشیء، اور ابن عدی کی رائے ہے: أحاديثہ غیر محفوظ، ابن الجوزی نے لکھا ہے: هذا حديث لا يثبت والمتهم من الأغلب، والله أعلم" ۔ دیکھئے: میزان الاعتدال (1/ 273)

لہذا یہ حدیث شدید الضعف ٹھہری، مگر بعض حضرات جو اس روایت کو بالکل ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں، اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ دعا اگر معتبر ہوتی تو ادعیہ واذکار کی کتابوں میں اسے جگہ دی جاتی، ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔

مجمل جواب کی تفصیل یہ ہے کہ: مختلف کتب ومراجع کی طرف رجوع کرنے سے مجھے اس روایت کی ایک متابعت اور تین شواہد مل گئے، جس کی تفصیل یہ ہے:

اغلب بن تمیم کی متابعت

ابن عساکر نے تاریخ دمشق (64/ 118) میں اس حدیث کی سند اس طرح ذکر کی ہے:

... القاسم عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوي، حدثنا هدبة بن خالد القيسي، حدثنا

ديلم بن غزوان ، حدثنا الحجاج بن فرافصة ، عن طلق بن حبيب قال : جاء رجل إلى أبي الدرداء وقال: يا أبا الدرداء احترق بيتك... فذكر الحديث

ابن عساکر فرماتے ہیں : كذا قال : (عن ديلم بن غزوان) وإنما يرويه ضابة عن الأغلب بن تميم عن الحجاج۔

ابن عساکر نے سند میں (دیلم بن غزوان) کے ذکر کی غرابت محسوس کرتے ہوئے مشہور سند نقل کی ہے، لیکن غلط قرار نہیں دیا ہے۔ تو دیلم کی متابعت سے اغلب کا تفرد دور ہو گیا، اور سند کو تقویت مل گئی۔ دیلم بن غزوان کی علمائے حدیث نے توثیق کی ہے۔

روایت کے شواہد

پہلا شاہد: حسن بصری کی روایت

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مَعَ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهُ: أَدْرِكْ فَقَدِ احْتَرَقَتْ دَارُكَ ، فَقَالَ: مَا احْتَرَقَتْ دَارِي، فَذَهَبَ ثُمَّ جَاءَ فَقِيلَ لَهُ: أَدْرِكْ دَارَكَ فَقَدِ احْتَرَقَتْ ، فَقَالَ: لَا وَاللَّهِ مَا احْتَرَقَتْ... الحديث

تخریج

بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث (953/2) عمل اليوم والليلة لابن السني (ص: 55)

سند کا حال

یہ سند ضعیف ہے، معاذ مجہول الحال ہے، اس کے شیخ بھی رجل مبہم لا یعرف، صحابی کا نام بھی مذکور نہیں ہے۔ لیکن حافظ نے (لسان المیزان 8/ 98) میں کہا: وأظنه معاذ بن رفاعة الذي أخرجوا له. معاذ بن رفاعہ کی توثیق ابن المدینی، دحیم، احمد وغیرہ نے کی ہے۔

اور ابن حجر "نتائج الأفكار" (2/304) میں فرماتے ہیں: "وهذا السند ضعيف، من أجل الرجل المبهم، ويفسد تفسير الصحابي المذكور بأبي الدرداء؛ لأن الحسن البصري لم يلقه، قال أبو زرعة الرازي: "الحسن عن أبي الدرداء مرسل"۔

دوسرا شاہد: حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت

635—حدثنا أبو القاسم جبريل بن محمد بهمدان، حدثنا محمد بن إسحاق المكتب، وأبو حفص عمر بن حفص المستملي قالا، حدثنا محمد بن إدريس، حدثنا عبد الرحمن بن يحيى بن إسماعيل بن عبيد الله المخزومي، حدثنا يزيد أبو خالد، سمعت مكحولاً يقول:

جاء رجل إلى أبي هريرة رضي الله عنه، فقال: يا أبا هريرة قد وقعت النار في منزلك، قال: لا والله ما وقعت النار في منزلي، ثم جاءه آخر فقال: يا أبا هريرة قد التهب منزلك، قال: لا والله ما التهب منزلي، ثم جاء آخر فقال: يا أبا هريرة قد ذفع عن منزلك، قال: قد علمت أو عرفت، فقال له قائل: والله ما ندري أي قولك أعجب الأول أم الثاني، فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

(من قال: اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت، عليك توكلت وأنت رب العرش العظيم، لا إله إلا الله والله أكبر وسبحان الله ولا حول ولا قوة إلا بالله، ماشاء الله كان، ومالم يشأ لا يكون، أشهد أن الله على كل شيء قدير، وأن الله قد أحاط بكل شيء علماً، لم يصبه في يومه ذلك شيء يسوءه لا في بدنه ولا ولده ولا أهله ولا ماله)۔

مصدرها: المنتقى من مسموعات مرو للضياء المقدسي (ص: 320)۔ یہ مضبوط شاہد ہے زیر بحث روایت کے لئے۔

تیسرا شاہد: بنات النبی ﷺ کی روایت

... عن عبد الله بن وهب، قال: أخبرني عمرو بن الحارث، أن سالما الفراء حدثه، أن عبد الحميد مولى بني هاشم حدثه، أن أمه حدثته - وكانت تخدم بعض بنات النبي صلى الله عليه وسلم - أن ابنة النبي صلى الله عليه وسلم حدثتها:

أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعلمها فيقول: «قولي حين تصبحين: سبحان الله وبحمده، لا قوة إلا بالله، ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن، أعلم أن الله على كل شيء قدير، وأن الله قد أحاط بكل شيء علما، وأنه من قالها حين يصبح حفظ حتى يمسي، ومن قالها حين يمسي حفظ حتى يصبح».

تخریج

أخرجه أبو داود في السنن (5075) ومن طريقه البيهقي في الأسماء والصفات (1/420-421/ 342) والنسائي في عمل اليوم والليلة (ص 140) ومن طريقه ابن السني في عمل اليوم والليلة (ص:46).

سند کا حال

قال الحافظ المنذري: أم عبد الحميد لا أعرفها۔ وقال الحافظ ابن حجر: لم أقف على اسمها، وكأنها صحابية۔

وفي "تخريج الأذكار" له: أم عبد الحميد لم أعرف اسمها ولا حالها، لكن يغلب على الظن أنها صحابية، فإن بنات النبي صلى الله عليه وسلم متن في حياته، إلا فاطمة فعاشت بعده ستة أشهر أو أقل، وقد وصفت بأنها كانت تخدم التي روت عنها، لكنها لم تسمها، فإن كانت غير فاطمة قوي الاحتمال، وإلا احتمل أنها جاءت بعد موت النبي صلى الله عليه وسلم، والعلم عند الله.

خلاصہ یہ ہے کہ: یہ تینوں شواہد مل کر زیر بحث روایت کو تقویت پہنچاتے ہیں، اور متابعت وشواہد کے ہوتے ہوئے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دینا بہت مشکل ہے۔

جمع و ترتیب : فضیلۃ الشیخ محمد طلحہ بلال احمد منیار

ایک اہم تنبیہ

مذکورہ قواعد اور حدیث پر حکم لگانے کا طریقہ ان احادیث سے متعلق ہے جو احادیث مع اسناد ہمارے پیش نظر ہو۔ بہت سے مرتبہ باحث کے سامنے ایسی حدیث ہوتی ہے جس کی کوئی سند نہیں ہوتی ہے ایسی حدیث کے بارے میں یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ متن حدیث کے موضوع ہونے کی محدثین نے چند علامتیں ذکر کی ہیں جن کا ما قبل میں ذکر کیا گیا اگر ان علامات میں سے کوئی علامت پائی جائے تو متن حدیث پر وضع کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر پیش نظر حدیث میں وضع کی کوئی علامت نہ پائی جائے اور اس کی کوئی سند بھی ہمارے پاس موجود نہ ہو تو حدیث کے موضوع ہونے کی جو علامات محدثین نے بیان کی ہے اس میں ایک بات یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ہمارے سامنے ایسی کوئی حدیث آجائے جس کا وجود متقدمین کی کتابوں میں نہ ہو۔

اس قاعدہ سے دھوکہ کھا کر کسی ایسی حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے جس کا وجود متقدمین کی کتابوں میں نہ ہو۔ اس لئے کہ ابھی بھی متقدمین کی بہت سی کتابیں مخطوطات کی شکل میں کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ اور بہت سی کتابیں حوادث زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ جیسے مسند بقی بن مخلد (متوفی ۲۷۶ھ) جسے سب سے بڑا مسند تصور کیا جاتا ہے مکمل مفقود ہے۔ اسی طرح امام طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے المعجم الکبیر سے علی حدہ مکثرین فی الحدیث صحابہ کے مسانید تالیف کئے جو ابھی بھی دستیاب نہیں ہے۔ اس طرح اور بہت سی کتابیں مفقود ہیں اس لئے احتمال اس بات کا موجود ہے کہ وہ حدیث جس کا ہمیں موجودہ کتابوں میں سراغ نہیں لگ رہا ہے وہ ان کتابوں میں ہوں جو ابھی تک مخطوطات کی شکل میں ہیں یا ایسی کسی کتاب میں ہو جو حوادث زمانہ کی نذر ہوگئی ہو۔

ایسی صورت میں باحث کے لئے احتیاط کی بات یہ ہے کہ ایسی احادیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانے کے بجائے یا انہیں موضوع سمجھنے کے بجائے "لم اجدہ" لکھے یا کہے جیسے کہ حافظ ابن حجر اور حافظ زیلعی وغیرہ نے یہ طریق اختیار کیا ہے۔

بہت سے لوگ صرف نیٹ پر تلاش کرنے کے بعد نہ ملنے کی صورت میں وضع کا حکم لگانے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ یہ ایک بڑے خطرہ کی بات ہے۔ اس لئے کہ جس طرح غیر ثابت شدہ کو ثابت ماننا یہ برا ہے اسی طرح جس میں ثابت ہونے کا امکان ہو اس حدیث کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ توڑ دینا یہ بھی برا ہے۔۔

انٹرنیٹ پر موجود کتابوں کے بارے میں یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ انٹرنیٹ نے تمام مطبوع کتابوں کو شامل کرلیا ہے چہ جائے کہ مخطوطات کے بارے میں یہ کہا جائے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

باحث سے گذارش

سند حدیث پر کوئی حکم لگانا ایک صبر آزما اور مشقت بھرا عمل ہے اس کے لیے علوم حدیث کی بہت کچھ معلومات کی ضرورت ہوتی ہے صرف اس کتاب کو پڑھ کر حدیث پر حکم لگانے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ کتاب تو صرف راہ منزل دکھانے کا کام دے گی اس کے لیے اس فن میں لکھی گئی دیگر کتابوں کا بغائر مطالعہ کرنا چاہیے اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ صرف کتابوں میں حدیث پر حکم لگانے کا طریقہ پڑھ کر حدیث پر حکم لگانے کی جسارت بھی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس فن کے ماہرین کی صحبت میں رہ کر اس کی مشق وتمرین کرلینی چاہیے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور مؤلف اور مؤلف کے والدین اور اساتذۂ کرام کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں اور عند الناس اسے قبولیت عطا فرمائیں۔۔۔آمین

ایک اہم گزارش

بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ عام طور پر ہمارے دینی مدارس میں اصول حدیث میں لے دے کہ

مقدمہ شیخ محدث عبدالحق دہلویؒ اور نخبۃ الفکر پڑھائی جاتی ہے۔ بعض مدارس میں یہ دو کتابیں بھی برائے نام پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح دورۂ حدیث میں حدیث کے اسباق میں زیادہ توجہ مسائل فقہیہ کو سلجھانے میں صرف کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے طالب علم فن حدیث کے ضروری مباحث سے ناواقف رہ جاتا ہے۔ اور متون حدیث، غریب الحدیث، فن مؤتلف ومختلف، علم جرح وتعدیل، کتب اسمائے رجال سے بالکل نابلد ہوتا ہے۔

جو علماء وطلبا اس فن سے مناسبت پیدا کرنا چاہتے ہیں انھیں مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

(1) تحفة الدرر شرح نخبة الفكر — مفتی سعید پالنپوری

(2) تحفة القمر — مولانا شاھد قاسمی

(3) تيسير مصطلح الحديث دكتور محمود طحان

(4) ضوابط الجرح والتعديل دكتور عبد العزيز عبد اللطيف

(5) تدريب الراوي — علامہ جلال الدين سيوطي

(6) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل عبد الحی لکھنوی

(7) معجم المصطلحات الحديثية سيد عبد الماجد الغوري

(8) معجم الفاظ الجرح والتعديل سيد عبد الماجد الغوري

(9) تخريج الحديث نشأته ومنهجيته ابو الليث خير آبادي

(10) تيسير دراسة الاسانيد عمرو عبد المنعم سليم

(11) جرح وتعدیل (اردو) اقبال بسکوہری

ارباب مدارس کی خدمت میں ایک چھوٹی سی درخواست ہے کہ دورۂ حدیث میں کسی ایک گھنٹی میں ترتیب بنا کر یا باذوق طلبا کے لئے کوئی انتظام فرما کر مذکورۂ بالا کتابوں میں سے 2، 4، 9، 10 نمبر کی کتابیں درساً پڑھادی جائیں تو طلبا کو اس فن سے ایک گونہ مناسبت پیدا ہو سکتی ہے۔۔

---﴿ضمیمہ﴾---

اسباب رد

☆ مجموعی اعتبار سے اسباب رد دو ہیں ایک راوی کا مجروح ہونا دوسرا راوی کا حذف ہونا

اسباب جرح: یعنی اسباب ضعف

اب یہاں اولاً اسباب جرح کو بیان کیا جاتا ہے، پھر حذف راوی سے متعلق کلام ہوگا۔

راوی کی عدالت وضبط کو ختم کرنے یا اس کو عیب دار بنانے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں انھیں کو اسباب ضعف یا اسباب طعن کہا جاتا ہے، ان میں سے پانچ عیوب کا تعلق عدالت سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے۔

☆ عدالت سے متعلق اسباب

(۱) حدیث رسول ﷺ میں دروغ گوئی کرنا

(۲) دروغ گوئی کا الزام لگنا

(۳) فسق گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا

(۴) جہالت یا ابہام پایا جانا

(۵) بدعت

☆ ضبط سے متعلق اسباب جرح:

(۱) بہت زیادہ غلطی کرنا

(۲) بہت زیادہ مغفل ہونا

(۳) بکثرت وہم ہونا

(۴) ثقات کی مخالفت کرنا

(۵) حافظہ کا خراب ہونا

جرح کے اعتبار سے اسباب کی ترتیب مندرجہ ذیل طریقہ کے مطابق ہوگی

(۱) کذب : حدیث رسول ﷺ میں دروغ گوئی کرنا

(۲) متہم بالکذب : دروغ گوئی کا الزام لگنا

(۳) فحش غلط : بہت زیادہ غلطی کرنا

(۴) فحش غفلت : بہت زیادہ مغفل ہونا

(۵) فسق : گناہ کبیرہ کرنا یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا

(۶) وہم : صحیح کو غلط بیان کرکے اسے صحیح سمجھنا

(۷) مخالفت ثقات : ثقہ یا ثقات کی مخالفت کرنا

(۸) جہالت : راوی کا مجہول یا مبہم ہونا

(۹) بدعت : شریعت میں ایسی چیز ایجاد کرنا جو شریعت میں نہ ہو

(۱۰) سوء حفظ : حافظہ کا خراب ہونا

ان مذکورہ اسباب جرح کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) کذب

کذب فی الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی یا کسی دوسرے کی من گھڑت بات کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرکرے بیان کرے۔ ایسے راویوں کی احادیث کو اصطلاح میں موضوع احادیث کہا جاتا ہے اور ایسے راویوں کی روایتیں جمہور کے نزدیک ہمیشہ کے لیے مردود ہوتی ہیں اگرچہ زندگی میں ایک ہی مرتبہ ایسا کیوں نہ ہوا ہوتی کہ توبہ کرنے کے باوجود بھی ان کی روایتیں مقبول نہیں ہوتی۔ یہ حکم اس لیے ہے تاکہ کوئی دوسرا اس طرح کی جرأت نہ کرے۔ علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ

التائب من الكذب متعمدا في حديث رسول اللہ ﷺ فانه لا تقبل روايته ابدا وان حسنت توبته على ما ذكر عن غير واحد من اهل العلم منهم احمد بن حنبل وابو بكر الحميدى شيخ البخارى

حدیث رسول ﷺ میں قصداً جھوٹ بولنے والوں کی روایت توبہ کرنے کے باوجود بھی بے شمار اہل علم کے یہاں ہمیشہ کے لیے مردود ہو جاتی ہے ان اہل علم میں امام احمد اور ابو بکر حمیدی امام بخاری کے استاذ بھی شامل ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح)

حدیث پر وضع کا حکم بطریق ظن ہوتا ہے

جس کسی حدیث کو موضوع کہا جاتا ہے وہ ظن غالب کی وجہ سے کہا جاتا ہے یقین کے ساتھ کسی بھی حدیث کو موضوع نہیں کہا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر کوئی راوی کسی حدیث میں دروغ گوئی کرتا ہوا پکڑا جائے تو اس کی ہر حدیث جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہو اس لیے کہ بسا اوقات جھوٹا بھی سچ بول دیتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ اس نے صرف ایک ہی حدیث میں جھوٹ بولا ہو اور بقیہ احادیث میں جھوٹ نہ بولا ہو مگر جب ایک مرتبہ اس کا حدیث نبوی ﷺ میں جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا تو ظن غالب یہی ہے کہ اس نے بقیہ احادیث میں بھی دروغ گوئی سے کام لیا ہوگا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جھوٹا کبھی سچ بولتا ہے تو متعین احادیث پر یہ حکم کیسے لگایا جاتا ہے کہ وہ جھوٹی ہیں اور ان رواۃ کی کوئی بھی روایت مقبول نہ ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے محدثین کو ایسا ملکہ دیا تھا جس سے وہ تمیز کر لیتے تھے کہ کون سی حدیث موضوع ہے اور کون سی حدیث موضوع نہیں ہے یا فلاں راوی کی کس حدیث میں جھوٹ ہے اور کس حدیث میں جھوٹ نہیں ہے جیسا کہ سنار سونے کو دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ کون کھوٹا اور کون کھرا ہے لیکن جس طرح تمام سنار ماہر نہیں ہوتے اسی طرح تمام محدثین بھی ماہر نہیں ہوتے تھے اس لیے یہ کام صرف وہی کر سکتے تھے جن کی معلومات کامل، ذہن روشن، فہم و ادراک مضبوط اور وضع پر دلالت کرنے والے قرائن کی شناخت قوی تر ہو۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر)

حدیث موضوع کے الفاظ کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) کبھی واضع کے خود اپنے الفاظ ہوتے ہیں۔

(۲) کبھی واضع دوسروں کا کلام لے لیتا ہے، مثلاً سلف صالحین میں حضرت علیؓ، حضرت حسن بصریؒ، مالک بن دینارؒ اور جنید بغدادیؒ وغیرہ کا کلام اسی طرح قدیم حکما میں حارث بن کلدہ، بقراط، سقراط اور افلاطون وغیرہ کا کلام لے کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

(۳) کبھی واضع سند ضعیف سے مروی روایت کو سند صحیح کے ساتھ جوڑ کر لوگوں میں بیان کر دیتا ہے، تا کہ وہ حدیث مشہور ہو جائے اس صورت میں کلام آپ ﷺ کا ہوتا ہے مگر چوں کہ اس کے ساتھ غلط سند جوڑ دی گئی اس لیے وہ حدیث موضوع ہو جائے گی مگر یاد رہے کہ اس کا موضوع ہونا باعتبار سند کے ہوگا نہ کہ باعتبار متن۔ (نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر)

(۴) اسرائیلی روایت کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرے۔

حدیث موضوع کی وہ علامات جن کا تعلق متن حدیث سے ہے۔

(۱) جو حدیث ایسی ہو کہ اس کے معنی کی رکاکت وقار نبوی ﷺ کے خلاف ہو وہ قابل قبول نہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ رکاکت کا تعلق صرف معنی سے ہے اور اسی کو وضع حدیث کا سبب قرار دیا گیا ہے، اگر چہ الفاظ میں رکاکت موجود نہ ہو اس لیے کہ دین محاسن پر مشتمل ہے اور معنوی رکاکت اس کے خلاف ہے اور اگر صرف الفاظ ہی میں رکاکت موجود ہو تو محض اسے حدیث موضوع کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا، ممکن ہے کہ راوی نے بالمعنی روایت کی ہو اور فصیح الفاظ کو غیر فصیح میں تبدیل کر دیا ہو لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ یہ الفاظ حضور ﷺ کے ہیں تو اسے کاذب قرار دیا جائے گا۔

(۲) وہ حدیث ایسی ہو جو قرآن، حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے مخالف ہو۔

(۳) وہ حدیث ایسی ہو جو عقل سلیم کے مخالف ہو اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

(۴) وہ حدیث ایسی ہو جو ایسے تاریخی واقعہ کے معارض ہو جو واقعہ صحیح اور متواتر ذرائع سے معلوم ہو۔

(۵) حدیث میں ایسی بات بیان کی گئی ہو جو مشاہدہ کے خلاف ہو۔

(۶) وہ حدیث میں جس میں کسی معمولی نیکی پر غیر معمولی اور مبالغہ کے ساتھ ثواب بتلایا گیا ہو یا معمولی گناہ پر بہت بڑی وعید بیان کی گئی ہو۔

(۷) وہ حدیث جس میں ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جو اگر واقع ہوتا تو سینکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے مگر اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی نے اس کو روایت کیا ہو۔ یہ بھی وضع کی ایک علامت ہے۔

(۸) وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے قول سے مشابہت نہ رکھتی ہو۔ (ماخوذ: نزھۃ النظر ص ۱۲۴، تدریب الراوی ص ۲۳۲)

وضع حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق اسناد سے ہے

(۱) راوی کذاب ہو اور کذب میں مشہور ہو، اس کے علاوہ اور کوئی ثقہ راوی اس حدیث کو روایت نہ کر رہا ہو (محدثین کرام نے کذابین اور ان کی تاریخ معلوم کرنے کی پوری کوشش کی اور اس میں ایسے استقصا سے کام لیا کہ کوئی کذاب نہیں بچ سکا ہے۔)

(۲) واضع خود اپنے وضع کا اعتراف کرے جیسے ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے فضائل وضو میں بہت سی احادیث کے وضع کا اعتراف کیا ہے۔

(۳) راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو یا اس کی وفات کے بعد پیدا ہو یا جس جگہ سماع کا دعوی کر رہا ہو وہاں کبھی گیا ہی نہ ہو۔

(۴) کبھی وضع کا اندازہ راوی کے حال اور اس کے ذاتی رجحانات سے لگایا جا سکتا ہے۔ (تدریب الراوی ۱/ ۲۳۴)

وضع حدیث کا حکم

وضع حدیث خواہ کسی بھی مقصد کے تحت ہو اور کسی بھی موضوع سے متعلق ہو ایسا کرنا قطعاً حرام

ہے یہی جمہور علمائے اسلام کا مسلک ہے ان کی دلیل وہ حدیث متواتر ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار" یہ حدیث قطعی الثبوت قطعی الدلالت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کرنا حرام ہے۔ موضوع حدیث کو روایت کرنا بھی حرام ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین (مسلم شریف) جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کر کے بیان کرے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ بھی بہت سے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ البتہ اگر کسی موضوع حدیث کے متعلق یہ بیان کرنے کے لیے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کو روایت کیا جائے تو جائز ہے، وجہ ظاہر ہے۔
(نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۱۳۰، تحفۃ الدرر)

(۲) متہم بالکذب (جھوٹ کا الزام لگنا)

متہم بالکذب کا مطلب یہ ہے کہ راوی پر جھوٹ کا الزام لگایا گیا ہو، اگرچہ حدیث رسول ﷺ میں اس کا جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو یعنی اس کا دنیاوی امور و معاملات میں جھوٹا ہونا مشہور ہو اگرچہ حدیث نبوی ﷺ میں جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو۔

متہم بالکذب کی روایت کو متروک کہتے ہیں۔ اس کا درجہ کذاب سے کچھ کم ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی روایت توبہ سے قبل مردود ہوتی ہے، البتہ توبہ کرنے کے بعد مقبول ہوتی ہے۔

ابن صلاح فرماتے ہیں کہ عام لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولنے والا یا دیگر اسباب فسق کرنے والا توبہ کرلے تو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے۔ (مقدمہ ص ۱۰۴)

(۳) فحش غلط (بکثرت غلطی کرنا)

اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی حدیث کی روایت کرنے میں بکثرت غلطی کرتا ہو اور درست بہت کم روایت کرتا ہو، ایسے راوی کی روایت کو "منکر" کہا جاتا ہے، لیکن یہاں لوگوں کی رائے کے مطابق

منکر ہے جو منکر میں مخالفت ثقات کی شرط نہیں لگاتے ہیں اور جو حضرات مخالفت ثقات کی شرط لگاتے ہیں ان کی رائے کے مطابق اسے منکر نہیں کہا جائے گا، بلکہ اسے معلل یا متروک کہا جاسکتا ہے۔

(۴) کثرۃ غفلت (بہت زیادہ مغفل ہونا)

راوی کے مغفل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی روایتوں کو اچھی طرح محفوظ نہ رکھتا ہو یہاں تک کہ اپنی اور دوسروں کی روایتوں میں تمیز بھی نہ کرسکتا ہو، اگر کوئی شخص دوسرے کی روایت اس کے سامنے بیان کرے اور اس سے کہے کہ یہ آپ ہی کی روایت ہے تو اسے قبول کرلے یا خود اپنی روایت بیان کرے لیکن اس قدر غافل ہو کہ سننے والا بار بار اسے تنبیہ کرے کہ اس طرح روایت نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے تو وہ فوراً اسے تسلیم کرلے، اصطلاح میں اس روک ٹوک کو تلقین کہا جاتا ہے جو اسے تسلیم کرے اس کو تلقین قبول کرنے والا کہا جاتا ہے ایسے شخص کی روایت کو بھی "منکر" کہا جاتا ہے۔ (نزہۃ النظر ص ۱۳۰، کتاب المجروحین ص ۶۸)

اس زمرہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو غیر معتمد کاتب یا بیٹے یا پڑوسی کے پالے پڑ گئے تھے جیسا کہ عبداللہ بن ربیعہ مصیصی کی روایتوں میں ان کے لڑکے نے دوسروں کی روایتوں کو شامل کردیا تھا اسی طرح سفیان بن وکیع کا ایک کاتب جس کا نام قرطمہ تھا اس نے ان کی احادیث میں دوسروں کی احادیث کو شامل کردیا تھا جس کو وہ اپنی روایات سمجھتے تھے، اسی طرح سے عبداللہ بن صالح کاتب لیث بن سعد کا ایک پڑوسی تھا جس کی تحریر ان کی تحریر سے ملتی جلتی تھی، وہ پڑوسی دوسروں کی احادیث کو لکھ کر ان کے گھر میں ڈال دیا کرتا تھا جسے یہ اپنی مرویات سمجھتے تھے۔ (المجروحین ۱/ ۷۵)

اس زمرہ میں وہ شخص بھی داخل ہو جائے گا جو روایت کے سننے یا سنانے میں تساہل سے کام لیتا ہو یا غیر تصحیح شدہ نسخہ سے درس دیتا ہو۔ (مقدمہ ص ۹۶)

(۵) فسق (ارتکاب کبیرہ یا صغیرہ پر اصرار)

راوی کے فاسق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دروغ گوئی کے علاوہ دیگر گناہ کبیرہ کا ارتکاب یا

گناہ صغیرہ پر اصرار کرے یا اس سے ایسے غلط اعمال واقوال سرزد ہوں جو باعث عتاب ہو لیکن کفر کی حد تک پہنچانے والے نہ ہوں اس کی روایت بھی مردود ہوتی ہے اس لیے کہ جو آدمی گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر جرأت کرسکتا ہے تو اس کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ حدیث رسول ﷺ میں دروغ گوئی سے کام لے سکتا ہے، البتہ فاسق اگر توبہ کرلے تو اس کی روایت مقبول ہو جائے گی، فاسق کی روایت کو بھی "منکر" کہا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک جو منکر میں مخالفت ثقات کی شرط نہیں لگاتے ان کے یہاں فحش غلط، کثرت غفلت اور فسق کے مرتکبین کی روایت کو "منکر" کہا جاتا ہے۔

(۶) وہم

وہم کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنی روایتوں کو غلط بیان کرے اور اس غلط بیانی کو صحیح سمجھے، اس کا وقوع حفظ اور کتابت دونوں میں ہوتا ہے، خواہ یہ وہم اور غلط بیانی سند سے تعلق رکھتی ہو جیسے منقطع یا مرسل کو متصل کر دینا یا ضعیف راوی کی جگہ ثقہ کو رکھ دینا، خواہ یہ وہم متن کے اندر ہوا ہو جیسے موقوف یا مقطوع کو مرفوع کر دینا یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دینا ایسی حدیث کو معلل کہا جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان وہمی تغیرات کا علم بکثرت تتبع اور سندوں کو اکٹھا کرنے کے ذریعہ ہو جائے۔

معلل کی دو قسمیں ہیں (۱) معلل المتن (۲) معلل السند

اگر متن میں کوئی وہمی تغیر ہو تو اسے معلل المتن کہتے ہیں اور اگر سند میں کوئی وہمی تغیر ہو گیا ہو تو اسے معلل السند کہتے ہیں، پہلی قسم کا وقوع بہت کم ہے اور دوسری قسم کا وقوع بکثرت ہوا ہے، واضح ہو کہ سند میں وہمی تغیر دو طرح کا ہوتا ہے، کبھی تو اس کی وجہ سے متن پر بھی اثر پڑتا ہے اور کبھی متن پر اثر نہیں پڑتا ہے۔

وہم جاننے کا طریقہ

وہم جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کی جملہ سندوں کو تلاش کرکے جمع کیا جائے پھر دیکھا جائے جس کی روایت عام لوگوں کے خلاف ہو اس کی روایت میں وہم ہوا ہے ایسا سمجھا جائے گا۔

معلل کی اہمیت

علوم حدیث میں انتہائی دقیق اور مشکل فن "معلل" کی شناخت ہے اس لیے کہ کسی حدیث میں علت جاننے کے لیے اس کی تمام سندوں کو جمع کرنا پڑتا ہے اس فن کی اہمیت ہی کی وجہ سے ہر محدث علتوں کی شناخت کا کام نہیں کرسکتا ہے بلکہ صرف ایسے محدثین کر پاتے ہیں جو علوم حدیث میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہوں، نیز جن کا ذہن وحافظہ قوی اور روشن ہوں جیسے علی بن المدینیؒ، احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، یعقوب بن شیبہؒ، ابوحاتم رازیؒ، ابوزرعہ رازیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہ

معلل کی شناخت ایک امر ذوقی ہے

حدیث میں پائی جانے والی علتوں کو پہچاننے کے لیے کوئی ایسا ضابطہ نہیں ہے جس کی مدد سے ہمیشہ ان کی شناخت ہوجائے بلکہ یہ ذوقی اور وجدانی چیز ہے چناں چہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدث کسی حدیث میں کسی علت کے پائے جانے کا دعوی کرتا ہے مگر جب اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ اس سے عاجز نظر آتا ہے گویا اس نے اپنے ذوق ووجدان سے حدیث میں کسی علت کے موجود ہونے کا فیصلہ تو کردیا مگر اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جسے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرسکے۔(تحفۃ القمر شرح نزھۃ النظر ص ۲۴۷)

وہم کا حکم

وہم اگر بکثرت صادر ہو تو راوی کی روایتیں ضعیف شمار کی جاتی ہیں اور اگر وہم نادر ہو تو موہوم روایت کے علاوہ دیگر روایتیں مقبول ہوتی ہیں۔

وہم اور غفلت میں فرق

وہم ایسی غلطی ہے جو کبھی کبھی سرزد ہوتی ہے اس سے کم ہی لوگ محفوظ ہوتے ہیں غفلت ایسی صفت ہے جو ہمیشہ لگی رہتی ہے ان میں جب کثرت پائی جاتی ہے تو روایت ضعیف ہوجاتی ہے۔

(ضوابط الجرح والتعدیل)

(۷) مخالفت الثقة (ثقہ کی مخالفت)

کوئی راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا متعدد ثقات کے خلاف روایت بیان کرے یعنی دونوں راوی ایک ہی روایت یا قصہ ایک ہی استاذ سے روایت کرتے ہیں ثقہ کچھ کہتا ہے اوراوثق کچھ اور کہتا ہے یا ثقہ کچھ کہتا ہے اور متعدد اس کے مانند ثقہ کچھ اور کہتے ہیں، اس مخالفت کی بنیاد پر اس راوی کی جہت کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کی روایت مشتبہ ہو جاتی ہے ایسے راوی کی روایت کو شاذ اور ثقات یا اوثق کی روایت کو محفوظ کہا جاتا ہے، اس طرح کی مخالفت اگر ثقہ اور ضعیف کے درمیان ہو تو ثقہ کی روایت کو "معروف" اور ضعیف کی روایت کو "منکر" کہا جاتا ہے۔مخالفت ثقات کے اعتبار سے مردود کی سا قسمیں ہوں گی۔(۱) مدرج الاسناد (۲) مدرج المتن (۳) مقلوب (۴) مزید فی متصل الاسانید (۵) مضطرب (۶) مصحف (۷) محرف

ہر ایک کے متعلق مختصراً وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) مدرج الاسناد :

راوی سند کے سیاق میں تغیر کر کے مخالفت کرے اور جس حدیث میں اس قسم کی مخالفت پائی جائے اس کو مدرج الاسناد کہتے ہیں۔مدرج الاسناد کی حافظ ابن حجر نے چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وہ حدیث جس کو راوی نے متعدد شیوخ سے الگ الگ سند کے ساتھ سنا ہو مگر بیان کرتے وقت ہر ایک کی سند علاحدہ علاحدہ بیان نہ کرے بلکہ ایک ہی سند میں تمام لوگوں کو جمع کر کے روایت کردے۔

(۲) (الف) وہ حدیث ہے جس کا کل متن شیخ کے پاس ایک سند سے ہو مگر اس کا کوئی ٹکڑا دوسری سند سے ہو اور شیخ کا شاگرد دونوں حصوں کو ایک ہی سند سے روایت کردے۔

(ب) وہ حدیث ہے جس کا پورا متن راوی اپنے شیخ سے بلا واسطہ سنے مگر اس کا کوئی ٹکڑا شیخ کے کسی دوسرے شاگرد کے واسطے سے سنے مگر بوقت روایت پورے متن کو اپنے شیخ سے روایت کردے

اور واسطہ حذف کردے۔

(۳) (الف) وہ حدیث ہے جس کے متن کو راوی نے اپنے شیخ سے ایک سند سے سنا ہو اور اسی شیخ سے دوسرا متن دوسری سند سے سنا ہو مگر دونوں متنوں کو کسی ایک ہی سند سے روایت کردے۔

(ب) وہ حدیث ہے جس کے متن کو راوی نے اپنے شیخ سے ایک سند سے سنا ہو اور اسی شیخ سے دوسرا متن دوسری سند سے سنا ہو مگر ایک متن کو تو اسی سند سے بیان کردے اور دوسرے متن کا کوئی ٹکڑا بھی اس متن میں اضافہ کرکے روایت کردے۔

(۴) وہ حدیث ہے جس کی سند شیخ نے بیان کی، متن بیان کرنے سے پہلے اپنی طرف سے کوئی بات کہی راوی نے اس بات کو مذکورہ سند کا متن خیال کرکے اسی سند سے روایت کردیا۔ (مطول کتابوں میں ہر ایک کی مثالیں ذکر کی گئی ہیں)

تنبیہ: اقسام اربعہ میں سے شروع کی تین قسموں کے اندر سند کے سیاق میں تغیر واضح ہے مگر چوتھی قسم میں واضح نہیں ہے اس لیے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس کے اندر سند کے سیاق میں تغیر اس طرح ہوا ہے کہ سند کا ذکر کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کے بعد اس کا متن ذکر کیا جائے نہ یہ کہ اپنی طرف سے کلام ذکر کیا جائے اور یہاں جب راوی نے اس سند کا متن نہیں ذکر کیا تو اس نے سند کے سیاق میں تغیر کردیا۔

(۲) مدرج المتن

مخالفت ثقات کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی متعین متن کے ساتھ دوسرے کا کلام ملا دینے کی وجہ سے ثقات کی مخالفت لازم آئے خواہ دوسرا کلام صحابہ کا ہو یا تابعین کا یا ان کے علاوہ کسی اور کا ہو اور جس حدیث میں اس قسم کی مخالفت پائی جائے اسے مدرج المتن کہتے ہیں۔

مدرج المتن کی صورتیں

مدرج المتن کی تین صورتیں ہیں (۱) متن کے شروع میں ادراج ہو (۲) متن کے

درمیان میں ادراج ہو (۳) متن کے آخر میں ادراج ہو۔ اس تیسری قسم کا وقوع بکثرت ہوتا ہے کیوں کہ ایسا عموماً ایک جملہ کو دوسرے کے ساتھ ملانے سے ہوتا ہے اور لوگوں کی عادت یہ ہے کہ حدیث بیان کرنے کے بعد کچھ دوسری باتیں بھی کرتے ہیں تو ایسا عین ممکن ہے کہ سامعین میں سے کوئی، دوسری باتوں میں سے کسی بات کو حدیث کا ٹکڑا خیال کر کے، ایک ساتھ دونوں کو روایت کر دے۔

ادراج کا علم کیسے ہو؟

حافظ ابن حجرؒ نے ادراج معلوم کرنے کے چار طریقے بیان فرمائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

(۱) وہ حدیث دوسری سند سے مروی ہو جس میں مدرج اور مدرج فیہ کو الگ الگ بیان کر دیا گیا ہو۔

(۲) راوی خود تصریح کر دے کہ حدیث کا اس قدر حصہ مدرج ہے۔

(۳) کوئی واقف کار امام تصریح کر دے کہ اس قدر مدرج ہے۔

(۴) مدرج کی ہوئی بات ایسی ہو جس کا زبان رسالت مآب ﷺ سے صدور محال ہو۔

ادراج کا حکم

اگر ادراج کسی غریب لفظ کی وضاحت کے لیے ہو جیسے امام زہریؒ کرتے ہیں تو جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی صراحت کر دے اور اگر غلطی سے ادراج ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر ایسا اکثر و بیشتر ہوتا ہو تو اس سے راوی کے ضبط و اتقان میں فرق پڑے گا اور اگر عمداً ادراج ہو تو یہ ناجائز ہے۔ مقاصد کے اعتبار سے اس میں شدت و ضعف آتا ہے۔

(۳) مقلوب

مخالفت ثقات کی تیسری صورت یہ ہے کہ سند یا متن کے اندر وہم کی وجہ سے تقدیم و تاخیر ہو جائے جس کی وجہ سے وہ حدیث ثقات کی مخالف ہو جائے اور جس حدیث میں اس قسم کی مخالفت پائی جائے اس کو ''حدیث مقلوب'' کہتے ہیں۔

مقلوب کی دو قسمیں ہیں: (۱) مقلوب فی السند؛ یہ بکثرت پائی جاتی ہے۔ (۲) مقلوب فی المتن

(۱) مقلوب فی السند

وہ حدیث مقلوب ہے جس کی سند میں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہو جیسے اگر کسی حدیث میں مرۃ بن کعب ہے تو وہم کی وجہ سے کعب بن مرۃ ہوجائے یا اس کا برعکس اور یہ وہم کی وجہ سے تبدیلی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ جو ایک راوی کا نام ہوتا ہے وہی دوسرے راوی کے باپ کا نام ہوتا ہے۔

(۲) مقلوب فی المتن

وہ حدیث مقلوب ہے جس کے متن میں وہم کی وجہ سے تقدیم وتاخیر ہوگئی ہو۔ جیسے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظل الا ظله ـــــ حتی لا تعلم یمینه ماتنفق شماله اس حدیث میں راوی سے وہم کی وجہ سے تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے، "شماله" کی جگہ "یمینه" ہوگیا ہے اصل حدیث میں اس طرح ہے حتی لا تعلم شماله ماتنفق یمینه

(۴) مزید فی متصل الاسانید

مخالفت ثقات کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی راوی سند متصل میں ایک یا چند روات کا اضافہ کردے جس کی وجہ سے اس کی روایت ثقات کی روایت کے خلاف ہوجائے اور جس حدیث میں اس قسم کی مخالفت پائی جائے اس کو "مزید فی متصل الاسانید" کہتے ہیں۔

مزید فی متصل الاسانید کے متحقق ہونے کے لیے تین شرائط ہیں۔

(۱) زیادتی نہ کرنے والا بمقابلہ زیادتی کرنے والے کے زیادہ متقن ہو۔

(۲) زیادتی نہ کرنے والا اس مقام پر سماع کی تصریح کرے جہاں کسی راوی نے زیادتی کی ہے مثلاً یہ الفاظ استعمال کرے سمعت، اخبرنی، حدثنی، قال لی وغیرہ

(۳) خارج سے کوئی قرینہ اس پر دال ہو کہ زیادتی کرنے والے نے وہم کی وجہ سے زیادتی کی ہے۔

اگر ان شرائط میں سے مثلاً دوسری شرط نہ پائی جائے اور زیادتی نہ کرنے والا مقام زیادت میں بصیغہ عن فلان روایت کر رہا ہو تو ایسی صورت میں وہ حدیث راجح ہوگی جس میں زیادتی ہے یعنی اسے مزید فی متصل الاسانید نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ مطلقاً متصل السند ہوگی اور جس حدیث میں زیادتی نہیں ہے وہ مرجوح ہوگی اور اسے منقطع کہا جائے گا۔

اسی طرح اگر تیسری شرط نہ پائی جائے تو اس وقت بھی اس حدیث کو مزید فی متصل الاسانید نہیں کہا جائے گا کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ ایک راوی نے اپنے شیخ سے بالواسطہ سنا ہو پھر بلا واسطہ بھی سن لیا ہو اور اس راوی نے کبھی تو بلا واسطہ کسی شاگرد کے سامنے روایت کیا ہو اور کبھی دوسرے شاگرد کے سامنے بالواسطہ روایت کیا ہو اور دونوں شاگردوں نے اسی طرح روایت کیا ہو جس طرح کے انہوں نے سنا ہو تو اس صورت میں دونوں شاگردوں کی روایت متصل السند ہی کہی جائے گی نہ تو کسی کی روایت کو منقطع کہا جائے گا اور نہ کسی کی روایت کو مزید فی متصل الاسانید کہا جائے گا۔

(۵) مضطرب

مخالفت ثقات کی پانچویں صورت یہ ہے کہ راوی کسی حدیث کی سند یا متن یا دونوں کے اجزا میں تبدیلی کردے جس کی وجہ سے وہ حدیث واحد مختلف طرح سے مروی ہو اور ایک ثقہ کی روایت دوسرے ثقات کے خلاف ہو جائے اور اس قسم کی مخالفت جس حدیث میں پائی جائے اسے مضطرب کہتے ہیں (یہ لفظ باب افتعال سے اسم فاعل ہے) لیکن یہاں شرط یہ ہے کہ ان روایات مختلفہ میں جمع و ترجیح ممکن نہ ہو اگر تطبیق یا ترجیح کے ذریعہ اختلافات کو ختم کرنا ممکن ہو تو وہ حدیث مضطرب نہ ہوگی۔

مضطرب کی تین قسمیں ہیں (۱) مضطرب فی السند فقط (۲) مضطرب فی المتن فقط (۳) مضطرب فی السند والمتن جمیعاً

(۶) مصحف

وہ حدیث مردود ہے جس کی سند یا متن کے کسی حرف کے نقطے میں تبدیلی کی وجہ سے مخالفت ثقات ہوگئی ہو اور اس حرف کے کلمہ کے خط کی صورت باقی رہے اگر اس قسم کی تبدیلی سند میں ہوئی ہو تو

اس کو تصحیف فی السند کہتے ہیں اور اگر متن میں ہوئی ہو تو اسے تصحیف فی المتن کہتے ہیں۔ جیسے سے "مراجم" کو "مزاحم" کر دینا

(۷) محرف

وہ حدیث مردود ہے جس کی سند یا متن کے کسی کلمے کی شکل میں تبدیلی کی وجہ سے مخالفت ثقات ہوگئی ہو اور اس کی تحریر کی صورت باقی رہے۔ سند میں تبدیلی ہونے کی صورت میں اسے تحریف فی السند اور متن میں تبدیلی ہونے کی صورت میں اسے تحریف فی المتن کہتے ہیں۔ جیسے عُقیل کو عَقیل پڑھ دینا۔

فائدہ: تصحیف اور تحریف میں فرق حافظ ابن حجرؒ کا ایجاد کردہ ہے حافظ ابن صلاح اور دوسرے حضرات دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں بلکہ دونوں کو تصحیف کہتے ہیں۔

نوٹ: مخالفت ثقات کی بحث نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر اور اس کی شروحات سے ماخوذ ہے۔

☆ مخالفت کا حکم

مخالفت کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جس پر حکم اس کی نوعیت کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ اگر راوی بکثرت مخالفت کرتا ہے تو مردود ہے اور شاذ و نادر کرتا ہے تو مقبول ہے۔

(۸) مجہول الاسم

مجہول الاسم کو مبہم کہا جاتا ہے، مبہم کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا نام ذکر کیے بغیر روایت کی جائے

جیسے عن رجل، عن فلان، عن شیخ، عن رجل من بنی فلان

مبہم کا حکم

مبہم راوی کی روایت غیر مقبول ہوتی ہے اس لیے کہ روایت کے مقبول ہونے کے لیے ضروری

ہے کہ راوی عادل ہو لیکن جب راوی کا نام معلوم ہی نہیں تو اس کی شخصیت اور حالت سب غیر معروف ہوتی ہے، ایسے راوی پر عدالت کا حکم لگایا ہی نہیں جا سکتا ہے، البتہ اگر اس مبہم کی تعیین کسی دوسری سند سے ہو جائے اور اس میں صفات قبولیت، عدل وضبط وغیرہ پائی جائیں تو پھر اس کی روایت مقبول ہوگی۔

تعدیل مبہم

اگر کوئی راوی اپنے شیخ کا نام نہ لے اور ایسے لفظ سے اس کو ذکر کرے جو کہ تعدیل وتوثیق کے لیے مستعمل ہوتا ہے مثلاً یہ کہے اخبرنی الثقة یا اخبرنی العدل یا اخبرنی من لا اتہمہ تو اصطلاح میں اسے تعدیل مبہم کہا جاتا ہے، واضح ہو کہ اس سے ملتا جلتا ایک لفظ "التعدیل المبہم" استعمال ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی راوی کی توثیق کی جائے مگر توثیق کا سبب نہ بیان کیا جائے مثلاً صرف اتنا کہے فلاں ثقہ ہے جیسا کہ الجرح المبہم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی راوی پر جرح کی جائے مگر اس کے اسباب بیان نہ کئے جائیں یہ وضاحت اس لیے کی گئی ہے کہ بعض لوگ دونوں لفظ میں فرق نہیں کر پاتے ہیں۔

تعدیل مبہم کا حکم

جس مبہم راوی کی تعدیل کی گئی ہو اس کی حدیث مقبول ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) اصح قول کے مطابق مقبول نہیں کیوں کہ ممکن ہے کہ کہنے والے کے اعتقاد میں وہ ثقہ ہو لیکن دوسروں کے اعتقاد اور نفس الامر میں مجروح ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی عادل شخص آپ ﷺ کی طرف نسبت کے جزم ویقین کے ساتھ ارسال کرلے تو اسے قبول نہیں کہا جاتا ہے کیوں کہ جسے حذف کیا ہے وہ مجہول ہے اور مجہول ہونے کی وجہ سے نامقبول اس لیے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ارسال کرنے والے کے اعتقاد میں اگرچہ ثقہ ہو مگر نفس الامر اور دوسروں کے اعتقاد میں غیر ثقہ ہو۔ خطیب بغدادی، امام صیرفی اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ تعدیل مبہم والے کی روایت مقبول ہے کیوں کہ ہر شخص کے اندر اصل

عدالت ہے اور جرح خلاف اصل ہے اس لیے اصل اور ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے اس کی حدیث مقبول شمار کی جائے گی خلاف ظاہر اور خلاف اصل پر اس وقت تک عمل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کی دلیل دستیاب نہ ہو جائے۔

(۳) مطلقاً مقبول ہے جیسا کہ اگر اس کا نام لے کر اس کو متعین کر دیا جائے تو اس کی حدیث مقبول ہوتی ہے اس لیے کہ دونوں حالتوں (نام لینے اور نہ لینے) میں مامون عن الجرح ہے۔

(۴) بعض متاخرین کا قول ہے کہ اگر یہ کہنے والا مجتہد ہو جیسے امام مالک، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ تو اس امام کے مقلدین کے حق میں اس کی توثیق مقبول ہوگی دوسروں کے حق میں مقبول نہیں ہوگی کیوں کہ اس کا اس طرح کہنا دوسروں کے خلاف استدلال کرنے کے لیے نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنے مقلدین کے لیے حکم کی دلیل بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے یہ قول علوم حدیث کی بحث سے خارج ہے اس کا تعلق علم اصول فقہ سے ہے، محققین کی ایک جماعت نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ امام حرمین اور امام رافعیؒ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۵) بعض لوگوں نے کہا کہ حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل کی جائے وہ یہ کہ اگر مبہم کی تعدیل ایسے شخص سے صادر ہو جو علم حدیث اور جرح و تعدیل میں ماہر ہو تو وہ تعدیل مقبول ہوگی، مثلاً شیخین وغیرہ اور اگر عام آدمی کی طرف سے تعدیل مبہم ہو تو وہ تعدیل مقبول نہ ہوگی واللہ اعلم (تحفۃ الفکر ص ۲۹۲، نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر)

(2) مجہول العین

اس راوی کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کیا ہو اور کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو ہر چند کہ اس کے نام کی صراحت کر دی گئی ہو۔

مجہول العین کی حدیث کا حکم

اس میں متعدد اقوال ہیں

(۱) مبہم کی حدیث کی طرح مجہول العین کی حدیث بھی نامقبول ہے لیکن اگر اس سے روایت کرنے والا یا اس کے علاوہ کوئی اس کی توثیق کر دے تو اصح قول کے مطابق اس کی حدیث مقبول ہوگی بشرطیکہ دونوں توثیق کے اہل ہو، یہ رائے ابوالحسن بن القطان کی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

(۲) جمہور علما کے نزدیک مجہول العین کی روایت مطلقاً نامقبول ہے۔

(۳) بعض لوگوں کے نزدیک مطلقاً مقبول ہے۔

(۴) بعض لوگوں نے کہا کہ اگر اس سے تنہا روایت کرنے والا ایسا ہو کہ وہ صرف عادل سے روایت کرتا ہو جیسے یحییٰ بن سعید اور ابن مہدیؒ وغیرہ تو اس کی حدیث مقبول ہوگی ورنہ مردود ہوگی۔

(۵) ابن عبدالبرؒ کا قول ہے کہ اگر وہ شخص علم کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً زہد اور سخاوت وغیرہ میں مشہور ہو تو اس کی حدیث مقبول ہوگی ورنہ تو نہیں۔(تدریب الراوی ۱/ ۲۶۹)

(۶) حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کی روایت میں توقف کیا جائے جب تک کہ اس کی حالت ظاہر نہ ہو جائے، امام الحرمین نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے۔

(۳) مجہول الحال

مجہول الحال سے مراد وہ شخص ہے جس کے نام کی صراحت کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ عادل لوگوں نے اس سے روایت کی ہو مگر کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو بقول حافظ ابن حجرؒ یہ مستور کہلاتا ہے۔

حافظ ابن صلاح، علامہ عراقی اور علامہ نووی وغیرہ نے مجہول الحال کی دو قسمیں کی ہیں۔

(۱) مجهول العدالة في الظاهر والباطن معًا ۔ عدالت ظاہرہ سے مراد وہ عدالت ہے جو ظاہر حال سے معلوم ہو اور عدالت باطنہ سے مراد وہ عدالت ہے جس کے لیے ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کی ضرورت پڑتی ہو۔

(۲) مجهول العدالة في الباطن دون الظاهر اور انھوں نے صرف دوسری قسم کا نام مستور رکھا ہے

حافظ ابن حجرؒ کے یہاں ہردو قسم مستور کہلاتی ہے۔

مجہول الحال کی حدیث کا حکم

اس میں متعدد اقوال ہیں

(۱) ایک جماعت نے مجہول الحال کی روایت کو مطلقاً قبول کیا ہے ان میں حافظ ابن حبانؒ کا شمار ہوتا ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک مجہول الحال کی روایت مقبول نہیں ہے۔

(۳) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ خیر القرون کا ہو تو اس کی حدیث مقبول ہے ورنہ تو مردود ہے۔

(۴) بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر اس سے روایت کرنے والے ایسے ہوں جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہوں تو مقبول ہے ورنہ مقبول نہیں۔

(۵) تحقیقی بات جس پر امام الحرمینؒ نے اعتماد کیا ہے یہ ہے کہ مجہول الحال کی روایت کے بارے میں توقف کیا جائے گا جب تک کہ اس کی حالت یعنی عدالت وغیرہ ظاہر نہ ہو جائے پھر جیسی حالت ظاہر ہوگی اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا حالت کے ظاہر ہونے سے پہلے اس کی روایت نہ مقبول ہوگی اور نہ مردود ہوگی۔ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص ۱۳۹ شرح شرح نزھۃ النظر لعلی القاری)

جہالت عین اکثر اہل علم کے نزدیک دو یا دو سے زیادہ ثقہ راویوں کے روایت کرنے سے ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ جہالت حال کسی محدث کی توثیق سے ہی ختم ہو سکتی ہے۔ علامہ ابن رشید فرماتے ہیں

لافرق فی جھالۃ الحال بین روایۃ واحد واثنین مالم یصرح الواحد او غیرہ بعدالتہ نعم کثرۃ روایۃ الثقات عن الشخص تقوی حسن الظن فیہ جہالت حال میں ایک یا دو راوی کی روایت سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے جب تک کہ کسی نے اس کی عدالت کی تصریح نہ کی ہو ہاں یہ بات ضرور ہے کہ راویوں کی کثرت سے اس کے بارے میں حسن ظن قائم ہو جاتا ہے۔ (فتح المغیث ۱/ ۲۹۷ بحوالہ جرح و تعدیل

ص ۱۴۷)

امام دارقطنی کے نزدیک جہالت حال بھی دو یا دو سے زائد ثقہ راویوں کی روایت سے ختم ہو جاتی ہے۔(الرفع والتکمیل ص ۲۲۸)

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کسی شخص کو کسی امام نے مجہول کہہ دیا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ سب کے یہاں مجہول ہی ہو اس لیے کہ مجہول وہی ہو سکتا ہے جس کی کسی نے توثیق نہ کی ہو مثلاً حکم بن عبداللہ بصری کو ابو حاتم نے مجہول کہا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول نہیں ہے کیوں کہ ان سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام ذہبیؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ (ھدی الساری ص ۳۹۶ جرح وتعدیل ص ۱۴۷)

(۹) بدعت

بدعت اس اعتقاد کو کہتے ہیں جو اللہ تعالی کے رسول ﷺ کے مشہور طریقہ کے برعکس ہو لیکن یہ طریقہ مخالفت میں نہیں بلکہ بطور شبہ رائج کر دیا گیا ہو۔ اس میں وہ سارے فرقے شامل ہیں جنھوں نے سنت طریقہ چھوڑ دیا مثلاً خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ، مرجئہ، شیعہ وغیرہ ان مبتدعین کی روایتوں کے قبول اور عدم قبول کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔

علامہ تقی الدین ابن دقیق العید کی تحقیق یہ ہے کہ مطلقاً کسی بھی بدعتی کی روایت مردود نہیں ہوگی کیوں کہ ہر فرقہ اپنے مخالفین کو بدعتی کہتا ہے بلکہ بسا اوقات ایک قدم آگے بڑھ کر ان کی تکفیر بھی کرنے لگتا ہے تو اگر ان کی بات مطلقاً مان لی جائے تو ہر فرقے کی تکفیر لازم آئے گی اور سب کی روایتیں مردود ہو جائیں گی لیکن اگر کوئی بدعتی ایسا ہو جو شریعت کی کسی ایسی چیز کا منکر ہو جس کا شریعت میں ہونا متواتر اور بداھۃً معلوم ہو یا جس کا شریعت میں نہ ہونا بدیہی ہو اور وہ اس کے ہونے کا اعتقاد رکھے جیسے سجود اصنام وغیرہ تو اس کی روایت یقیناً مردود ہوگی اور اگر کوئی بدعتی مذکورہ چیزوں سے متصف نہ ہو اور اس کا ضبط ٹھیک ہو اور ورع وتقوی کا حامل ہو تو اس کی روایت کو قبول کرنے سے انکار نہیں ہونا چاہیے۔ (الاقتراح

ص ۲۲۴، تحفۃ الفکر شرح نخبۃ الفکر ص ۳۰)

اصح قول کے مطابق اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر وہ بدعتی ایسا ہو جو بدعت کی طرف داعی نہ ہو اور ایسی چیزوں کو روایت کر رہا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت نہ ہوتی ہو تو اس کی حدیث مقبول ہوگی اور اگر ایسا بدعتی ہو جو بدعت کی طرف داعی ہو یا داعی تو نہ ہو مگر ایسی چیز روایت کر رہا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت ہوتی ہو تو اس کی روایت مردود ہے اس لیے کہ جب وہ اپنی بدعت کا داعی ہے تو یقیناً اس کو بنا سنوار کر پیش کرے گا اور یہ طرز عمل اسے اس بات پر آمادہ کر سکتا ہے کہ روایتوں میں لفظی یا معنوی تحریف کر دے اور ان کو اپنے مذہب کے مقتضیات پر منطبق کرے گا یہ قول اصح اور محققین علما کا مسلک ہے بلکہ جمہور کا مذہب مختار بھی یہی ہے۔ (تحفۃ الفکر ص ۳۰۲)

(۱۰) سوء الحفظ

راوی پر جرح کی دسویں اور آخری قسم اس کا سیئی الحفظ ہونا ہے یعنی اگر کسی راوی کا حافظہ خراب ہو تو اس کی حدیث مردود ہوتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کیا معیار ہے جس سے حافظے کی خرابی کا علم ہو اور اس کی حدیث مردود ہو جائے کیوں کہ کچھ نہ کچھ خرابی تو ہر شخص کے حافظے میں ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معیار یہ ہے کہ درستگی کا پلہ غلطیوں کے پلے سے راجح نہ ہو بلکہ یا تو اس کی غلطیاں راجح ہوں یا دونوں برابر ہوں لہٰذا جس شخص کا حافظہ ایسا ہو وہ سوء حفظ کا شکار شمار کیا جائے گا اور اس کی احادیث مردود ہوں گی۔

یادداشت کی خرابی دو طرح کی ہے ایک یہ کہ فطری اور پیدائشی اعتبار ہی اس کا حافظہ بگڑا ہوا ہو دوسری یہ کہ ابتدا تو حافظہ اچھا تھا بعد میں کسی عارض کی وجہ سے بگڑ گیا۔ عوارض مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً عمر کے زیادہ ہونے کی وجہ سے یادداشت خراب ہو جائے یا مثلاً کوئی شخص حدیث کو بیان کرنے میں تحریری نوشتوں پر اعتماد کرتا تھا لیکن اب اس کی بینائی جاتی رہی یا وہ تحریری نوشتے اور کتابیں جل گئیں یا گم ہو گئیں جس کی وجہ سے اس نے اپنے حافظے کی مدد سے احادیث بیان کرنا شروع کیا اور غلطیاں ہوتی

گئیں، اگر حافظہ کی خرابی کی پہلی صورت ہے تو ایسے حافظے والے راوی کا کوئی نام نہیں ہے البتہ اس کی حدیث کو بعض محدثین شاذ کے نام سے موسوم کرتے ہیں جب کہ جمہور محدثین کے یہاں اس کی حدیث کا کوئی خاص نام نہیں ہے اور اگر دوسری صورت ہو تو ایسے راوی کو محدثین "مختلط" کہتے ہیں اور اس کی حدیث کو کوئی خاص نام نہیں دیتے ہیں زیادہ سے زیادہ مختلط کی حدیث کہتے ہیں۔

مختلط کی حدیث کا حکم

علامہ محمد عبداللہ ٹونکی کے بیان کے مطابق اس کی چار صورتیں ہیں

(۱) ایک یہ کہ وہ حدیث ایسی ہو جسے صرف اختلاط سے پہلے بیان کیا ہو اور وہ ممتاز بھی ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مقبول ہوگی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اسے صرف اختلاط کے بعد بیان کیا ہو، یہ حدیث مردود ہوگی۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اس حدیث کو دونوں حالتوں میں بیان کیا ہو، ایسی حدیث کا حکم یہ ہے کہ جس راوی نے اختلاط سے پہلے سنا ہو اس کی روایت سے وہ مقبول ہوگی اور جس نے اختلاط کے بعد سنا ہو اس کی روایت سے وہ حدیث مردود شمار ہوگی۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ حدیث کے متعلق معلوم نہ ہو کہ کب کی بیان کردہ ہے ایسی حدیث کا حکم یہ ہے کہ اس کے قبول ورد میں توقف کیا جائے گا۔ (تحفۃ الدرر ص ۳)

مختلط کی احادیث کو ممتاز کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مختلط سے روایت کرنے والوں کے زمانۂ سماع کا پتہ لگایا جائے جس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اس نے صرف اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے تو اس کے واسطے سے مختلط کی روایت مقبول ہوگی اور جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس نے دونوں حالتوں میں روایت کیا ہے اور ممتاز نہ ہو سکے یا جس کے بارے میں معلوم نہ ہو سکے اس نے مختلط سے کب روایت کیا ہے ان دونوں کے واسطے سے اس کی روایت میں توقف کیا جائے گا مثلاً عطاء بن السائب مختلط ہو گئے تھے امام شعبہ اور سفیان ثوریؒ نے ان سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے، جریر بن

عبدالحمید نے ان سے اختلاط کے بعد سنا ہے اور ابوعوانہ نے دونوں حالتوں میں سنا ہے۔

جس راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ اس نے مختلط سے دونوں حالتوں میں (اختلاط سے قبل اور بعد) روایت لی ہے اور دونوں حالتوں کی روایات میں امتیاز نہ ہو سکا ہو یا جس کے بارے میں معلوم نہ ہو سکے کہ اس نے مختلط سے کب روایتیں اخذ کی ہیں تو ان دونوں کی احادیث کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور متوقف فیہ احادیث ضعیف ہوتی ہیں، اس لیے یہ احادیث بھی ضعیف شمار کی جائے گی، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کی روایات میں جہاں صواب کا احتمال ہے وہیں غیر صواب کا بھی احتمال ہیں۔ لیکن جب معتبر حضرات کی روایت ان حضرات کی روایت کے موافق مل جائے تو مذکورہ دونوں احتمال صواب اور غیر صواب میں صواب کا احتمال راجح ہو جاتا ہے اور دوسری روایت کا مروی ہونا ان حضرات کی احادیث کے غلطی سے محفوظ ہونے پر دلالت کرے گا، لہٰذا مختلطین کی احادیث درجہ ضعف اور توقف سے ترقی کر کے قبولیت کے مرتبے کو پہنچ جائے گی، لیکن اس کے باوجود اس کا مقام حسن لذاتہ سے کم تر ہوگا اسی لیے اسے حسن لغیرہ کہا جائے گا۔ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر: ص ۱۴۴، ۱۴۵)

مختلط راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے سب سے بہتر کتاب الکواکب النیرات فی معرفۃ من اختلط من الرواۃ الثقات ہے جو ابن کیال (متوفی ۹۳۰ھ) کی تالیف ہے۔

جرح کے دس اسباب کا بیان یہاں مکمل ہو گیا۔ ان کے علاوہ کچھ اور بھی اسباب جرح ہیں جنھیں اب بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) ارسال

مجموعی اعتبار سے اسباب رد دو ہیں ایک راوی کا مجروح ہونا خواہ جرح کی کوئی بھی وجہ کیوں نہ ہو اور خواہ وہ وجہ راوی کی دیانت سے متعلق ہو یا اس کے ضبط سے متعلق ہو، اس کا بیان ماقبل میں ہو گیا دوسرا سبب رد راوی کا حذف ہونا ہے۔

حذف راوی کے اعتبار مردود کے اقسام

ایک یا چند رواۃ کے حذف ہونے کے اعتبار مردود کی چار قسمیں ہیں۔(۱) معلق (۲) مرسل (۳)معضل (۴) منقطع

(۱) معلق

معلق وہ حدیث مردود ہے جس کی سند کے آغاز سے مصنف کتاب نے ایک یا ایک سے زیادہ روات کو حذف کردیا ہو۔

معلق کی مختلف اور متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) تمام سند حذف کرکے اس طرح کہے قال رسول اللہ ﷺ کذا یا کہے فعل رسول اللہ ﷺ کذا یا کہے فعل بحضرۃ النبی ﷺ کذا

(۲) صحابی کو چھوڑ کر تمام سند کو حذف کردیا جائے مثلاً اس طرح کہا جائے عن عمر عن النبی ﷺ قال کذا

(۳) صحابی اور تابعی کو چھوڑ کر تمام سند کو حذف کردیا جائے مثلاً اس طرح کہا جائے عن علقمۃ عن عمر عن النبی ﷺ قال کذا

(۴) مصنف اپنے شیخ جس سے اس نے حدیث سنی ہو صرف اسی کو حذف کردے اور اوپر والے کی طرف اس حدیث کی نسبت کردے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اوپر والا شخص مصنف کا براہ راست استاذ نہ ہو اور اگر اوپر والا شخص مصنف کا براہ راست استاذ ہو تو یہاں پر اختلاف ہے کہ اس کی حدیث کو معلق اور اس کے اس عمل کو تعلیق کہا جائے گا یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا قول ہے کہ اسے معلق کہا جائے گا اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے معلق نہیں کہا جائے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کسی امام کی تصریح یا تتبع وتلاش سے معلوم ہو کہ ایسا کرنے والا مصنف مدلس ہے تو اس کی حدیث کو معلق

نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے مدلس کہا جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ مدلس نہیں ہے تو اس کو معلق اور اس عمل کو تعلیق کہا جائے گا۔

معلق مردود کیوں ہے؟

معلق کو اقسام مردود میں اس لیے شمار کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی راوی حذف ہوتا ہے اور محذوف کی عدالت وضبط کا علم نہیں ہوتا ہے اور ظاہر بات ہے جب مذکورہ دونوں چیزیں معلوم نہیں تو اس کی حدیث مقبول کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ اگر کسی دوسری سند میں محذوف شخص کی نام یا کنیت وغیرہ کے ذریعہ تعیین ہو جائے تو وہ حدیث معلق مقبول ہو گی بشرطیکہ قبولیت کے تمام اوصاف اس میں جمع ہوں۔ (نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۲)

معلق کے مردود ہونے کی جو وجہ ذکر کی گئی ہے کہ اس کا کوئی راوی محذوف ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ثقہ ہونا معلوم نہیں ہو پاتا ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ اگر تعلیق کرنے والا یہ صراحت کردے کہ میں نے جسے حذف کیا ہے وہ ثقہ ہے تو کیا اس قسم کی معلق روایت مقبول ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی معلق کا وہی حکم ہوگا جو اس مبہم شخص کی روایت کا ہوتا ہے جسے تعدیل وتوثیق کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہو جیسے اخبرنی الثقۃ یا اخبرنی الشیخ وغیرہ چنانچہ اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس مبہم کی روایت قبول نہیں کی جائے گی جب تک کہ اس کی تعیین نہ کردی جائے۔

(۲) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسے آدمی کی روایت مطلقاً مقبول ہو گی۔

(۳) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اس طرح کہنے والا رواۃ کے احوال سے واقف ہو تو اس کے مقلدین کے حق میں مقبول ہو گی دوسروں کے حق میں مقبول نہ ہو گی مثلاً امام شافعیؒ فرمائیں اخبرنی الثقۃ تو شوافع کے نزدیک یہ روایت قابل قبول ہو گی۔

(۴) امام حرمین اور امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ اسے قبول کرلیا جائے گا شرط یہ ہے کہ اس طرح

کا لفظ کہنے والا جرح وتعدیل کا امام ہو۔

جمہور کے نزدیک تعلیق مردود ہے خواہ کسی کتاب میں ہو مگر حافظ ابن صلاحؒ کے نزدیک تفصیل ہے۔ تفصیل اس طرح ہے کہ اگر تعلیق کسی ایسی کتاب میں واقع ہو جس کے اندر صحت کا التزام کیا گیا ہو جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ تو اس کی دو صورتیں ہوگی ایک یہ کہ صیغہ جزم ویقین کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو جیسے قال، ذکر، روی فلان اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معلق روایت مقبول ہوگی کیوں کہ صیغہ جزم کے ساتھ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی سند اس کے نزدیک ثابت اور درست ہے اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب سند ثابت ہے تو راوی کو حذف کیوں کردیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حذف راوی صرف اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ ضعیف ہونے کے علاوہ بھی حذف کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً اختصار، خوف تکرار اور مذاکرہ کی حالت میں سند وغیرہ

دوسری صورت یہ ہے کہ صیغہ تمریض کے ساتھ معلق روایت کو ذکر کیا گیا ہو جیسے کر، یروی عن فلان اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی قبولیت میں شک وتردد ہوگا اور اگر تعلیق مذکورہ کتابوں کے علاوہ میں ہو تو جس طرح جمہور کے نزدیک وہ مردود ہے اسی طرح ابن صلاح کے نزدیک بھی مردود ہوگی۔ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۲ تحفۃ الفکر ۱۹۹)

(۲) مرسل

سقوط راوی کے اعتبار سے مردود کی دوسری قسم مرسل ہے، مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد کوئی راوی حذف ہوا ہو اور تابعی نے حدیث کی نسبت آپ ﷺ طرف کردی ہو، خواہ وہ تابعی بڑے رتبے کا ہو یا چھوٹے درجے کا ہو مثلاً کسی حدیث کی سند کا تابعی کہے آپ ﷺ نے یہ فرمایا یہ کام کیا اور آپ ﷺ موجودگی میں ایسا کیا گیا یا آپ ﷺ ایسے تھے یا آپ ﷺ نے یہ حکم دیا وغیرہ، یہ تعریف جمہور محدثین کے نزدیک ہے۔ (تابعی کبیر اسے کہا جاتا ہے جس کی بہت سے صحابہ سے ملاقات ہوئی ہو اور اس کی بیشتر روایتیں صحابہ ہی سے ہو اور صغیر تابعی وہ ہے

جس کی ایک یا دو صحابہ سے ملاقات ہوئی ہو اور اس کی زیادہ تر روایتیں کبار تابعین سے ہو۔)

مرسل کی مزید تعریفات

(۲) جمہور فقہا اور اہل اصول کے نزدیک مرسل وہ حدیث ہے جس میں ایک یا متعدد روات کسی بھی جگہ سے حذف ہوں۔

(۳) بعض لوگوں کے نزدیک وہ حدیث ہے جس میں بڑے رتبے کا تابعی یہ کہے قال رسول اللہ ﷺ کذا اور اگر صغیر تابعی اس طرح کہے تو وہ حدیث منقطع شمار کی جائے گی مرسل نہیں ہوگی۔

(۴) ابن القطان کے نزدیک مرسل حدیث وہ ہے جسے راوی اس شخص سے روایت کرے جس سے اس نے نہ سنا ہو۔

مرسل روایت مردود کیوں؟

مرسل روایت کو مردود کے اقسام میں اس لئے شمار کیا گیا کہ اس میں تابعی کے بعد جو راوی حذف ہوتا ہے اس کی جرح وتعدیل کے اعتبار سے حالت معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ جہاں یہ احتمال ہے کہ محذوف صحابی ہوگا وہیں یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ تابعی ہو اور اگر واقعۃً تابعی ہو تو ضروری نہیں ہے کہ وہ ثقہ ہی ہو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ضعیف ہو اور اگر وہ ثقہ ہی ہو تو پھر یہ احتمال ہے کہ اس نے کسی صحابی سے سنا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی دوسرے تابعی ہی سے سنا ہو اور اگر تابعی سے سنا ہو تو پھر اس کے ثقہ اور ضعیف ہونے کا احتمال سامنے آئے گا اور اس طرح سلسلہ چلتا رہے گا اگر امکان عقلی کے طور پر دیکھا جائے تو اتنا طویل سلسلہ چلے گا کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور اگر استقرا سے دیکھا جائے تو چھ یا سات تابعین تک سلسلہ چلے گا۔ ایک تابعی دوسرے تابعی سے روایت کرتا ہو اس کی زیادہ سے زیادہ تعداد یہی ہے جو استقرا سے حاصل ہوئی ہے۔

چنانچہ خطیب بغدادی نے ایک تابعی کی روایت نقل کی ہے جس سے لے کر حضرت ابوایوب

انصاری کی اہلیہ تک چھ واسطے میں جو سب کے سب تابعی ہیں البتہ حضرت ابوایوب انصاری کی اہلیہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ صحابیہ ہیں یا تابعیہ اگر صحابیہ ہیں تو ایک تابعی سے دوسرے تابعی کی روایت کا سلسلہ چھ تک رہے گا اور اگر وہ تابعیہ ہے تو سلسلہ سات تک رہے گا اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری ہیں جو کہ مشہور صحابی ہیں۔ مثال تزائدۃ عن منصور عن ھلال بن یساف عن ربیع بن خیثم عن عمرو بن میمون عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن امرأۃ ابی ایوب عن ابی ایوب قال قال رسول اللہ ﷺ ایعجز احد کم ان یقرأ فی لیلۃ ثلث القرآن من قرأ اللہ الواحد الصمد فقد قرأ ثلث القرآن (ترمذی فضائل القران باب ما جاء سورۃ الاخلاص ۲۸۹۶)

مرسل کا حکم

ارسال کرنے والے تابعی کی تین حالتیں ہیں

(۱) ایک یہ کہ اس کی عادت کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ صرف ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہے یا ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے کر لیتا ہے۔

(۲) دوسری حالت یہ ہے کہ اس کی عادت معلوم ہو کہ وہ صرف ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہے۔

(۳) تیسری حالت یہ ہے کہ اس کی یہ عادت معلوم ہو کہ وہ ثقہ اور غیر ثقہ ہر ایک سے ارسال کر لیتا ہے۔

پہلی حالت کا حکم یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اس کی مرسل غیر مقبول ہے اور احناف کے نزدیک مقبول ہے۔

دوسری حالت کے حکم میں اختلاف ہے

(۱) جمہور محدثین کے نزدیک اس میں توقف کیا جائے گا اور مردود کے عام معنی کے اعتبار سے توقف کرنا بھی رد ہی کرنا ہے گویا ان کے نزدیک اس صورت میں بھی مرسل مردود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ صرف ثقہ سے ارسال کرتا ہے لیکن یہ احتمال ضرور ہے کہ اس نے اپنی عادت کے خلاف غیر ثقہ سے ارسال کر لیا ہو خواہ دوسری سند سے اس کی تقویت ہو یا نہ ہو، امام احمد کا مشہور قول یہی ہے۔

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی مرسل روایت مقبول ہوگی اگر چار چیزوں میں سے کسی ایک سے اس کی تقویت ہو جائے ورنہ تو مردود ہوگی وہ چار چیزیں یہ ہیں (۱) ایک یہ کہ اس مرسل کے موافق کوئی متصل روایت آجائے اور سند کے روات دوسرے ہوں (۲) دوسری یہ کہ اس کے موافق کوئی مرسل روایت آجائے جس کے روات دوسرے ہوں (۳) تیسری یہ کہ اس کے موافق کسی صحابی کا قول ہو (۴) چوتھی یہ کہ اس کے موافق اکثر علما کا قول ہو، امام شافعیؒ نے یہ شرط اس لیے لگائی ہے تا کہ محذوف کے متعلق نفس الامر میں ثقہ ہونے کا غالب گمان ہو جائے اور یہ گمان مغلوب ہو جائے کہ محذوف، ارسال کرنے والے تابعی کے اعتقاد میں ثقہ ہے، نفس الامر میں ثقہ نہیں ہے۔

تیسری حالت کے متعلق احناف میں سے ابوبکر رازی اور مالکیہ میں سے ابوالولید باجی نے نقل کیا ہے کہ اس قسم کی مرسل بالاتفاق مردود ہے۔ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۱ تا ۱۲۴ تحفۃ الفکر ص ۲۰۳)

(۳) معضل

سقوط راوی کے اعتبار سے مردود کی تیسری قسم "معضل" ہے اس میں دو چیزیں ملحوظ ہوتی ہے ایک یہ کہ ایک سے زیادہ روات حذف ہو، دوسرے یہ کہ مسلسل اور لگاتار حذف ہو، یہ حافظ صاحب کا مسلک ہے (وہ حدیث مردود ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زیادہ روات مسلسل حذف ہو گئے ہوں خواہ ابتدا سے یا وسط سے یا انتہا سے۔)

معضل کی دوسری تعریف

وہ حدیث مردود ہے جس کی سند سے دو یا زیادہ روات حذف ہوں۔ حافظ ابن صلاح علامہ نووی اور علامہ طیبی کا بھی مسلک ہے ان کے یہاں صرف ایک چیز ملحوظ ہے ایک سے زیادہ روات کا حذف ہونا مسلسل حذف ہونے کی شرط نہیں ہے۔

(۴) منقطع

وہ حدیث مردود ہے جس کی سند سے ایک یا زیادہ روات حذف ہوں مگر مسلسل نہ ہو خواہ یہ حذف ابتداء سے ہو یا وسط سے یا انتہا سے۔ یہ مسلک حافظ ابن حجرؒ کا ہے۔

منقطع کی دیگر تعریفات

(۲) جمہور فقہا و محدثین کا مسلک یہ ہے کہ منقطع ہر وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو خواہ ایک راوی حذف ہو یا زیادہ اور خواہ ابتداء، وسط اور انتہا میں سے کسی بھی مقام پر ہو، نیز چاہے مسلسل حذف ہو یا غیر مسلسل، منقطع اسی معنی کے لحاظ سے مرسل، معلق اور معضل کی قسم نہیں ہوگی بلکہ ان کا مقسم ہوگی اور مقسم قسم سے عام ہوتا ہے، لہذا منقطع ان تمام سے عام ہوگی۔

(۳) وہ حدیث ہے جس میں کوئی راوی مبہم لفظ کے ذریعہ ذکر کیا گیا ہو، جیسے رجل، شیخ وغیرہ

(۴) وہ حدیث ہے جس میں تابعی یا اس کے بعد کے کسی شخص کا قول وعمل بیان کیا گیا ہو، یہ معنی عجیب ہے، اس لیے کہ اس کو تو مقطوع کہتے ہیں، پھر منقطع نام رکھنا کیوں تعجب خیز نہ ہوگا۔

حذف راوی کی تقسیم

حذف راوی یا سقوط راوی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) سقوط جلی (۲) سقوط خفی

(۱) سقوط جلی

سقوط جلی ایسا سقوط ہے جس کا علم ہر شخص کو ہو جائے خواہ وہ حدیث میں ماہر ہو یا نہ ہو، جیسے امام مالکؒ کسی صحابی سے روایت کرنے لگیں یا آپ ﷺ سے براہ راست روایت کریں۔

سقوط جلی کو جاننے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ اگر راوی مروی عنہ کا ہم عصر نہیں ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ درمیان سے کوئی راوی ساقط ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر راوی مروی عنہ کا ہم عصر تو ہے لیکن دونوں کی باہم ملاقات نہ ہونا ثابت ہو اور راوی کو شیخ سے اجازت اور وجادت بھی نہ ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ

کوئی درمیان سے ساقط ہوا ہے، مثلاً حضرت اویس قرنیؓ آپ ﷺ کے زمانے میں بحالت اسلام موجود تھے لیکن آپ ﷺ سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی، لہذا اویس قرنی کی آپ ﷺ سے روایت متصل نہیں مانی جائے گی، اور اگر راوی مروی عنہ کا معاصر ہو اور باہم ملاقات نہ ہونا ثابت ہو لیکن اس کو مروی عنہ سے اجازت یا وجادت ہو تو اس وقت معنوی ملاقات ثابت ہوگی جس کی وجہ سے وہ روایت غیر متصل نہیں مانی جائے گی۔ معلق، مرسل، معضل اور منقطع سقوط جلی ہی کے اعتبار سے مردود کے اقسام ہیں۔

(۲) سقوط خفی

سقوط خفی ایسا سقوط ہے جسے ہر شخص نہیں جان سکتا ہے بلکہ صرف وہی شخص جان سکتا ہے جو حدیث کی مختلف سندوں اور سندوں کی خرابیوں سے واقف اور فن حدیث میں ماہر ہو جیسے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور ان جیسے دیگر محدثین۔

سقوط راوی کو جاننے کے لیے فن تاریخ کی ضرورت پیش آتی ہے چوں کہ فن تاریخ میں عام لوگوں کی عموماً اور راویان حدیث کی خصوصاً ولادت و وفات نیز طلب علم اور سماع حدیث کے لیے سفر کے اوقات کو بیان کیا جاتا ہے اور فن حدیث میں سند سے سقوط راوی کا علم تاریخ وغیرہ ہی کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے علم حدیث میں فن تاریخ کی ضرورت پڑتی ہے، چناں چہ بہت سے لوگوں نے بعض مشائخ سے روایت کا دعوی کیا اور جب ان سے ان کی تاریخ ولادت و وفات پوچھی گئی تو بغلیں جھانکنے لگے اور ان کی کذب بیانی آشکارا ہو گئی۔

سقوط خفی کے اعتبار سے مردود کے اقسام

سقوط خفی کے اعتبار سے حدیث مردود کی دو قسمیں ہیں (۱) مدلس (۲) مرسل خفی

تدلیس

مدلس تدلیس سے مشتق ہے اس لیے پہلے تدلیس کی وضاحت کی جاتی ہے تدلیس (دلس دال

اورلام کے فتحہ کے ساتھ) سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی تاریکی کو روشنی کے ساتھ ملانا ہے جیسا کہ رات کی ابتدا میں ہوتا ہے۔اصطلاح میں تدلیس یہ ہے کہ راوی اپنے استاذ کو حذف کر کے (جس سے اس نے حدیث سنی ہے) حدیث کی نسبت استاذ الاستاذ کی طرف کردے جس سے معاصرت اور لقا تو ہو مگر مطلق سماع نہ ہو یا سماع بھی ہو مگر اس حدیث کا سماع نہ ہو اور لفظ ایسا استعمال کرے جس میں سماع کا بھی احتمال ہو جیسے عن فلان، قال فلان وغیرہ مثلاً سفیان بن عیینہ نے ایک مرتبہ شاگردوں کے سامنے حدیث بیان کرنا شروع کیا تو اس طرح کہا عن الزھری (امام زہری سے مروی ہے) تو شاگردوں نے کہا حدثک الزھری؟ (کیا زہری نے آپ سے بیان کیا ہے؟) اس پر سفیان بن عیینہ نے لفظ بدل کر یوں کہا قال الزھری (زہری نے کہا) پھر شاگردوں نے کہا سمعتہ من الزھری؟ (کیا آپ نے زہری سے اس کو سنا ہے؟) سفیان بن عیینہ نے جواب دیا لم اسمعه من الزھری ولا ممن سمعه من الزھری حدثنی عبدالرزاق عن معمر عن الزھری یعنی میں نے نہ زہری سے سنا ہے اور نہ زہری سے سننے والے سے سنا ہے بلکہ مجھ سے عبدالرزاق نے بیان کیا اور ان سے معمر نے اور ان سے امام زہری نے۔

تدلیس کے اقسام

تدلیس کی مشہور اقسام تین ہیں (۱) تدلیس الاسناد (۲) تدلیس الشیوخ (۳) تدلیس التسویہ

(۱) تدلیس اسناد

تدلیس اسناد یہ ہے کہ راوی اپنے استاذ کو حذف کر کے (جس سے اس نے حدیث سنی ہے) حدیث کی نسبت استاذ الاستاذ کی طرف کردے جس سے معاصرت اور لقا تو ہو مگر مطلق سماع نہ ہو یا سماع بھی ہو مگر اس خاص حدیث کا سماع نہ ہو اور لفظ ایسا استعمال کرے جس میں سماع کا بھی احتمال ہو جیسے عن فلان، قال فلان وغیرہ

(۲) تدلیس الشیوخ

تدلیس الشیوخ یہ ہے کہ راوی اپنے استاذ کو غیر معروف لفظ کے ذریعہ ذکر کرے مثلاً گر استاذ کنیت سے مشہور ہو تو اس کا نام (علم) ذکر کرے اور اگر علم سے مشہور ہو تو کنیت ذکر کر دے۔اسی طرح اگر لقب کے ذریعہ مشہور ہو تو کنیت یا علم ذکر کرے اور اگر کنیت یا علم سے مشہور ہو تو لقب ذکر کر دے جیسے ابن مجاہد مقری نے کہا حدثنا عبداللہ بن ابی عبداللہ عبداللہ سے مراد امام ابوداؤد کے لڑکے عبداللہ ہیں اور ابوعبداللہ سے مراد امام ابوداؤد ہیں۔ابن مجاہد کی عبارت سے اس حقیقت کی طرف بڑی مشکل سے ذہن منتقل ہو سکتا ہے۔

تدلیس تسویہ

تدلیس تسویہ یہ ہے کہ راوی اثنائے سند سے کسی ضعیف راوی کو حذف کر کے اس سے اوپر والے کی طرف ایسے لفظ سے نسبت کر دے جس سے سماع کا وہم ہو جیسے بقیۃ الولید اور ولید بن مسلم کی تدلیس۔

تدلیس کی دو اور قسمیں ہیں (۱) تدلیس عطف (۲) تدلیس قطع

(۱) تدلیس عطف

تدلیس عطف یہ ہے کہ راوی دو افراد سے روایت کرے (جب کہ اس نے یہ روایت صرف ایک استاذ سے سنی ہو دوسرے سے نہ سنی ہو) پھر پہلے استاذ کے لیے صیغہ سماع استعمال کر کے دوسرے آدمی کو اس کے ساتھ بیان کر دے جس کی وجہ سے دوسرے آدمی سے بھی سماع کا وہم ہو۔

(۲) تدلیس قطع

تدلیس قطع یہ ہے کہ راوی صیغہ ادا استعمال کر کے خاموش ہو جائے (جس کا مقصد سند کو حذف کرنا ہو) پھر کچھ وقفہ کے بعد آگے کی سند بیان کرے۔ (تدریب الراوی / ۱۸۷، ۱۸۸)

تدلیس کا حکم

تدلیس کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان میں تدلیس تسویہ سب سے بدتر ہے، علما نے اس کی بڑی مذمت بیان کی ہے۔

تدلیس تسویہ اور تدلیس قطع کی صورت میں روایت ضعیف ہوتی ہے، اس لیے کہ پہلی صورت میں ضعیف راوی محذوف ہوتا ہے اور دوسری صورت میں انقطاع پایا جاتا ہے اور مدلس نے اس شر کو چھپانے کے لیے ایسا کلمۂ ادا استعمال کیا ہے جو سماع کا وہم دلاتا ہے، اگرچہ راوی نے عدم سماع ہی مراد لیا ہے پھر بھی سننے والوں کو دھوکہ ہوسکتا ہے۔

تدلیس عطف کی صورت میں روایت صحیح ہوسکتی ہے، گو وہ سلسلۂ اسناد جس پر عطف کیا ہے وہ صحیح ہے، اس لیے کہ اس میں انقطاع نہیں پایا گیا ہے۔

تدلیس شیوخ کبھی راوی کی صغر سنی یا کم علمی یا ضعف کے باعث کیا جاتا ہے کبھی طلبا کا امتحان لینے کے لیے کیا جاتا ہے، لہذا اس پر حکم اسی اعتبار سے لگایا جاتا ہے اگر عیب کو چھپانے کے لیے ہے تو ضعیف ہوگی ورنہ مقبول ہوگی۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۱، ۴۲)

تدلیس اسناد کا عام حکم یہ ہے کہ بکثرت تدلیس کرنے والا مدلس راوی یا ضعفا و مجاہیل سے تدلیس کرنے والا مدلس اگر محتمل صیغہ "عنعنہ" یا "قال" استعمال کرتا ہے تو روایت مرسل ہوگی اور اگر صریح صیغہ (حدثنا، سمعت، اخبرنا وغیرہ) تو روایت صحیح ہوگی۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۴)

مدلس کا حکم

جس شخص کے بارے میں تدلیس کا پتہ چل جائے اس کی روایتوں کو قبول کیا جائے گا یا نہیں اس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) اگر وہ شخص عادل ہے تو اس کی وہ روایتیں مقبول ہوگی جس میں اس نے سماع کی صراحت کردی ہو اور جس میں سماع کی صراحت نہ کی ہو وہ مردود ہوگی اور اگر وہ شخص غیر عادل ہے تو اس کی کوئی بھی روایت مقبول نہ ہوگی، الا یہ کہ کسی دوسرے سے اس کی تائید ہوجائے۔ یہ قول اصح ہے۔

(۲) مدلس کی تمام روایات مردود ہوگی اگرچہ سماع کی صراحت کرے۔

(۳) تمام روایات مقبول ہوگی اگرچہ سماع کی صراحت نہ کرے۔

(۴) تمام روایات مردود ہوگی خواہ تدلیس کم کرتا ہو یا زیادہ اور خواہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتا ہو یا ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے تدلیس کرتا ہو۔

(۵) اگر کم تدلیس کرتا ہو تو اس کی روایتیں مقبول ہوں گی اور اگر تدلیس زیادہ کرتا ہو تو اس کی روایات مردود ہوگی۔

(۶) اگر صرف ثقہ سے تدلیس کرتا ہو جیسے سفیان بن عیینہ وغیرہ ہیں تو اس کی روایتیں مقبول ہوں گی اور اگر دونوں سے روایت کرتا ہو تو اس کی روایات مردود ہوں گی۔ (تحفۃ الفکر ص ۲۱۴ بحوالہ بہجۃ الدرر، کشف المغیث ص ۸۳)

مدلس راویوں کے درجات

مدلس راویوں کے طبقات اور درجات ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی ان کی روایت پر حکم لگانے میں فرق ہوتا ہے، مدلسین کے کل پانچ طبقات ہیں۔

(۱) جس نے شاذ و نادر تدلیس کی ہو جیسے یحییٰ بن سعید انصاری ایسے راویوں کی تعداد ۳۱ ہیں۔

(۲) وہ عظیم المرتبت محدثین جن کی تدلیس کی تعداد نسبتاً کم ہے جیسے امام سفیان ثوریؒ یا وہ محدثین جنھوں نے صرف ثقہ سے تدلیس کیا ہے جیسے سفیان بن عیینہ ان کی بھی تعداد ۳۱ ہیں۔

(۳) جس نے بکثرت تدلیس کی ہے جیسے ابوالزبیر محمد بن مسلم وغیرہ ایسے مدلسین کی تعداد ۵۰ ہیں۔

(۴) جس نے ضعفا مجاہیل سے تدلیس کی ہے جیسے بقیۃ بن الولید وغیرہ ان کی تعداد صرف ۱۲ ہیں۔

(۵) جو تدلیس کے علاوہ دیگر اسباب سے ضعیف ہو جیسے عبداللہ بن لہیعہ ان کی تعداد ۲۴ ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۲)

پہلے اور دوسرے قسم کے لوگوں کی تدلیس قابل قبول ہوتی ہے۔

تیسرے اور چوتھے قسم کے لوگوں کی روایتیں سماع کی تصریح کی ہو تو قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں، تیسری قسم والوں کی روایات کو کچھ لوگوں نے مطلق قابل قبول مانا ہے۔

پانچویں قسم کے لوگوں کی روایت تصریح سماع کے باوجود بھی قابل قبول نہیں الا یہ کہ راوی کا ضعف خفیف ہو اور ائمہ نے اس کی توثیق کی ہو جیسے ابن لہیعہ (طبقات المدلسین ص ۹)

تدلیس کی معرفت

تدلیس کی معرفت خود اس راوی کے بتانے سے حاصل ہوتی ہے یا کسی امام کی وضاحت سے جس نے یہ بتادیا ہو کہ دونوں میں ملاقات نہیں ہوئی ہے یا ملاقات ہوئی ہے تو اس روایت کا سماع نہیں حاصل ہوا ہے جس میں تدلیس سے کام لیا۔

مقام تدلیس

امام حاکم فرماتے ہیں کہ حرمین، حجاز، مصر، عوالی، خراسان، اصبہان، بلاد فارس، خوزستان، ماوراء النہر کے ائمہ میں سے کسی سے تدلیس کرنا سنا نہیں گیا ہے، زیادہ تر تدلیس کوفہ کے ائمہ سے صادر ہوئی ہے اور کچھ بصرہ کے لوگوں سے ابوبکر باغندی تک بغداد والوں میں بھی کسی سے تدلیس ثابت نہیں ہے، بغداد میں سب سے پہلے تدلیس ابوبکر باغندی نے کی۔ (تدریب الراوی ۱/ ۱۹۳)

مرسل خفی

سقوط خفی کے اعتبار سے مردود کی دوسری قسم مرسل خفی ہے۔ مرسل خفی وہ حدیث ہے جس میں سقوط خفی اس طور پر ہو کہ راوی اپنے استاذ جس سے اس نے حدیث سنی ہے اسے حذف کرکے ایسے شخص کی طرف حدیث کی نسبت کردے جو اس کا معاصر تو ہو مگر اس سے ملاقات معروف نہ ہو، حافظ ابن حجر، حافظ سخاوی، علامہ قاسم قطلو بغا اور بہت سے محدثین نے اسی تعریف کو پسند کیا ہے۔

دوسری تعریف

مرسل خفی وہ حدیث مردود ہے جس میں راوی اپنے اس استاذ کو جس سے حدیث سنی ہے اسے حذف کرکے ایسے شخص کی طرف حدیث کو منسوب کردے جو اس کا معاصر تو ہو مگر اس سے ملاقات نہ ہوئی

ہو یا ملاقات تو ہوئی ہو مگر اس سے کوئی حدیث نہ سنی ہو یا حدیث تو سنی ہو مگر خاص یہ حدیث نہ سنی ہو، حافظ ابن صلاح، علامہ نووی، علامہ طیبی اور علامہ عراقی نے بھی تعریف اختیار کی ہے اور ان حضرات نے بعینہ یہی تعریف تدلیس کے لیے بھی اختیار کی ہے۔

تدلیس اور ارسال میں فرق

اصطلاحی اعتبار سے ارسال اور تدلیس میں فرق ضرور ہے، اس لیے کہ ارسال ایسے راوی سے ہوتی ہے، جس سے ملاقات نہیں ہوتی ہے اور تدلیس ایسے راوی سے ہوتی ہے، جس سے ملاقات ہو چکی ہوتی ہے لیکن باعتبار حکم دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے کہ دونوں صورتوں میں راوی درمیان سے دوسرے کو ساقط کر دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مدلس اور مرسل خفی میں بہت دقیق فرق ہے، تدلیس جس سے لقا ثابت ہے اس کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور اگر ملاقات نہ ہو تو وہ مرسل خفی ہے، جن لوگوں نے تدلیس کی تعریف میں بغیر ملاقات کے معاصرت کا ذکر کیا ہے تو اس سے مرسل خفی کی تعریف اس میں شامل ہو جاتی ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ۱۲۶)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ تدلیس تو ارسال کو شامل ہے لیکن ارسال تدلیس کو شامل نہیں کیوں کہ جس سے ملاقات ہی نہیں ہوتی اس سے سماع کا وہم ممکن نہیں، اسی وجہ سے علما نے تدلیس کی مذمت کی ہے (اس لیے کہ وہ مخفی ہوتی ہے) اور ارسال کی مذمت نہیں کی ہے کیوں کہ ارسال میں سقوط واضح ہوتا ہے۔ (فتح المغیث ۱/ ۳۱۴، ۳۱۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حافظ ابن حجر اور ان کے متبعین کے نزدیک تدلیس اور مرسل خفی کے درمیان تباین کلی کی نسبت ہے جیسا کہ مدلس کی اور مرسل کی پچھلی تعریف سے واضح ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ارسال خاص ہے اس صورت کے ساتھ جس میں راوی مروی عنہ کا معاصر ہو مگر دونوں کی باہم ملاقات معروف نہ ہو اور تدلیس خاص ہے اس صورت کے ساتھ جس میں راوی کی مروی عنہ سے ملاقات بھی ثابت ہو۔

حافظ ابن صلاح اور ان کے متبعین کے نزدیک تساوی کی نسبت ہے جیسا کہ ان کے نزدیک دونوں کی تعریف سے واضح ہوتا ہے۔

سقوط خفی کو جاننے کے طریقے

سقوط خفی کا علم دو طریقوں سے ہوسکتا ہے۔

(۱) راوی خود وضاحت کردے کہ میری مروی عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے جیسے عیسی بن ابواسحاق سبیعی نے حضرت عمر بن عبداللہ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے کچھ سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے یعنی میری ان سے ملاقات اور سماع نہیں ہے۔ اسی طرح عمرو بن مرہ نے ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے والد سے کچھ سنا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ نہیں۔

(۲) کوئی واقف کار امام یقین کے ساتھ کہہ دے کہ فلاں کی اس سے ملاقات نہیں ہوئی ہے اس کی مثال یہ حدیث ہے عن عمر بن عبدالعزیز عن عقبة بن عامر ﷺ مرفوعا رحم اللہ حارس الحرس (رواہ ابن ماجہ فی باب فضل الحرس من کتاب الجہاد)

حافظ مزی فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کی حضرت عقبہ بن عامرؓ سے ملاقات نہیں ہے۔

دوسری مثال : عن عوام بن حوشب عن عبداللہ بن ابی اوفی ﷺ قال کان النبی ﷺ اذا قال بلال قد قامت الصلاۃ نهض وكبر

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ عوام کی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے ملاقات نہیں ہے۔

مرسل خفی سے متعلق خطیب بغدادی کی ایک کتاب التفصیل لمبهم المراسیل ہے۔

دو اہم سوال اور ان کے جواب

سوال یہ ہے کہ اگر کسی سند میں راوی مروی عنہ سے بصیغۂ عن یا قال روایت کر رہا ہو اور دوسری سند میں اسی راوی اور مروی عنہ کے درمیان ایک یا زیادہ روات کی زیادتی ہو تو کیا اس زیادتی کی وجہ سے یہ

کہا جائے گا کہ اس راوی اور مروی عنہ کی باہم ملاقات نہیں ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ دونوں کے درمیان کسی سند میں راوی کی زیادتی عدم لقا کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ وہ سند مزید فی متصل الاسانید کی قبیل سے ہو۔ مزید فی متصل الاسانید کی تعریف یہ ہے کہ کوئی راوی وہم کی وجہ سے ایک یا چند رواۃ کا اضافہ کردے اور جس نے زیادتی نہیں کی ہے وہ زیادہ صاحب ضبط واتقان ہو۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر دو معاصر کے درمیان روایت واقع ہو اور اس روایت کی کسی سند میں کسی راوی کی زیادتی ہو تو وہاں پر کیا حکم لگائیں گے؟ زیادتی والی روایت کو درست کہیں گے یا دوسری روایت کو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیادتی والی روایت درست ہے اور بغیر زیادتی والی روایت منقطع ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیر زیادتی والی روایت درست ہے اور زیادتی والی روایت مزید فی متصل الاسانید کی قبیل سے ہے، ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر جس طرح انقطاع کا احتمال ہے اسی طرح اتصال کا بھی احتمال ہے۔

سقوط راوی کے اعتبار سے حدیث مردود کے اقسام اور ان کے احکام کی وضاحت یہاں مکمل ہوئی۔ جمیع اقسام چھ ہیں۔ (۱) معلق (۲) مرسل (۳) معضل (۴) منقطع (۵) مدلس (۶) مرسل خفی

کچھ اور اسباب جرح

راوی کے عادل وضابط ہونے کے باوجود بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے روایت قابل قبول نہیں ہوتی ہے جس کی بنیاد کسی نہ کسی طرح غفلت برتنا، ایسے کچھ اسباب کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ضعفا سے روایت کرنا۔

محدثین کے یہاں یہ ضابطہ ہے کہ اگر کوئی راوی ضعفا ومجہولین سے بکثرت روایت کرتا ہے تو

وہ مشکوک ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس نے

(۱) اپنے مشائخ کے انتخابات میں کوئی توجہ نہیں دی جو غفلت کی دلیل ہے۔

(۲) مجہولین کی حالت پر اطلاع پانے میں ناکام رہا۔

(۳) ایسے لوگوں سے روایت کی جو کسی کو تقویت نہیں دے سکتے، اس طرح اس نے ایک غیر مفید کام کیا۔(ضوابط الجرح والتعدیل)

چناں چہ امام ابوزرعہ، احمد بن صالح مکی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صدوق لکنہ یحدث عن الضعفاء والمجہولین

امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن محاربی مجہولین سے منکر روایت بیان کرتے ہیں، لہذا ان کی روایت فاسد ہو جاتی ہے لیکن جب ثقات سے روایت کرتے ہیں تو صدوق ہوتے ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۲/۲۸۲)

محمد عمر واقدی کو بہت سے نقاد نے اسی بنا پر متہم قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے عبداللہ بن عبدالقدوس سعدی کے بارے میں فرمایا کہ صدوق ہے لیکن ضعفا سے روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۲/۳۷۷)

اسی طرح عبدالحمید بن بہرام فزاری کو شہر بن حوشب سے بکثرت روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۲/۴۷۳)

بڑے بڑے محدثین نے ضعفا و مجہولین سے جو احادیث کو روایت کیا ہے وہ ایسے ضعفا اور مجہولین کی معرفت کرانے اور ان کی احادیث سے تحذیر کے لیے کیا ہے، اسی لیے ان کی کتابوں کو کتب جرح وتعدیل میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) صحیفہ سے روایت کرنا

کبھی کبھی راوی کی اس وجہ سے تضعیف کی جاتی ہے کہ وہ حدیث کو کسی استاذ سے پڑھے بغیر

پڑھتا اور پڑھاتا ہے، جس کی وجہ سے اس سے تصحیف وتحریف بکثرت ہوتی ہے ایسے لوگوں کو محدثین ”صحفی“ کہتے ہیں اوران سے روایت کرنا پسند نہیں کرتے ہیں۔

امام مسلم نے زہیر بن حرب کے واسطے سے ایک روایت ذکر کی ہے۔ زہیر بن حرب اسحاق بن عیسٰی سے نقل کرتے ہیں اور اسحاق بن عیسٰی ابن لہیعہ سے روایت کرتے ہیں ابن لہیعہ فرماتے ہیں کہ موسی بن عقبہ نے میرے پاس لکھ کر بھیجا کہ بسر بن سعید نے ہم سے زید بن ثابت کے واسطے سے یہ روایت ذکر کی کہ ان رسول اللہ ﷺ احتجم فی المسجد یعنی آپ ﷺ نے مسجد میں سینگی کھنچوائی۔

ابن لہیعہ سے جب دریافت کیا گیا کہ گھر کے اندر کی مسجد مراد ہے؟ تو انھوں نے کہا نہیں بلکہ مسجد نبوی مراد ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ یہ روایت سنداً ومتناً دونوں اعتبار سے ضعیف وفاسد ہے، اس لیے کہ ابن لہیعہ نے متن میں تصحیف کی ہے اور سند میں غفلت سے کام لیا ہے، اصل روایت اس طرح ہے احتجر فی المسجد بخوصة او حصیر یصلی فیہا مسجد میں چٹائی سے حجرہ کے مانند بنالیا تھا اور اس میں نماز (قیام اللیل) پڑھا کرتے تھے۔

آگے امام مسلم فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ سے غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ انھوں نے موسی بن عقبہ کی کتاب سے حدیث روایت کی ہے وھی الآفة التی تخشی علی من اخذ الحدیث من الکتب من غیر سماع من المحدث او عرض علیہ اس معصیت کا خوف ہر اسی شخص پر ہوتا ہے جو حدیث کو کتابوں سے پڑھ لیتا ہے، نہ کسی محدث سے سنتا ہے اور نہ کسی محدث کو سناتا ہے۔ (کتاب التمییز)

ایسے ہی عبدالحمید بن بہرام کو صحیفہ سے روایت کرنے کی وجہ سے (وہ صحیفہ شہر بن حوشب کے پاس تھا) ضعیف کہا گیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج / ۳۷۴)

(۳) کفر

(۴) عدم بلوغت

(۵) جنون

(۶) فاقد مروت

اسباب عدالت میں جن چیزوں کا ہونا ضروری اور شرط ہے مثلاً اسلام، بلوغت برائے ادائے حدیث، عقل، خوارم مروت سے محفوظ رہنا، ان امور کا فقدان اسباب ضعف میں شامل ہے۔ مثلاً کافر ہونا (جو کذب سے بھی بڑھ کر ہے) نابالغ ہونا، مجنون ہونا، خوارم مروت سے محفوظ نہ ہونا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محدثین نے لفظ فسق کو کفر میں شامل کرلیا ہے اس لیے کہ ادنیٰ کا وجود اگر کسی چیز کے لیے مانع ہے تو اعلیٰ کا وجود بدرجہ اولیٰ مانع ہوگا اور کفر فسق سے اعلیٰ ہے، اسی طرح خوارم مروت کو بھی اس میں شامل کرلیا ہے، اس لیے کہ جو شخص گناہ صغیرہ پر اصرار نہیں کرتا اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتا تو اس کے اندر مروت کا وجود ضرور ہے، جو اس کو تقویٰ اور پرہیزگاری پر ابھارتا ہے، البتہ مجنون اور نابالغ دونوں غیر مکلف ہوتے ہیں اور چوں کہ غیر مکلف کا اعتبار نہ ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

اسباب جرح ورد (راوی کا مجروح ہونا اور راوی کا حذف ہونا) کا بیان مکمل ہوا اب تعدیل کے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

تعدیل

تعدیل کے لغوی معنی

" تعدیل " عدل سے ماخوذ ہے جو عام طور سے انصاف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عدل یہ ظلم کی ضد ہے، اسی طرح سے ہر وہ چیز جس کی درستگی پر دل کو اطمینان ہو اس کو عدل کہتے ہیں۔ تعدیل کے معنی کسی کو درست کرنا " تعدیل الشہود " کا مطلب گواہوں کو عادل قرار دینا۔

اصطلاحی تعریف

راوی پر یہ حکم لگانا کہ راوی عادل اور ضابط ہے

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ راوی کے مقبول ہونے میں دو بنیادی چیزیں ضروری ہے ۱ عدالت (۲) ضبط جیسا کہ ابن صلاح نے لکھا ہے شترط فیمن یحتج بروایتہ ان یکون عدلا ضابطا لمایرویہ

عدالت

عدالت ایک فطری ملکہ ہے، جو انسان کو تقویٰ اور مروت کے لزوم پر ابھارتا ہے۔

کسی عمل کو کرنے کے لیے نفس انسانی میں جو قوت پیدا ہوتی ہے اگر وہ ابتدائی درجے کی ہو تو حال ہے اور اگر انتہا کو پہنچ کر مضبوط ہو جائے تو وہ ملکہ کہلاتا ہے مثلاً کسی شخص نے لکھنا شروع کیا چند دنوں میں اسے کچھ لکھنا آ گیا یعنی اس میں ایسی قوت پیدا ہو گئی کہ جس کی مدد سے وہ شخص لکھ سکتا ہے اسی قوت کو حال کہتے ہیں اور جب لکھتے لکھتے وہ قوت راسخ اور مضبوط ہو جائے تو وہ لکھنے کا ملکہ کہلاتا ہے۔

تقوی

تقوی ان تمام اعمال سے بچنے کو کہا جاتا ہے جو شرعاً مذموم ہو جیسے شرک، فسق، بدعت وغیرہ

مروت

مروت ان تمام اعمال سے پرہیز کرنے کو کہا جاتا ہے جو عرفاً مذموم ہوں جیسے ایک دو لقمہ کی چوری، راستہ چلتے ہوئے کھانا، راستے میں بول و براز کرنا، سرعام قہقہہ لگانا اور کبوتر بازی وغیرہ

علامہ جرجانی فرماتے ہیں کہ مروت ایک عرفی چیز ہے شرعی نہیں ہے اور عرفی اصطلاحات عام طور سے کسی قاعدہ کے تحت نہیں آتی بلکہ یہ مختلف اشخاص و بلدان کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں۔ (فتح المغیث/۲۴۶)

ضبط سے متعلق کلام آئندہ ہوگا

عادل کون؟

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر انسان پر اطاعت غالب ہے تو وہ عادل ہے اور اگر معصیت

غالب ہو تو وہ مجروح شمار کیا جائے گا۔ (الکفایہ فی علم الروایۃ ص ۷۶)

امام ابراہیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں عادل وہ ہے جس پر کسی قسم کا کوئی شبہ نہ ہو۔ (الکفایہ ص ۷۵)

اہل عراق کہتے ہیں کہ اسلام کا اظہار کرنا اور فسق ظاہر سے محفوظ رہنے کا نام عدالت ہے۔ (الکفایہ ص ۷۸)

علامہ ابن عبدالبر نے عادل کی بڑی وسیع تعریف کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ عالم جو علم کی طرف توجہ دینے میں معروف ہے وہ عادل ہے الا یہ کہ اس کا مجروح ہونا واضح ہو جائے۔ (فتح المغیث ۲۵۱/۲)

علامہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ عادل وہ شخص ہے، جس کے بارے میں جرح کا پتہ نہ ہو اس لیے کہ جرح تعدیل کے مخالف ہے، لہذا جو مجروح نہیں وہ عادل شمار کیا جائے گا، الا یہ کہ اس کا مجروح ہونا ظاہر ہو جائے۔ (کتاب الثقات ۱۲/۱)

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ جو نماز میں حاضر رہے، شراب نہ پیے، دین میں خرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو اور عقل صحیح ہو تو وہ عادل ہے۔ (الکفایہ ص ۷۵)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ العدل فی کل زمان ومکان وکل قوم بحسبہ عدالت ہر زمانہ ہر جگہ اور ہر قوم میں ان کے مناسب حال ہوتی ہے۔ (جرح وتعدیل ص ۱۹۲،۱۹۱ بحوالہ توجیہ النظر ص ۲۹)

البتہ عدالت کے لیے کچھ ایسی شرطیں ہیں جن پر تقریباً سب کا اتفاق ہے اور سارے لوگوں کی تعریف کا محور بھی وہی شرطیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اسلام

یعنی راوی حدیث کا مسلمان ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ کافر کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یاایہا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے

کرآئے تو تم اس کی تحقیق کرلو۔

جب فاسق کی خبر کے لیے یہ حکم ہے تو کافر کی روایت بدرجہ اولیٰ غیر مقبول ہوگی۔ کافر کی روایت قبول نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے، اگرچہ وہ اپنے اہل مذہب کے درمیان غیر متہم اور نیک تصور کیا جاتا ہو، علامہ حازمی فرماتے ہیں کہ اہل شرک کی روایت مردود ہوتی ہے جس پر کتاب وسنت واجماع سے دلیل موجود ہے۔ (شروط الائمۃ الخمسۃ)

اسلام کی شرط صرف روایت کی ادا کے لیے ہے اور تحمل کے لیے اسلام شرط نہیں ہے، اس لیے کہ اگر کوئی شخص روایت حالت کفر میں سنتا ہے اور حالت ایمان میں ادا کرتا ہے (یعنی دوسرے تک پہنچاتا ہے) تو وہ مقبول ہے، بہت سے صحابہ نے اس طرح کی روایتیں جن کو انھوں نے حالت کفر میں سنا تھا اور ایمان قبول کرنے کے بعد بیان کیا ان احادیث کو محدثین نے قبول کیا ہے جیسے جبیر بن مطعم کی روایت سمعت النبی ﷺ قرأ فی المغرب بالطور اور بعض روایتوں میں اس طرح الفاظ ہے وذلک اول ما وقر الایمان فی قلبی (بخاری شریف ابواب صفۃ الصلوۃ باب الجھر فی المغرب رقم ۷۳۱)

یہ حدیث حضرت جبیر نے حالت کفر میں سنی اور اسلام لانے کے بعد لوگوں کے سامنے بیان کی۔ محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، معلوم ہوا کہ اسلام کی شرط صرف ادا کے لیے ہے، تحمل حدیث کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۲) بلوغت

راوی کی عدالت کے لیے محدثین نے بالغ ہونا شرط قرار دیا ہے جس پر سب کا اجماع ہے، اس لیے کہ نابالغ بچہ غیر مکلف ہوتا ہے اور ناسمجھی کی بنا پر کچھ بھی کرسکتا ہے حتیٰ کہ جھوٹ بولنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی بچہ ایسا ہے جو تمیز ہو اور خیر وشر کے درمیان فرق کرتا ہو تو بلوغت سے قبل سنی ہوئی روایت بلوغت کے بعد روایت کرنے پر قابل قبول ہوگی جیسا کہ صغار صحابہ مثلاً ابن عباس، حضرت حسین اور حضرت حسن کی روایات کو امت نے قبول کیا ہے۔

مثلاً محمود بن ربیع کی روایت انه عقل مجة مجها النبی ﷺ من دلو فی بیته۔ صحیح بخاری میں موجود ہے، یہ بلوغت سے پہلے کی روایت ہے جسے انھوں نے بلوغت کے بعد بیان کیا۔

(۳) عقل

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ ہر خیر و شر کا دارومدار عقل پر ہوتا ہے، اگر آدمی کی عقل صحیح نہ ہو تو اس کی کوئی چیز درست نہیں ہوتی اسی لیے مجنون کے کسی قول کا اعتبار نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے روایت کے تحمل و ادا دونوں کے لیے عاقل ہونا شرط ہے۔

(۴،۵) اسباب فسق اور خوارم مروت سے محفوظ رہنا

فسق کا مطلب تو یہ ہے کہ آدمی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا صغیرہ گناہ پر مصر ہو اور مروت کمال انسانیت کو کہا جاتا ہے اس کی اجمالی تعریف یہ ہے کہ آدمی ہر اس چیز سے پرہیز کرے جو عرف عام میں مذموم سمجھی جاتی ہو۔

راوی کے عادل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ فسق کے اسباب سے محفوظ رہے اور مروت کو ختم کر دینے والے امور سے بھی اجتناب کرے۔

مذکورہ بالا باتوں سے معلوم ہوا کہ عادل ہر وہ شخص شمار ہوگا جو مسلمان، عاقل، بالغ ہو اور اسباب فسق اور مروت کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے محفوظ ہو۔ (مقدمہ ابن صلاح)

راوی کی عدالت کے ثبوت کا طریقہ

راوی کی عدالت دو طرح سے ثابت ہوتی ہے۔ (۱) شہرت (۲) تعدیل ائمہ

(۱) شہرت کا مطلب یہ ہے کہ راوی فی نفسہ تقوی و پرہیزگاری، صداقت و امانت، علم و فہم میں معروف و مشہور ہو اور لوگوں کی زبان پر اس کی تعریف ہو جیسے بڑے بڑے ائمہ فن امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام بخاری وغیرہ۔ ثبوت عدالت کا یہ طریقہ سب سے قوی ہے، اس لیے کہ اس طریقہ

سے راوی کے سلسلے میں بالکل اطمینان ہوجاتا ہے، جو ایک یا دو آدمیوں کی تعدیل کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتا ہے۔(فتح المغیث ۲/ ۲۵۰)

(۲) تعدیل ائمہ کے سلسلہ میں بعض اہل علم نے تین اور بعض نے دو اماموں کی قید لگائی ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ ایک امام کی تعدیل سے بھی عدالت ثابت ہوجائے گی اور جب ایک امام کی تعدیل سے عدالت ثابت ہوجائے گی تو دو یا تین یا اس سے زائد ائمہ کی تعدیل سے بدرجہ اولیٰ عدالت ثابت ہوجائے گی۔

تعدیل مبہم

اگر کسی شخص نے راوی کی تعدیل کی ہے لیکن اس کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ اس طرح کہ کہا حدثنی ثقة اور تعیین نہ ہوسکے کہ اس ثقہ سے کون مراد ہے تو کیا ایسے راوی کو عادل وثقہ تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ایسے راوی کو عادل تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

(۲) ایسے راوی کو عادل تسلیم کیا جائے گا۔

(۳) ایسے راوی کو عادل اس وقت مانا جائے گا جب کہ کسی عالم مجتہد کی طرف سے توثیق صادر ہوئی ہو۔

(۴) ایسے راوی کو عادل سمجھا جائے گا جبکہ کسی ایسے آدمی کی طرف سے یہ تعدیل مبہم صادر ہوئی ہو جس کے جانب سے تصریح موجود ہو کہ میں جس شخص سے اس لفظ سے روایت کرتا ہوں وہ ثقہ ہی ہوتا ہے۔ (جرح وتعدیل ص ۱۷۰)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ قائل کے نزدیک تو ثقہ ہوسکتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کے نزدیک ثقہ نہ ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بات ممکن ہے کہ اگر وہ نام ذکر کرتا تو عدم ثقاہت کا پتہ چل جاتا۔ اس طرح نام ترک کردینے سے سامع کو شک وشبہ ہوسکتا ہے آخر نام ترک کرنے کی کیا وجہ ہے؟ (مقدمہ ابن صلاح)

جیسے امام شافعیؒ نے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ سے روایت کی ہے اور ان کے بارے میں حدثنی الثقة کا صیغہ استعمال کیا حالاں کہ وہ باتفاق محدثین ضعیف ہیں (ہوسکتا امام شافعیؒ کے یہاں

ثقہ ہو) اسی طرح امام مالکؒ نے عبدالکریم بن ابی المخارق سے حدثنی الثقۃ کہہ کر روایت کی حالاں کہ وہ ضعیف ہیں، (ہوسکتا ہے امام مالکؒ کے نزدیک ثقہ ہو)

دوسری بات یہ ہے کہ اس ثقہ کی تعیین کبھی بے حد مشکل ہوتی ہے اور کبھی مختلف فیہ ہوتی ہے، اور جب راوی کی تعیین ہی نہ ہو تو دوسروں کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے، اس کی بھی تعیین نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کی عدالت کا پتہ لگ سکتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے بارے میں قطعی فیصلہ ناممکن ہے۔

مثلاً جب امام مالکؒ حدثنی الثقۃ عن عمرو بن شعیب کی سند سے روایت کرتے ہیں تو اس ثقہ سے کون مراد ہے اس کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عبداللہ بن وہب ہیں۔ اور دوسرے کہتے ہیں کہ اس سے مراد امام زہری ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن لہیعہ ہیں۔

اسی طرح جب امام شافعیؒ حدثنی الثقۃ کہتے ہیں تو ہر جگہ اس سے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ اسلمیؒ ہی مراد نہیں ہوتے ہیں بلکہ مذکور سند کے اعتبار سے اس کی تعیین ہوتی ہے۔

مثلاً اگر وہ حدثنی الثقۃ عن ابن ابی ذئب کہتے ہیں تو ثقہ سے مراد ابن ابی فدیک ہوتے ہیں،

اور اگر عن الثقۃ عن لیث کہتے ہیں تو اس سے مراد یحییٰ بن حسان مراد ہوتے ہیں،

اور اگر عن الثقۃ عن الولید بن کثیر کہتے ہیں تو اس سے ابو اسامہ مراد ہوتے ہیں

اور اگر عن الثقۃ عن اوزاعی کہتے ہیں تو اس سے عمرو بن ابی سلمہ مراد ہوتے ہیں

اور اگر حدثنی الثقۃ عن صالح مولی التومۃ کہتے ہیں تو ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ مراد ہوتے ہیں۔

اور اگر عن الثقۃ کے بعد کسی عراقی راوی کو ذکر کرتے تو امام احمد بن حنبلؒ مراد ہوتے ہیں۔

(فتح المغیث ۲/۳۶)

ابن صلاح فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ جو راوی حدثنی الثقۃ کہے اور راوی کا نام نہ لے تو اس سے راوی کی ثقاہت ثابت نہیں ہوگی۔ (مقدمہ ابن صلاح)

اگر کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی عادت صرف ثقہ سے روایت کرنے کی ہے پھر وہ کسی سے روایت کرتا ہے تو یہ شخص ان کے یہاں ثقہ تصور کیا جائے گا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ من عرف من حالہ انہ لا یروی الا عن ثقۃ کمالک و شعبۃ و غیرھما انہ اذا روی عن رجل وصف بکونہ ثقۃ عندہ (لسان المیزان ۱/۲۱۰)

لیکن محققین کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اغلبیہ ہے، اس لیے کہ جن اہل علم کا نام اس تعلق سے دیا جاتا ہے ان کی روایتیں ضعفاء سے بھی پائی گئی ہیں۔ مثلاً امام مالکؒ نے عاصم بن عبید اللہ، عمرو بن ابی عمر، شریک بن ابی نمیر اور عبد الکریم بن ابی المخارق سے روایت کی ہے جبکہ یہ سب ضعیف ہیں، ایسے ہی عطار خراسانی اور داؤد بن حصین مدنی پر بھی کلام کیا گیا ہے، جن سے امام مالکؒ نے احادیث کی روایت کی ہے۔ (جرح و تعدیل ص ۱۷)

اسی طرح امام شعبہؒ نے جابر جعفی، ابراہیم ہجری، محمد بن عبد اللہ عرزمی وغیرہ سے روایت کی ہے جو ضعیف ہیں اور بظاہر ایسا کوئی نہیں جن کے مشائخ میں کوئی نہ کوئی ضعیف نہ ہو خاص طور سے اس زمانہ میں جب کہ ضعفا کی تعداد زیادہ پائی جاتی تھی، جہاں تک قرن اول کی بات ہے (جیسے حضرت سعید بن المسیب وغیرہ) تو اس زمانہ میں راویان حدیث میں ضعفا پائے ہی نہیں جاتے تھے۔

خود امام شعبہؒ فرماتے ہیں کہ لو لم احدثکم الا عن الثقات لم احدثکم الا عن نفر یسیر (الکفایہ) اگر میں صرف ثقات سے ہی روایت کرتا تو میرے مشائخ کی تعداد بہت کم ہوتی۔

اسی طرح ابن قطان کا فرمان ہے کہ ان لم ارو الا عن ارضی، مارویت الا عن خمسۃ او نحو ذلک (شرح علل الترمذی) اگر میں صرف قابل پسند لوگوں سے ہی روایت کرتا تو میرے مشائخ کی تعداد پانچ یا اس سے کچھ زائد ہوتی۔

ثقہ کی روایت نام کی صراحت کے ساتھ

کوئی ثقہ آدمی اگر کسی شخص سے نام کی صراحت کے ساتھ روایت کرتا ہے تو یہ اس کی توثیق کی

دلیل نہیں، اکثر اہل علم کا یہی خیال ہے اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ عادل وثقہ، غیر ثقہ اور غیر عادل سے روایت کرے، لہٰذا مجرد روایت کرنا تعدیل کے لیے کافی نہ ہوگا۔ (الکفایہ ص ۸۴) الا یہ کہ اس عادل کے بارے میں معلوم ہو جائے وہ صرف ثقہ سے ہی روایت کرتا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مجرد روایت کرنا تعدیل ہے یہ اس لیے ہے کہ اگر وہ کوئی عیب جانتا تو ضرور بیان کرتا۔

لیکن بیشتر اہل علم نے اس قول کو رد کر دیا ہے، اس لیے کہ کوئی ضروری نہیں کہ روایت کرنے والے کو اس کے بارے میں جرح یا تعدیل معلوم ہو اور اگر معلوم ہو تو کوئی ضروری نہیں کہ وہ اسے ذکر بھی کرے۔ (الکفایہ ص ۸۷)

لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر وہ شخص جس سے میں نام کی صراحت کے ساتھ روایت کرتا ہوں وہ ثقہ ہوتا ہے، تو اس شخص کی جانب سے یہ اس کی تعدیل سمجھی جائے گی، جیسے عبدالرحمن بن مہدی کا طریقہ تھا اور اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میں جس سے روایت کرتا ہوں وہ ثقہ ہوتا ہے اگرچہ نام نہ لوں تو اس شخص کے نزدیک وہ راوی ثقہ سمجھا جائے گا، لیکن یہ تزکیہ وتعدیل کو عموم پر محمول نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اگر وہ اس کا نام ذکر کرتا تو اس کے کہے ہوئے قول کے خلاف کوئی دوسرا حکم معلوم ہوتا۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ص ۸۷)

عدالت سے متعلق کلام یہاں مکمل ہوا اب دوسری شرط ضبط سے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جاتی ہے۔

ضبط کے لغوی معنی

"ضبط" یہ ضبط یضبط کا مصدر ہے، جو باب کرم اور باب سمع دونوں سے آتا ہے، باب سمع سے مشہور ہے، ضبط کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنا اور مضبوطی سے روک لینا ضبط الشئی کا مطلب ہے الحفظ بالحزم بہت مضبوطی سے یاد کرنا الرجل الضابط کے معنی حازم۔

اصطلاحی تعریف

راوی کا روایت کردہ احادیث کو بہت مضبوطی سے یاد رکھنا

شرعی دلیل

ضبط کی شرعی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها کما سمع اللہ تعالی اس شخص کے چہرے کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور اسے اچھی طرح یاد کیا اور محفوظ کر لیا اور جیسے سنا تھا ہو بہو دوسروں تک پہنچا دے۔

اس روایت میں حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے والوں دونوں کے لیے حفظ (ضبط) کو شرط قرار دیا ہے حفظها ووعاها واداها کما سمع اس پر نص ہے پھر یہ ضبط کرنا عام ہے چاہے دل و دماغ سے یا کتابت و تحریر کے ذریعہ ہو۔

ضبط کی دو قسمیں ہیں

(۱) ضبط صدر

راوی اپنی پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی حدیث کو اس طرح یاد رکھے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے اسے بیان کرنے پر قادر ہو۔

(۲) ضبط کتاب

راوی اپنی تحریر کردہ احادیث کو وقت ادا تک ہر طرح کے خرد برد سے محفوظ رکھے اور جب چاہے اس کے حاضر کرنے پر قادر ہو۔ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص ۹۲،۹)

شروط ضبط

روای کی روایت کردہ احادیث میں ضابط ہونے کے لیے مندرجہ شرطیں ضروری ہے۔

(۱) راوی بیدار مغز، چاق وچوبند ہو اس میں کسی طرح کی غفلت نہ پائی جاتی ہو۔
(۲) اگر احادیث کو حفظ سے پڑھائے تو ان احادیث بہت اچھی طرح یاد رکھنے والا ہو۔
(۳) اگر احادیث کو کتاب سے روایت کرتا ہو تو کتاب کی اچھی طرح حفاظت کرنے والا ہو۔
(۴) اگر روایت بالمعنی کرتا ہے تو معنی ومفہوم کو سمجھتا ہو اور ترجمانی پر قادر ہو۔

یہاں تک کہ اس کی روایت پر نظر رکھنے والے اور اس کے حالات کی خبر وجستجو کرنے والے کو یہ اطمینان ہو جائے کہ اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔ (الباعث الحثیث ص ۸۷، ۸۸)

اسی بنیاد پر اسے ضابط کہا جائے گا۔ اب ضابط کی تعریف اس طرح ہوگی "ضابط ہر اس راوی کو کہتے ہیں جو بیدار مغز، اپنی روایتوں کو اچھی طرح محفوظ رکھنے والا اور روایت بالمعنی کرتے وقت معنی ومفہوم کو سمجھنے والا ہو۔"

شرط ضبط سے خارج ہونے والے افراد

ضبط کے ان مذکورہ بالا شرائط کی وجہ سے مندرجہ ذیل راوی ضبط کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

(۱) مغفل : جس پر اس طرح سستی غالب ہو کہ اپنی مرویات میں غلط اور صحیح کی تمیز نہ کر سکے۔
(۲) بہت زیادہ غلطی کرنے والا ہو کہ اس کی غلطیاں اس کی درست باتوں سے زیادہ ہوں۔
(۳) خراب حافظہ والا جس کی غلطیاں زیادہ تو نہ ہو لیکن غلطیاں اور درست باتیں برابر ہوں۔
(۴) جس سے بکثرت وہم سرزد ہو غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط کردے مثلاً مرسل کو متصل، مرفوع کو موقوف یا اس کے برعکس کردے۔
(۵) اوثق یا ثقات کی بکثرت مخالفت کرنے والا
(۶) متساہل جو اپنی روایت کو یاد رکھنے، تحریر و تصحیح کرنے اور کتاب کو محفوظ رکھنے میں تساہل برتتا ہو۔
(۷) جو اپنی مرویات کے معنی ومفہوم کو نہ جانتا ہو اور ترجمہ کرنے پر قادر نہ ہو۔

ضبط پہچاننے کا طریقہ

راوی کا ضبط ثقہ راویوں کی روایت سے مقابلہ کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے، اگر اس کی روایت عموماً ان کی روایت کے مطابق ہو تو اسے ضابط سمجھا جائے گا، معمولی مخالفت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور اگر عموماً یعنی اکثر مخالفت ہو تو اس کی روایت مردود ہو جائے گی۔ (مقدمہ ابن صلاح ص ۵۹)

امتحان کے ذریعے بھی راوی کا ضبط معلوم کیا جا سکتا ہے جیسا کہ امام بخاری کے ساتھ بغداد والوں نے کیا تھا۔ (تاریخ بغداد)

روایت کے صحیح ہونے کی شرط

جب راوی مذکورہ صفات کے اعتبار سے عادل وضابط ہو تو اس کو ثقہ کہا جاتا ہے لیکن روایت کی صحت کے لیے صرف ثقہ ہونا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ شرطیں بھی ضروری ہے۔

(۱) راوی تدلیس سے کام نہ لیتا ہو

(۲) بہت زیادہ ارسال نہ کرتا ہو

(۳) ضعفاء ومجاہیل سے بکثرت روایت نہ کرتا ہو

(۴) صحیفہ سے روایت نہ کرتا ہو۔ (صحیفہ سے روایت کرنے کا مطلب ماقبل میں بیان کیا جا چکا ہے)

اس لیے کہ اس طرح کرنے سے راوی شک وشبہ کے دائرے میں آجاتا ہے اور اس کی روایت پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے اور بہت سی مرتبہ اس کی روایت مردود ہو جاتی ہے۔

تـــــــم بعون اللـــــــه

اہم مصادرومراجع

۱	تخریج الحدیث نشأته ومنهجیته	دکتورابواللیث خیرآبادی
۲	دراسات فی الجرح والتعدیل	دکتورمحمدضیاءالرحمن اعظمی
۳	مقدمہ ابن الصلاح	ابن الصلاح (م: ۶۴۳)
۴	الحطہ فی ذکر صحاح الستہ	سیدصدیق حسن خان قنوجی (م: ۱۳۰۷)
۵	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمدبن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶)
۶	صحیح المسلم	ابوالحسن مسلم بن الحجاج (م: ۲۶۱)
۷	جامع ترمذی	محمدبن عیسی ترمذی (م: ۲۷۹)
۸	الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل	عبدالحی لکھنوی (م: ۱۳۰۴)
۹	المجروحین	ابن حبان (م: ۳۵۴)
۱۰	جامع الاصول	ابن اثیرجزری (م: ۶۰۶)
۱۱	جرح وتعدیل اردو	ڈاکٹراقبال بسکوہری
۱۲	الکامل فی ضعفاءالرجال	ابن عدی (م : ۳۶۵)
۱۳	اسباب اختلاف الحدیث	محمداحسانی
۱۴	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجرعسقلانی (م: ۸۵۲)
۱۵	التاریخ الکبیر	ابوعبداللہ محمدبن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶)
۱۶	میزان الاعتدال	حافظ شمس الدین ذہبی (م: ۷۴۸)
۱۷	تدریب الراوی	جلال الدین سیوطی (م: ۹۱۱)
۱۸	قواعدالتحدیث	محمدجمال الدین قاسمی (م: ۱۳۳۴)
۱۹	توضیح الافکار	محمدبن اسماعیل امیرصنعانی (م ۱۱۸۲)

۲۰	ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل حافظ شمس الدین ذہبی (م:۷۴۸)	
۲۱	المتکلمون فی الرجال	حافظ سخاوی (م: ۹۰۲)
۲۲	الکفایۃ فی علم الروایۃ	خطیب بغدادی (م:۴۶۳)
۲۳	فتح المغیث	حافظ سخاوی (م:۹۰۲)
۲۴	ضوابط الجرح والتعدیل	عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم (م:۱۴۲۴)
۲۵	قاعدۃ فی الجرح والتعدیل	تاج الدین عبد الوہاب السبکی (م:۷۷۱)
۲۶	ھدی الساری مقدمہ فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲)
۲۷	الثقات الذین ضعفوا فی بعض شیوخھم صالح بن حامد الرفاعی	
۲۸	نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲)
۲۹	کشف المغیث شرح مقدمہ شیخ عبد الحق مفتی شعیب اللہ خان صاحب	
۳۰	معجم الفاظ الجرح والتعدیل	سید عبد الماجد الغوری
۳۱	الجرح والتعدیل	ابن ابی حاتم رازی (م: ۳۲۷)
۳۲	التقیید والایضاح	عبد الرحیم عراقی (م:۸۰۶)
۳۳	حدیث اور فہم حدیث	مفتی عبد اللہ صاحب معروفی
۳۴	فن اسماء الرجال	ڈاکٹر تقی الدین ندوی
۳۵	الجرح والتعدیل	ابولبابہ حسین
۳۶	الجرح والتعدیل	شیخ ابراہیم بن عبد اللہ اللاحم
۳۷	تھذیب الکمال	حافظ مزی یوسف بن عبد الرحمن (م: ۷۴۲)
۳۸	تیسیر دراسۃ الاسانید	عمرو عبد المنعم سلیم
۳۹	تیسیر علوم الحدیث	عمرو عبد المنعم سلیم
۴۰	الطبقات الکبری	محمد بن سعد (م: ۲۳۰)

۴۱	الجرح والتعدیل	ابن ابی حاتم رازی (م: ۳۲۷)
۴۲	الضعفاء الکبیر	حافظ ابوجعفر عقیلی (م: ۳۲۲)
۴۳	الکامل فی ضعفاء الرجال	ابن عدی (م: ۳۶۵)
۴۴	معرفۃ الثقات	حافظ عجلی (م: ۲۶۱)
۴۵	کتاب الثقات	علامہ ابن حبان (م: ۳۵۴)
۴۶	الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ	حافظ ذہبی (م: ۷۴۸)
۴۷	ذیل الکاشف	ابوزرعہ عراقی (م: ۸۲۶)
۴۸	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر (م: ۸۵۲)
۴۹	تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر (م: ۸۵۲)
۵۰	التذکرۃ برجال العشرۃ	ابن حمزہ حسینی (م: ۷۶۵)
۵۱	تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ	ابن حجر (م: ۸۵۲)
۵۲	مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار	بدرالدین عینی (م: ۸۵۵)
۵۳	کشف الستار عن رجال معانی الآثار	ابوالتراب رشداللہ سندھی (م:
۵۴	تراجم الاحبار عن شرح معانی الآثار	محمد ایوب مظاہری سہارنپوری (م ۱۴۰۷)
۵۵	میزان الاعتدال	حافظ عبداللہ ذہبی (م: ۷۴۸)
۵۶	لسان المیزان	حافظ ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲)
۵۷	اصول التخریج ودراسۃ الاسانید	دکتور محمود طحان
۵۸	تحریر قواعد الجرح والتعدیل	عمرو عبدالمنعم سلیم
۵۹	ہم علم حدیث کیسے پڑھیں؟	محمد ادریس گوتیا گودھروی (مؤلف کتاب)
۶۰	تحفۃ القمر	مولانا شاہد قاسمی صاحب

مراتب تعدیل اور ان کے کلمات

۱	۲	۳	۴	۵	۶
اسم تفضیل، صیغہ مبالغہ یا ان کے مشابہ اور ہم معنی ہوں	راوی کی ثقاہت کی تاکید تکرار لفظی یا معنوی سے ہو	راوی کی ثقاہت بغیر تاکید کے بیان کی گئی ہو	عدالت واضح اور ضبط غیر واضح ہو	عدالت اور ضبط دونوں غیر واضح ہو	ناقد کے تردد وشک کا اظہار
اوثق الناس، اثبت الناس، ونحوہ الیه المنتهی فی التثبت لا احد اثبت منه، ومن مثل فلان، فلان لا یسئل عنه، لا اعرف له نظیر امیر المؤمنین	ثقة ثقة ثقة ثبت، ثقة حجة ثقة حافظ، ثقة مامون، ثبت حجة حجة حافظ وغیرہ	ثقة متقن، ثبت، حجة حافظ ضابط، عادل، امام کانه مصحف	صدوق، محله الصدق، لا بأس به، مامون، خیار، لیس به بأس	شیخ، الی الصدق ماهو، حسن الحدیث، صدوق سیء الحفظ، صدوق یهم صدوق تغیر صدوق رمی بالتشیع، او بالارجاء، او بالنصب، او بالقدر، مقارب الحدیث، رووا عنه الصدق ماهو	صدوق ان شاء اللہ ارجو ان لا بأس به، صویلح، مقبول، یکتب حدیثه (للاعتبار)
ان سب کی روایتیں قابل احتجاج ہوتی ہے اگرچہ بعض بعض سے قوی ہوتی ہیں۔			راجح قول کے مطابق حسن ہوتی ہے	قابل اعتبار، موافقت پر قابل احتجاج	قابل اعتبار، شاہد وتابع کی تلاش کیلیے
صحیحین	صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان	سنن			

مراتب جرح اور ان کے کلمات

۱	۲	۳	۴	۵	۶
جس میں ضعف کی جانب اشارہ ہو	جو راوی کے ضعف پر صراحت سے دلالت کرے	جو کثرت ضعف پر دلالت کرے	متہم بالکذب پر دلالت کرے	کذب پر دلالت کرے	دروغ گوئی میں مبالغہ یا اسم تفضیل سے دلالت کرے
لین، فیہ لین،	ضعیف	ضعف جدا	متہم بالکذب	کذاب	اکذب الناس
فیہ مقال،		واہ بمرۃ	متہم بالوضع		
سیئ الحفظ،	لا یحتج بہ	لا یکتب حدیثہ	سارق الحدیث	دجال	رکن الکذب
لیس بالمعین،		لا تحل الروایۃ عنہ	ساقط، ھالک		
مطعون،	لہ مناکیر	تالف، رد حدیثہ	متروک	وضاع	الیہ المنتہی
لیس بمامون وغیرہ		لیس بشیئ	ذاہب الحدیث		
تکلموا فیہ	مضطرب	لا یساوی شیئا	(فیہ نظر،	یکذب	بالکذب وغیرہ
تعرف وتنکر،		منکر الحدیث	سکتوا عنہ امام بخاریؒ کے	یضع	
غیرہ اوثق منہ	لیس بالقوی	حدیثہ منکر	یہاں)	لہ بلایا	
مجہول، لیس بذاک					
صاحب فتح المغیث نے ان دونوں کے لیے لکھا ہے کہ ان کی حدیث بطور اعتبار ذکر ہو سکتی ہے۔		ان چاروں کی روایتیں مردود ہوتی ہیں اور بعض بعض سے اشد ہوتی ہیں۔			
ضعیف	ضعیف				

مراتب الفاظ التعديل وحکمها حسب الاصطلاحی العام

المرتبة	ابن ابی حاتم	مازاده ابن الصلاح	المرتبة	الذهبی	زاده العراقی علی الذهبی	المرتبة	السخاوی	احکم هذه المراتب
						۱	ما اتی بصیغة افعل اوثق الناس اصدق من ادرکت من البشر ویلحق بها الیه المنتهی فی التثبت لا اعرف له نظیرا فی الدنیا	حدیث اصحاب هذه المراتب الاربعة فی درجة الصحیح وکل مرتبة اقوی من المرتبة التی تلیها
						۲	لا یسأل عن مثله	
			۱	ثبت حجة ـ ثبت حافظ ـ ثقة متقن ـ ثقة ثقة	ثقة ثبت	۳	ثقة ثبت ـ ثبت حجة ـ ثقة ثقة	
۱	ثقة متقن ثبت	ثبت ـ حجة ـ وکذا اذا قیل فی العدل حافظ ضابط	۲	ثقة		۴	ثقة ـ ثبت ـ کأنه مصحف ـ متقن ـ حجة ـ وکذا اذا قیل لعدل حافظ ضابط	
۲	صدوق ـ محله الصدق ـ لا بأس به		۳	صدوق ـ لا بأس به لیس به بأس	مامون ـ خیار	۵	صدوق ـ لا بأس به ـ لیس به بأس ـ مامون ـ خیار	حدیث اصحاب هذه المرتبة فی درجة الحسن
۳	شیخ							لفظ شیخ قد دخل فی المرتبة الاخیرة
۴	صالح الحدیث	روی عنه الناس وسط ـ مقارب الحدیث ما اعلم به بأسا	۴	محله الصدق جید الحدیث شیخ ـ وسط ـ شیخ حسن الحدیث صدوق ان شاء الله ـ صالح الحدیث صویلح	الی الصدق ما هو ارجو انه لا بأس به ما اعلم به بأسا رووا عنه مقارب الحدیث	۶	محلة الصدق ـ رووا عنه ـ روی الناس عنه ـ یروی عنه الی الصدق ما هو ـ شیخ وسط ـ وسط ـ شیخ ـ مقارب الحدیث ـ صالح الحدیث ـ یعتبر به ـ یکتب حدیثه ـ جید الحدیث ـ ما اقرب حدیثه ـ صویلح ـ صدوق ان شاء الله ارجو ان لیس به بأس ـ حسن الحدیث	احادیث اصحاب هذه المرتبة محل نظر لان هذه الالفاظ متجاذبة بین الاحتجاج وعدمه فکثیرا ما یحکم بالصحة او الحسن علی ما انفرد به هؤلاء لما یحف ذلک من قرائن ترتقی بها وکثیرا ما یسارع الائمة فی الحکم علی احادیثهم

مراتب الرواۃ فی "التقریب" والمراد منہا والحکم علیہا

المراتبہ	الفاظ المراتب	المراد من المراتب	الحکم علی اسانید المراتب
۱	الصحابۃ	من ثبت صحبتہ اوتر جحت	غنی عن الحکم علیہ
۲	اوثق الناس، ثقۃ ثقۃ، ثقۃ حافظ واعثالہا	ائمۃ الجرح والتعدیل ومن فی مرتبتہم	صحیح لذاتہ من الدرجۃ الاولی، ویضعف ما وہم فیہ
۳	ثقۃ، متقن، ثبت، عدل، وامثالہا، (ومختلف فی صحبتہ)	من اتفق ائمۃ النقد علی توثیقہ	صحیح لذاتہ من الدرجۃ الثانیۃ، ویضعف ما وہم فیہ
۴	صدوق، لا بأس بہ، لیس بہ بأس، (وصالح الحدیث)	من وثقہ الجمہور، وخالفہم البعض بجرح غیر معتبر	صحیح لذاتہ من الدرجۃ الثالثۃ، ویضعف ما وہم فیہ
۵	صدوق سیئ الحفظ، صدوق یہم، صدوق لہ اوہام، صدوق یخطئ، صدوق تغیر باخرۃ ومن رمی بنوع من البدعۃ کالتشیع او القدر او النصب او الارجاء او التجہم مع بیان الداعیۃ من غیرہ	من وثقہ الجمہور، وخالفہم البعض بجرح لہ وجہ معتبر	حسن لذاتہ من الدرجۃ الاولی اذا انفرد، ویرتقی الی "صحیح لغیرہ" اذا توبع، ویضعف ماتبین انہ اخطأ اووہم او خالف الاخرین فیہ
۶	مقبول (اذا توبع) لین الحدیث (اذا لم یتابع)	قلیل الحدیث ولم یثبت فیہ ما یترک بہ حدیثہ	مقبول: حسن لذاتہ من الدرجۃ الثانیۃ لین الحدیث: حسن لذاتہ من الدرجۃ الثالثۃ
۷	مستور، مجہول الحال، (وشیخ لا یعرف حالہ)	من روی عنہ اکثر من واحد ولم یوثق	اذا توبع فحسن لغیرہ من الدرجۃ الاولی والا یتوقف فیہ
۸	ضعیف: (وضعیف الحفظ، لیس بالقوی، فیہ ضعف)	فاقد التوثیق المعتبر واطلق فیہ الضعف	ضعیف، ویرتقی الی الحسن لغیرہ من الدرجۃ الثانیۃ بتعدد الطرق
۹	مجہول ای مجہول العین (ولا یعرف)	من لم یروعنہ غیر واحد ولم یوثق	ضعیف، ویرتقی الی الحسن لغیرہ من الدرجۃ الثالثۃ تعدد الطرق
۱۰	متروک، متروک الحدیث، واہی الحدیث، ساقط، (منکر الحدیث)	من لم یوثق البتۃ، وضعف بقادح	ضعیف جدا، ولا یصلح للاعتبار
۱۱	متہم بالکذب	من ثبت کذبہ فی کلام الناس، لا فی حدیث الرسول	متروک او مطروح
۱۲	کذاب، وضاع	من ثبت علیہ الکذب فی حدیث الرسول ﷺ	موضوع